تنویر الفتاویٰ

المعروف

فتاویٰ علیمیہ

جلد اول

مصنف

مفتی سید محمد منور شاہ نقشبندی سواتی

مفتی و شیخ الحدیث

الجامعة العليمية الاسلاميه

کراچی پاکستان

ناشر:

ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز

المرکز الاسلامی بلاک بی نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان

نام کتاب.........................تنویر الفتاویٰ (فتاویٰ علیمیہ) جلد اول

مصنف.........................مفتی سید محمد منور شاہ نقشبندی سواتی

فیضانِ نظر.........................مبلّغ اسلام الشاہ محمد عبدالعلیم صدّیقی قادری رحمہ اللہ

.........................ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری رحمہ اللہ

کمپوزنگ.........................مولانا محمد یحیٰ، استاذ: جامعہ علیمیہ اسلامیہ

ترتیب وتزئین.................مصنفِ کتاب

ضخامت.........................۶۳۴ صفحات

طبع باراوّل.....................۲۰۰۸ء بمطابق ۱۴۲۹ھ

طباعت.........................جمیل برادرز (0332,2316945)

ہدیہ.........................۴۵۰ روپے

ناشر.........................ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز

المرکز الاسلامی بلاک بی نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان

ملنے کے پتے

المرکز الاسلامی بلاک بی نارتھ ناظم آباد کراچی

مکتبہ غوثیہ پرانی سبزی منڈی کراچی

المرکز مقصود العلوم لیاقت آباد نمبر ۴ کراچی

جامع مسجد غوثیہ فرنٹیئر کالونی ۳، بنارس کراچی

مکتبۃ المدینہ، اردو بازار کراچی

مکتبہ فیض القرآن، انفال پلازہ اردو بازار کراچی

ہم انتہائی خلوص ومحبت اورتہہِ دل سے صاحبزادہ **مصطفیٰ فاضل انصاری** جنرل سیکرٹری ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز پاکستان کا اور

ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز

کراچی پاکستان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس ادارے نے اپنی گونا گوں مصروفیات اور چہار دانگِ عالم میں دینِ اسلام کی خدمت اور الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیہ (المرکز الاسلامی) جیسے عظیم ادارے کے سالانہ لاکھوں نہیں، بلکہ کروڑوں کے اخراجات کے باوجود انتہائی محبت اور عقیدت سے

تنویر الفتاویٰ المعروف بفتاوائے علیمیہ

کو احسن طریقے سے شائع اور نشر کرنے کا اہتمام کر کے اس فیض کو عام کرنے کی سعادت حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ اس ادارے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء

از

دارالافتاء

الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ

کراچی پاکستان

انتساب

بندہ ناچیز کی یہ خلوص بھری خدمتِ دین جو آج کائنات کے رنگ و بو اور خصوصاً دنیائے علم و معرفت میں ''تنویر الفتاویٰ المعروف بفتاوائے علیمیہ'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے، سرور کائنات، خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین، اکرم الاوّلین والآخرین، حامل لواء الحمد یوم الدّین، اوّل الشافعین والمشفعین، صاحب المقام المحمود بین المحشورین، رحمۃً للعالمین، حبیبِ ربّ العالمین

محمّد رسول اللّٰہ ﷺ

کی ذاتِ بابرکات اور آپ ﷺ کے وسیلے سے تمام مشائخ وعلمائے اہلسنت خصوصاً امامِ انقلاب، مبلّغِ اسلام، سیّاحِ عالم، ولیٔ کامل، عالم باعمل، شیخ العلماء الشاہ **محمّد عبد العلیم صدّیقی** قادری اور حضرت علّامہ الحافظ **ڈاکٹر محمّد فضل الرحمن الانصاری** القادری **کے نام**، جو عالم اسلام میں صرف قائدینِ اہلسنت نہیں بلکہ قائدینِ ملتِ اسلامیہ بھی ہیں۔

رحمہم اللہ تعالیٰ ورضی عنہم وعنا بہم

العبد العاصی بانواع المعاصی

سید محمد منور شاہ النقشبندی السواتی

خادم الافتاء والاحادیث النبویہ

بالجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیہ

بانی علیمیہ حضرت ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمٰن الانصاری علیہ الرحمۃ

ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری علیہ الرحمۃ ۱۲ شعبان المعظم / ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء بروز جمعہ (یو پی بھارت) میں مولانا محمد خلیل انصاری کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب میزبانِ رسول ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے، ۱۹۲۱ء میں حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد آپ نے مدرسہ اسلامیہ (میرٹھ) میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ میرٹھ کالج میں بھی داخلہ لے لیا، ایک دن کالج سے آتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ ایک بزرگ حضرت مخدوم صاحب کی مسجد سے لوگوں کے ہجوم میں باہر آرہے ہیں اور لوگ ان کے ساتھ بڑی عقیدت کے ساتھ پیش آرہے ہیں، آپ نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جن کی لوگ اس قدر تعظیم وتوقیر کررہے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی ہیں، جنہیں علوم قدیمہ وجدیدہ میں مہارت تامہ حاصل ہے، اور یہ علوم جدیدہ بالخصوص فلسفہ اور سائنس کی تعلیم سے لوگوں کے قلوب و اذہان میں اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جوابات نہایت عمدہ اور اچھے طریقے سے دیتے ہیں، یہ سن کر ڈاکٹر صاحب فوراً ہی مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ سے ملاقات کے لئے گئے، اس ملاقات نے آپ پر ایسا اثر کیا کہ آپ کے دل ودماغ پر شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ چھا گئے، اور آپ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ آپ کو مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ سے ملے بغیر راحت وسکون ہی میسر نہیں آتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی ہستی کے ذریعے آپ کو حکمت ودانائی نور وعرفان، فہم وفراست، تدبر وتعمق، حلم وبردباری، جہانگیری وجہاں بانی جیسی صفات حسنہ سے آراستہ وپیراستہ کرنا تھا تو اس ہستی کے بغیر آپ کو کیسے سکون واطمینان حاصل ہوسکتا تھا، آخر کار آپ کے رگ و پا اور احساسات و جذبات میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت رچ بس گئی۔

تعلیم وتربیت:

۱۹۳۵ء میں آپ نے علیگڑھ یونیورسٹی سے بی، اے اور بی، ٹی، ایچ کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کرکے گولڈ میڈل حاصل کیا، اور فلسفہ میں ۹۸ فی صد نمبر حاصل کرکے دوسرا گولڈ میڈل حاصل کیا، آپ کا یہ ریکارڈ تاحال برقرار ہے، آپ کے فلسفہ کے امتحان کے لئے شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کو خاص طور پر مدعو کیا گیا جن کے امتحان کے اختتام پر یہ ریمارکس تھے:

"فضل الرحمٰن انصاری ایک بہترین پیدائشی فلسفی ہیں"

۱۹۴۱ء میں آپ نے علوم دینیہ کا امتحان مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا، ۱۹۴۲ء میں آپ نے فرسٹ ڈویژن میں ایم، اے، فلسفہ کیا، اس کے علاوہ آپ نے پی ایچ ڈی کے لئے The Qur'anic Foundation And Structure of the Muslim Society کے موضوع پر Thesis لکھا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

تبلیغی خدمات:

۱۹۴۹ء میں آپ نے مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کے ساتھ عالمی تبلیغی دورہ کیا یہ دورہ تقریباً پونے دو سال تک جاری رہا، اس دوران آپ نے سری لنکا، ملائیشیا، انڈونیشیا، فلپائن، جاپان، کینیڈا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، ٹرینیڈاڈ (ویسٹ انڈیز)، ٹوبیگو، برٹش گیانا، ڈچ گیانا، سرینام، برطانیہ، فرانس، اٹلی، مصر، اردن، شام، عراق، سعودی عرب اور دیگر ممالک میں تبلیغ فرمائی، اسی دوران آپ اپنے شیخ کی جانب سے خلعت خلافت سے سرفراز کئے گئے، ۱۹۵۷ء میں آپ نے دنیا کے سترہ ممالک کا دورہ کیا، یہ دورہ تقریباً پانچ ماہ تک جاری رہا، اس کے بعد آپ نے ۱۹۶۰ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۹ء، اور ۱۹۷۰ء میں بھی عالمی سطح کے تبلیغی دورے فرمائے، جس کے نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا، نیز آپ وہ پہلے اسلامی مبلغ ہیں جنہوں نے بحر ہند کے جزیرہ Seychelles (سائیکلس) کا دورہ کیا۔

ورلڈ فیڈریشن کا قیام:

آپ نے مختلف تبلیغی اسفار کرنے کے بعد منظّم و مربوط انداز میں اسلامی تبلیغ کا جال بچھانے کے پیش نظر ۱۹۵۸ء میں الوفاق العالمی للدعوۃ الاسلامیۃ World Federation of Islamic Missions کا قیام فرمایا، اس ادارے کے تحت مختلف دینی علمی، روحانی، معاشرتی اور فلاحی شعبہ جات قائم کئے گئے جو تا حال خدمت دین و خدمت خلق کے لئے مصروف عمل ہیں۔ الوفاق العالمی کے تحت ۱۹۶۴ء سے The Minaret کا باقاعدہ اجراء بھی کیا جاتا ہے۔

اس وفاق کا سب سے اہم پراجیکٹ الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ Aleemiyah Institute of Islamic Studies ہے۔

اور اس کا دوسرا اہم پراجیکٹ اسلامک ریسرچ بیورو اینڈ پبلیکیشنز ہے (ادارۃ المجمع الاسلامی للبحوث والنشر) ہے۔ اس ادارے سے اب تک اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں سو سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں۔

اب اسی ادارے کے تحت تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیہ بھی شائع کیا جا رہا ہے، یہ فتاویٰ کئی ایک خصوصیات کا حامل ہے۔

اس کی چیدہ چیدہ خصوصیات یہ ہیں:

تنویر الفتاویٰ کی خصوصیات:

۱۔ اس میں مختلف فیہ (اختلافی) فقہی مسائل میں افراط و تفریط کے بجائے انصاف، اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ اس میں سختی، تنگی اور عسر کے بجائے سہولت، آسانی اور یسر کے پہلو کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

۳۔ اس میں مختلف فقہی آراء میں سے جو رائے کتاب و سنت سے زیادہ قریب نظر آئی ہے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

۴۔ اس میں مسئلے کو بہت صاف، واضح اور عام فہم الفاظ میں لکھا گیا ہے۔

۵۔ سائل کے ذہن کو جواب سے قریب تر کرنے کے لئے بعض اوقات مختصر سی تمہید بھی باندھی گئی ہے۔

۶۔ اس میں سائل کی نفسیات، کیفیات اور عصر حاضر کے عرف کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔

۷۔ مسائل جدیدہ کا حل مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۸۔ اس میں احادیث وجزئیات کتب کے صفحہ نمبر، باب اور مطبوعہ کتب خانے کے نام کے ساتھ درج کئے گئے۔

۹۔ مذکورہ خصوصیات کے علاوہ اس فتاویٰ میں دیگر مؤلفین کی طرح مؤلف فاضل کے بھی چند تفردات ہیں۔

تصنیفات:

آپ نے عصری مسائل اور جدید موضوعات پر کئی ایک کتب تصنیف فرمائیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

1. The Qur'anic Foundation And Structure of Muslim Society
2. Islam and Christianity in The Modern World
3. The Beacon Light
4. What Is Islam
5. Islam Verses Marxism
6. Islam To The Modern Mind
7. Through Science And Philosophy To Religion
8. Which Religion
9. Islam And Western Civilisation
10. Beyond Death
11. Philosophy of Worship In Islam

انتقال پر ملال:

۱۱ جمادی الاولیٰ بروز پیر ۱۳۹۴ھ، ۳ جون ۱۹۷۴ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مرقد انور جامعہ علیمیہ اسلامیہ کے احاطہ میں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بارے میں چند ارباب علم ودانش کے تاثرات:۔

مصر کے نائب وزیر اعظم ڈاکٹر عبدالعزیز کامل ۱۸ جون ۱۹۷۴ء ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کے مزار پر آئے، اس موقع پر انہوں نے کہا:

''ڈاکٹر صاحب کے انتقال سے عالم اسلام ایک جید عالم، مفکر اور اسلام کے مبلغ سے محروم ہو گیا، میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ڈاکٹر انصاری کے طریقہ کار سے بہت متاثر ہوں۔''

پروفیسر محمود حسین صدیقی:

"فضل الرحمٰن انصاری کی ذات وہ مرکز تھی، جہاں عشق و عقل دونوں آ کر ملتے ہیں، غیر مسلم ان کی علمی بصیرت کے اس قدر مداح تھے کہ ان کو Great Thinker (مفکر اعظم) کا خطاب دیا۔

پروفیسر عبدالعزیز المیمنی صدر شعبہ عربی علی گڑھ یونیورسٹی نے ۲۳ نومبر ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا:

"میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو ان کی برابری کر سکے، شرافت، کردار کی پختگی، علم کی محبت، اسلامی مسائل میں وسیع النظر، کسی کام کو کرنے کی صلاحیت اور ان جیسا حوصلہ میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے مرقد انور پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے، اور ہمیں ان کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

فقط۔ محمد عبداللہ نورانی

استاد افتاء و حدیث جامعہ علیمیہ کراچی

تعارفی کلمات

الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ ایک دینی اور علمی مرکز ہے جو تقریبا عرصہ ۵۹ سال سے تبلیغ دین اور ایسے علماء عظام و مبلغین کی تیاری میں مصروف ہے جو عالمی سطح پر مسلمانوں کو درپیش مسائل بالخصوص جدید چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے ابطال باطل اور اظہار حق کا فریضہ انجام دے سکیں۔الحمدللہ اس ادارے سے متعلق علماء کرام فجی آئی لینڈ (مشرق بعید) سے لے کر برٹش گیانا، ویسٹ انڈیز (مغرب بعید)، بر اعظم افریقہ اور بر اعظم امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں اور تبلیغ دین کا کار عظیم سرانجام دے رہے ہیں۔

جامعہ علیمیہ کے مؤسس حضرت ڈاکٹر مولانا حافظ فضل الرحمٰن الانصاری القادری علیہ الرحمۃ نے ۵۹ سال قبل اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اس وقت عالم اسلام کو ایسے ذہین و فطین علماء کرام کی ضرورت ہے جو علم دین کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی آراستہ ہوں تا کہ جدید مغرب زدہ طبقہ کو انہی کی زبان میں اسلام کا پیغام پہنچا سکیں اور مغرب سے مرعوب مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قلوب و اذہان سے اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکیں۔ایسے علماء جو مسلکی ،قومی ،لسانی ،مذہبی تعصّبات اور فرقہ واریت کی آگ سے بچ کر صحیح طور پر اپنے رب کی راہ کی طرف دعوت دے سکیں ،جن کا ظاہر باشرع اور باطن باخدا ہو اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے با عزت و باوقار طریقے سے اپنی زندگی دین اسلام کے لئے وقف کر دیں۔اسی ضرورت کے پیش نظر آپ نے الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ کی ۱۹۵۹ء میں بنیاد رکھی جو تا حال آپ کے مشن کے تکمیل کے لئے کوشاں ہے۔

علیمیہ کا طرز تعلیم دیگر مدارس و جامعات سے کسی قدر مختلف ہے۔اس ادارے کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہاں کا ذریعہ تعلیم عربی اور انگریزی ہے اور یہاں دینی علوم کے ساتھ عصری وجدید علوم M.A تک پڑھائے جاتے ہیں۔اس ادارے کا نصاب اس طرز پر تشکیل دیا گیا ہے کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء عالم دین ہونے کے علاوہ M.A کی ڈگری کے حامل ہوتے ہیں اور عربی و انگریزی زبان میں تقریر و تحریر کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

جامعہ علیمیہ کی چند خصوصیات

۱) دورۂ تفسیر:

الحمدللہ علیمیہ میں ہر سال تفسیر الجلالین کا ختم ہوتا ہے جو تقریبا پچیس سال سے تا حال جاری وساری ہے، ادارے میں یہ عظیم خدمت استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث ابو محمد فہیم انوار اللہ مدظلہ العالی انجام دے رہے ہیں، آپ ادارے سے عرصہ چالیس سال سے وابستہ ہیں۔

دورۂ حدیث:

دیگر مدارس کی طرح علیمیہ میں بھی دورہ حدیث کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے۔الحمدللہ اس ادارے کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں

درج ذیل اساتذہ نے تدریس کی ہے۔

استاذ شیوخ الحدیث مفتی پروفیسر ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

(سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان)

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت محمد نصر اللہ خان الافغانی صاحب مدظلہ

(سابق چیف جسٹس امارات اسلامیہ افغانستان)

استاذ العلماء سید محمد ہاشم فاضل شمسی علیہ الرحمۃ

(سابق صدر شعبہ تصوف واخلاق جامعہ اسلامیہ بہاولپور)

استاذ العلماء حضرت علامہ محمد حسن حقانی مدظلہ

(سابق رکن سندھ اسمبلی، مرکزی رہنما جمعیت علمائے پاکستان)

شیخ التفسیر والحدیث ابوفہیم انوار اللہ مدظلہ العالی (مدیر الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ)

حضرت علامہ پروفیسر حافظ مشیر بیگ صاحب مدظلہ (سابق استاذ وفاقی اردو یونیورسٹی)

بطور شیخ الحدیث اپنی خدمات پیش کرتے رہے ہیں۔

۳) التخصص فی الفقہ اور دارالافتاء:

علیمیہ عرصہ دراز سے شرعی مسائل کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کے سلسلے میں خواص وعوم کا مرجع رہا ہے، ادارے کے آخری سال کے طلباء کو باقاعدہ فتویٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے اور تخصص فی الفقہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ادارہ ہذا میں حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری صاحب، حضرت مولانا ظفر اللہ خان صاحب، حضرت مولانا فاضل شمسی صاحب اور حضرت پروفیسر ڈاکٹر مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (استاذ نیشنل یونیورسٹی، فاسٹ) فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ فی الحال یہ خدمت شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء حضرت مفتی سید محمد منور شاہ صاحب مدظلہ العالی اور حضرت علامہ محمد عبداللہ نورانی مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ علیمیہ) انجام دے رہے ہیں۔

۴) الحفلۃ العلیمیۃ:

ادارے کے دیگر امتیازات میں سے الحفلۃ العلیمیۃ کا ہر ہفتہ انعقاد بھی ہے ادارے کے تمام طلباء جن کو مختلف گروپس میں تقسیم کیا گیا ہے ہر ہفتے دیئے گئے موضوع پر اپنے خیالات کا بزبان عربی وانگریزی اظہار کرتے ہیں اس میں شرکت کرنا ہر طالب علم پر لازم ہے کیونکہ یہ ادارے کے نصاب کا حصہ ہے اس طرح طلباء میں عربی اور انگریزی زبان میں بات کرنے اور دین اسلام کا پیغام بہتر انداز سے پہنچانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

۵) المکتبۃ العلیمیۃ:

علیمیہ کا ایک امتیازی پہلو المکتبۃ العلیمیۃ کا قیام ہے۔اس کے قیام کا مقصد طلباء میں تحریری صلاحیتوں کو ابھارنا ہے۔اس کے تحت تمام سینئر طلباء سے مختلف جدید و قدیم عنوانات پر بزبان عربی و انگریزی مقالہ جات لکھوائے جاتے ہیں۔یہ بھی علیمیہ کے تعلیمی نصاب کا جزو ہے۔

٦) قابل اساتذہ:

جامعہ علیمیہ کے لئے پاکستان اور بیرون پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور اداروں سے قابل ترین اساتذہ کا انتخاب کیا جاتا رہا ہے۔

ان اساتذہ میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

ڈاکٹر فاطمی (سابق مدیر جامعہ علیمیہ،سابق استاذ ڈھاکہ یونیورسٹی)

ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی

(سابق مدیر جامعہ علیمیہ،سابق رئیس الجامعۃ الاسلامیہ بہاولپور، پاکستان)

ڈاکٹر برہان الدین فاروقی (فلسفی، پاکستان)

پروفیسر محمود حسین صدیقی (سابق مدیر جامعہ علیمیہ،چیئرمین سیرت چیئر، پاکستان)

ممتاز مصنف و مقرر مولانا عمران نذر حسین (سابق مدیر جامعہ علیمیہ، ویسٹ انڈیز)

استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث ابوفہیم انوار اللہ (مدیر جامعہ علیمیہ، افریقہ)

مولانا شیخ محمد مونس (حدیث و عربی ادب، جامعۃ الازھر)

مولانا استاذ جمعہ (فقہ، جامعۃ الازھر)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

(فلسفہ، تقابل ادیان، سابق پرنسپل اشاعت اسلام کالج لاہور، پاکستان)

پروفیسر شمس الحق (فلسفہ و منطق، پاکستان)

پروفیسر شمیم ہاشمی (نفسیات، سابق صدر شعبہ نفسیات، کراچی یونیورسٹی، پاکستان)

پروفیسر ظہور الحسن (جدید منطق و فلسفہ، چیئرمین شعبہ فلسفہ کراچی یونیورسٹی، پاکستان)

مولانا شیخ علی مصطفیٰ (تقابل ادیان، سری نام، جنوبی امریکہ)

پروفیسر کمال (فلسفہ، عراق)

الاستاذ حسن (عربی ادب، اردن)

مولانا محمد علی لطفی (عربی ادب، پاکستان)

پروفیسر یوسف (انگریزی، فاضل علیگڑھ یونیورسٹی انڈیا، پاکستان)

پروفیسر اظہار الحق (انگریزی، فاضل علیگڑھ یونیورسٹی انڈیا، پاکستان)

پروفیسر اعظم خان

(فاضل علیگڑھ یونیورسٹی، ایم۔اے فارسی وانگریزی جامعہ سندھ، پاکستان)

پروفیسر عبدالحئی بخاری (درس نظامی، پاکستان)

پروفیسر مفتی محمد صادق بلوچ (تاریخ، تقابل ادیان، فاضل جامعہ علیمیہ پاکستان)

پروفیسر مفتی شیخ محمد اقبال لاسی (عربی، نفسیات، فاضل جامعہ علیمیہ، پاکستان)

پروفیسر محمد عامر بیگ (جدید اسلامی معاشیات، فاضل جامعہ علیمیہ پاکستان)

علامہ سرفراز صابری صاحب (تجوید، نحو وصرف، قائم مقام مدیر جامعہ علیمیہ، پاکستان)

علامہ محمد زاہد الحق صاحب (استاذ الحدیث، فاضل دار العلوم فیض الاسلام مردان، پاکستان)

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

(جدید معاشیات وفلسفہ، سابق استاذ London School of Economics)

پروفیسر عبداللطیف (جغرافیہ، سابق پرنسپل فارمین کالج، کراچی، پاکستان)

پروفیسر عتیق الرحمٰن صاحب (جدید منطق وفلسفہ، ایم۔فل (فلسفہ) کراچی یونیورسٹی)

تنویر الفتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ علیمیہ کے مؤلف کا تعارف

پیش نظر فتاویٰ حضرت علامہ مفتی سید محمد منور شاہ صاحب مدظلہ العالی کے تحریر کردہ اور مصدقہ فتاویٰ کے مجموعہ کی پہلی جلد ہے، مفتی موصوف عرصہ تین سال سے جامعہ علیمیہ میں شیخ الحدیث اور رئیس دار الافتاء کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ انتہائی مخلص، زیرک، اہل علم، فقیہ النفس اور معتدل مزاج ہیں، آپ کا اکثر وقت ادارے کی خدمت میں ہی گزرتا ہے، فتاویٰ کی پہلی جلد ادارے سے جاری ہونے والے ۲۱۵ فتاویٰ پر مشتمل ہے جو تقریباً ۶۳۰ صفحات پر محیط ہیں، یقیناً دوسال کے انتہائی قلیل عرصہ میں آپ کی یہ کوشش لائق تعریف ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں مزید اپنی برکت فرمائے۔آمین

نام ونسب وپیدائش:

حضرت مفتی صاحب ضلع سوات علاقہ شموزئی کے سادات گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، آپ کا پورا نام سید محمد منور شاہ بن حاجی سید بخت روئیدار بن سید عبدالمالک بن سید طوطی بن سید حبیب گل ہے، آپ کا خاندان علمی گھرانا ہونے کی وجہ سے اپنے علاقے میں ''ملان یعنی علماء'' کے نام سے مشہور ہے، آپ کی ولادت جولائی ۱۹۷۱ء میں بمقام شموزئی ضلع سوات کے گاؤں تیرنگ (مبارک پور) میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت ودرس نظامی کی تکمیل:

ابتدائی دینی تعلیم آپ نے اپنے آبائی گاؤں سے حاصل کی، اور مزید اعلیٰ تعلیم آپ نے بالترتیب درج ذیل امہات المدارس سے حاصل کی۔

دارالعلوم امجدیہ کراچی، دارالعلوم اسلامیہ سید عالیہ درگاہ حضرت پیر بابا ضلع بونیر صوبہ سرحد، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، گورنمنٹ دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف سوات، اور دورہ حدیث کی تکمیل دارالعلوم امجدیہ سے ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۸ء میں کی۔ امتحان میں اول (اعلیٰ) پوزیشن حاصل کر کے اعزازی سند عطا کی گئی۔

درس نظامی کے چیدہ چیدہ مایہ ناز اساتذہ:

محسنِ اہلسنت مفتی اعظم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ، مفتی یار محمد قادری، استاذ العلماء مشفق الطلباء علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی، علامہ محمد صدیق ہزاروی (جامعہ نظامیہ لاہور) جامع المعقول والمنقول علامہ افتخار احمد قادری (شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی) علامہ مختار احمد قادری شہید، علامہ مفتی محمد اسماعیل رضوی رئیس دارالافتاء دارالعلوم امجدیہ، مفتی عبدالعزیز حنفی، علامہ عالم زیب قادری (دارالعلوم پیر بابا بونیر)، علامہ ہمایون الرشید سیالوی خطیب جامع مسجد پیر بابا، علامہ محمد گل جعفری (صدر دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف)، علامہ رسول سید کا کاخیل، وغیرھم رحمہم اللہ تعالیٰ

با قاعدہ علم تفسیر کے شیوخ:

علم تفسیر میں آپ کے اساتذہ میں مرجع المحققین مفتی سید یوسف شاہ بندیالوی، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ فیض احمد اویسی، حضرت علامہ ابو الفضل محمد فضل سبحان قادری مردان، علامہ کفایت اللہ سیدو شریف، شیخ القرآن علامہ گوہر رحمٰن مردان، شیخ محمد منیر سنگوٹہ سوات شامل ہیں۔

متعدد شیوخ سے اجازتِ حدیث:

آپ کو پاک و ہند کے درج ذیل علماء سے بھی حدیث کی اجازت ہے۔

استاذ العلماء، شیخ الحدیث محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، استاذ العلماء شیخ التفسیر و شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، استاذ المدرسین حضرت علامہ محمد حسن حقانی، مفتی اہلسنت مفتی عبدالسبحان قادری، شیخ الاسلام علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ ثناء المصطفیٰ اعظمی، علامہ شیخ محمد عبدالحلیم النعمانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

سندحدیثِ نبوی ﷺ جو مفتی صاحب فارغ التحصیل طلباء کو دیتے ہیں:

مفتی صاحب نے چونکہ مسلکی اختلاف سے بالاتر ہو کر علم کے حصول کے لئے ہر اہل علم کا دروازہ کھٹکھٹایا اور یوں آپ نے پاک و ہند کے متعدد شیوخ سے حدیث کی اجازت حاصل کی، جن شیوخ سے حدیث پڑھی اور جن شیوخ سے اجازت ملی آپ ان شیوخ کے واسطوں سے **''الاجازة فی الحدیث''** کے نام سے فارغ التحصیل طلباء کو یہ اسناد عطا فرماتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الاجازة فی الحديث

اللهم لک الحمد والشکر دائما ابداً،صلّ علیٰ سیّدناومولانامحمّد ﷺ سرمداً،الذی افحم فصحاء عدنانَ و بلغاء قحطانَ بفصاحته وبلاغته ومعارفه،وعلیٰ آله واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین من الآئمة المجتهدین والمحدّثین .اما بعد فان السید الفاضل ... .

قد احسن الظن بی فطلب منی ان اجیزه فی جمیع مرویّاتی عن مشایخی وان لم اکن لذ لک اهلاً.

فیقول العبد الفقیر الی ربه القدیر السیّد محمّد منوّرشاه الحنفی النقشبندی الامجدی بن الحاج المولوی السیّد بخت روئیدار الشموزوی السواتی الحقیر.انی اجزته بکل ما تجوز لی روایته من معقول ومنقول وفروع واصول کما اجازنی بذلک اجلّة مشایخی ، منهم: ☆استاذی الجلیل استاذ العلماء فضیلة العلامة الشیخ افتخار احمد القادری الضیائی شیخ الحدیث بد ارالعلوم الامجد یة بمد ینة کراتشی الباکستانیة.☆وایضاً اجازنی فضیلة الشیخ المفتی الکبیر المفتی محمدعبد السبحان القادری. ☆وایضاً اجازنی استاذ المدرّسین الشیخ الاستاذ محمّد حسن الحقانی الاشرفی.کل منهم مجاز عن جامع المنقول والمعقول امام الحدیث الفاضل الشیخ محمّد عبد المصطفیٰ الازهری.

☆وایضاً اجازنی المحدّث الکبیر الشیخ ضیاء المصطفیٰ الاعظمی وهو مجازعن حافظ الملة الشیخ عبد العزیز المحدّث المراد آبادی . ☆وایضاًاجازنی المحدّث الشیخ ثناء المصطفیٰ الاعظمی.کل منهم مجازعن والده وشیخه صدرالشریعة وبدر الطریقة المفتی الاعظم محمّد امجد علی الاعظمی وهو مجاز عن المحدّث الجلیل الامام وصی احمد السورتی واجازه الشیخ الاجل العلامة المحقّق المحدّث الفقیه المفتی احمد علی سهارنپوری وقد اجازه الشیخ المشتهر فی الآفاق الشاه محمّد اسحاق المحدّث الدهلوی. ☆وایضاً اکرمنی بالاجازة استاذی الجلیل فضیلة الشیخ محمّد عبد الحکیم شرف القادری وقد اجازه رئیس المدرسین الشیخ عطا محمّد البند یالوی الجشتی وهو یروی عن فضیلة الشیخ ابراهیم العراقی عن امیر الملة السید الشریف جماعت علی شاه المحدّث العلی پوری عن الشیخ المعمر الفقیه فضل الرحمن المجدد المراد آبادی الهندی☆وایضاً قد تشرفت بالاجازة من فقیه العصر الشیخ غلام رسول السعیدی وهو مجاز عن غزالی عصره الشیخ السید احمد سعید الکاظمی کما اجازه شیخه السید محمّد خلیل الکاظمی وهویروی عن الشیخ ریاست علی خان الشاهجهانفوری وهو یروی عن الشیخ ارشاد حسین الفاروقی المجددی الرامفوری وهوعن شیخه الشیخ احمد سعید الدهلوی النقشبندی.ولشیخ مشائخنا الشاه محمّد اسحاق المحدّث الدهلوی الاجازة المبارکة عن الشیخ عمربن عبدالکریم وهومجازعن الشیخ سید مرتضیٰ وهو مجاز عن الشیخ ابی الحسن صغیروهومجازعن الشیخ العلامة الفقیه المحقّق المخدوم محمّد هاشم الهاشمی القرشی التتوی

السندی☆ وایضاًاجازنی الشیخ المحدّث محمّد عبد الحلیم النعمانی وقد اجازه شقیقه الاکبر المحقّق العلامة الشیخ محمّد عبد الرشید النعمانی وهو یروی عن الشیخ الجلیل مولانا حیدرحسن خان التونکی عن الشیخ السیّد نذیرحسین الدهلوی عن الشیخ ابی سلیمان الشاه محمّد اسحٰق الدهلوی. ولشیخ مشائخناصدر الشریعة الاجازة المبارکة عن الشیخ الامام احمد رضا خان الحنفی القادری الافغانی وهو مجاز عن شیخه الکریم السید الشاه آل رسول المارهروی. کل منهم (ای الشیخ الشاه محمّداسحٰق الدهلوی،الشیخ الفقیه فضل الرحمن المجدد المراد آبادی الهندی،الشیخ احمد سعید الدهلوی النقشبندی) مجاز عن شیخ مشائخ الهندالمحدّث الشهیر الشاه عبد العزیز المحدّث الدهلوی وهو مجاز عن والد ہ و شیخه الامام الشاه ولی الله المحدّث الدهلوی قال حدثنی السیّدعمرتجاه قبرالنبی ﷺقال حدثنی جدی الشیخ عبد الله بن سالم البصری قال حدّثنا الشیخ یحیٰ بن محمّد الشهیربالشاوی قال اخبرنا الشیخ سعید بن ابراهیم الجزائری قال اخبرنا المحقّق سعید بن محمّد المقری عن الشیخ احمد حجی الوهرانی عن شیخ الاسلام ابراهیم التازی قال قرأتُ علی المحدّث الربانی ابی الفتح محمّد بن ابی بکر بن الحسین المراغی قال سمعتَ من لفظ شیخنا زین الد ین عبد الرحیم بن الحسین العراقی قال حدّثنا ابو الفتح محمّد بن محمّد بن ابراهیم البکری المیدومی قال حد ثناابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعِم الحرانی قال حدّثناالحافظ ابوالفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی قال حد ثنا ابوسعید اسمٰعیل بن ابی صالح احمد بن عبد الملک النیسابوری قال حدّثنا والدی ابو صالح احمد بن عبد الملک قال حدّثنا ابوطاهر محمّد بن محمّد محمّش الزیادی قال حدّثنا ابو حامد احمد بن محمّدبن یحی بن بلال البزار قال حدّثنا عبد الرحمن بن بشر بن الحکم قال حد ثنا سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینارعن ابی قابوس مولی عبدالله بن عمرو بن العاص عن عبدالله بن عمرو(رضی الله تعالیٰ عنهم وعنا بهم ودامت برکاتهم علینا الی یوم الدین)عن سیدنا و شفیعنا محمّد صلی الله تعالیٰ علیه و آله واصحابه وسلم صلوٰة دائمة بدوام ملک الله جل جلاله. وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد ﷺوآله واصحابه اجمعین.

تخصّص فی الفقہ (افتاءکورس)

اگر چہ آپ نے دارالعلوم امجدیہ کراچی میں ابتدا ہی سے مفتی اعظم ،فقیہ العصر مفتی محمد وقارالدین رضوی رحمہ اللہ کی تربیت میں تقریباً تین سال تک فتویٰ نویسی کی سعادت حاصل کی لیکن آپ نے باقاعدہ ایک سالہ تخصّص فی الفقہ (مفتی کورس) ۲۰۰۳ء میں مدرسہ عربیہ مینگورہ سوات میں مفتی قاری محمد سعید صاحب کی نگرانی میں کیا۔

بیعت وخلافت:

روحانی علوم کے حصول کے لئے آپ نے حضرت علامہ پیرسید احمد علی شاہ صاحب نقشبندی سیفی دامت برکاتہم کے دست مبارک پر

بیعت کی، اور سلاسل اربعہ میں خلافت سے مشرف ہوئے، اس کے علاوہ آپ سلاسل اربعہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد ظفر علی نعمانی اور شیخ الاسلام علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہما اللہ تعالیٰ کے بھی خلیفہ ہیں۔

آپ اعلیٰ پائے کے بہترین خطیب و مصنف ہیں، آپ کا تقریری و تحریری انداز انتہائی تحقیقی، واضح اور دل نشین ہے، تا حال آپ کئی کتب بزبان پشتو اور اردو تحریر فرما چکے ہیں، آپ کی تصنیفات کے نام درج ذیل ہیں۔

۱)تحفة المتوسلین بعباده الکاملین (اردو)

۲)الحجة التامة فی استحباب القعود فی الاقامة (اردو)

۳)رفع القلق فی تحقیق الشفق (اردو)

۴) القول النجیح فی حکم الحُقة و التتن القبیح (اردو)

۵) برکات الرحمن فی شهر رمضان (اردو)

۶)السیف المسلول فی مسئلة یا محمد و یارسول ﷺ (اردو)

۷)صدائے قُمری در تحقیق قضاء عمری (اردو)

۸)تطهیر السادات عن اوساخ الزکوٰة (اردو)

۹)اللطف و الاحسان فی تعلیم التلامیذ و الصبیان (اردو)

۱۰) حکم اتیان السواجد لاداء الصلوة فی المساجد (اردو)

۱۱)تنویر الصدر فی قضاء سنة الفجر (اردو)

۱۲)امام احمد رضا بریلوی کون تھے؟ (پشتو)

۱۳)تنویر العالم بمیلاد سید ولد آدم ﷺ (اردو)

۱۴)سفید عمامہ کا شرعی حکم (اردو)

۱۵)لواطت اور امرد کے ساتھ اختلاط کا شرعی حکم (اردو)

۱۶)القول الانیق فی مسائل الاضحیة و التشریق (اردو)

۱۷)تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیه (اردو)

جب کہ آپ نے درج ذیل کتب کے بزبان اردو اور پشتو تراجم بھی کئے۔

۱۸)عظمت نام مصطفیٰ (اردو)

۱۹)تربیت السالکین (اردو)

۲۰)البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر (اردو)

۲۱)شرح الصدور(للامام السیوطی)　　(پشتو)

۲۲)نحومیر　　(پشتو)

۲۳)انوارالانتباہ فی اثبات نداء یارسول اللہ ﷺ　　(اردو)

جب کہ فن میراث کی مشہور کتاب سراجی کی شرح ''تنویرالداجی شرح سراجی'' زیرقلم ہے۔

ان کے علاوہ کئی کتب کوترتیب دی۔

سیاسی وسماجی مشاغل:

علمی مشاغل کے علاوہ موصوف تنظیم اہل سنت و جماعت سوات کے سینئر نائب صدر،صدر خدمت خلق فلاحی تنظیم سوات،جمعیت علماء پاکستان سوات کے صدراورایم ایم اے صوبہ سرحد کے جنرل کونسل کے رکن کی حیثیت سے بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

حرمین شریفین کی حاضری:

آپ نے رجب المرجب ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۹۹۷ء میں والدہ ماجدہ کی معیت میں عمرہ کی سعادت حاصل کی،اور۲۰۰۲ء بمطابق ۱۴۲۲ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

اللہ رب العزت آپ کی خدمات قبول ومنظورفرمائے،اور دین کی خدمت کا صلہ دارین میں اپنی شان کے مطابق عطافرمائے۔امین

عمیرمحمودالصدیقی

استاذ اصول الفقه بالجامعة العلیمیة الاسلامیه

و مسئول الحفلة العلیمیة و المکتبة العلیمیه

۲۰۰۸/۲/۸م

تاثرات جمیله

شیخ التفسیروالحدیث پروفیسرابومحمدفہیم محمدانواراللہ مدظلہ العالی

مدیر الجامعة العلیمیة الاسلامیه

تنویرالفتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ علیمیہ حقیر کے پیش نظر ہے،علم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ سوال ہے،سوال کے ذریعے انسان معلوم سے مجہول کاحصول کرتاہے،رب کائنات نے نوع انسانی کو یہ ہدایت دی ہے: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم

لاتعلمون. :فتاویٰ کا سلسلہ نزول وحی کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا،صحابہ کرام سوالات کے ذریعے ہدایت الٰہی برابر دریافت کرتے رہتے ،اوراللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ہدایت نازل فرماتا رہا،وحی کے انقطاع کے بعد صحابہ کرام قرآن وسنت کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل پیش کرتے رہے،اور یہ سلسلہ کم وبیش (۱۴۰۰) سال سے جاری ہے۔

بحمداللہ تعالیٰ المرکز الاسلامی کے قیام کے روزاول سے فتاویٰ کا سلسلہ جاری ہے، فتاویٰ علیمیہ اسی سلسلہ کی خوبصورت کڑی ہے جوحضرت علامہ مفتی سید محمد منورشاہ صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے،موصوف نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ مسائل کے جوابات قرآن و سنت اورعبارات فقہاء کی روشنی میں تحریر فرمائے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کوقبول فرمائے اوران کے اس علمی کام کوصدقہ جاریہ اور نافع بنائے۔امین

ابوفہیم انواراللہ

مدیرالجامعۃ العلیمیہ الاسلامیۃ

۱۴۔فروری۔۲۰۰۸

کلمات تبریک

استاذ العلماءشیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد اسماعیل رضوی ضیائی

رئیس دارالافتاءوشیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی

مولانا سید محمد منورشاہ نے دارالعلوم امجدیہ سے درس نظامی پڑھا ہے اور دوران تعلّم پڑھنے میں بہت مستعدرہے ہیں،اوران کا مطالعہ بہت وسیع ہے آج کل ایک ادارے (الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ) میں تدریسِ حدیث اورافتاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں زیرنظرکتاب فتاوٰ ی علیمیہ کا میں نے چندجگہوں سے مطالعہ کیا ہے آپ نے اپنے فتاووں کودلائل سے مؤید کیا ہے ان کے بعض فتاوٰ ی سے ہمیں اتفاق ہے اوربعض سے اختلاف۔

اللہ تعالیٰ موصوف کواستقامت فی الدین اوران کے علم میں اضافہ کرے۔

محمد اسماعیل غفرلہ

خادم دارالعلوم امجدیہ

۷ امحرم الحرام ۱۴۲۹ھ

بمطابق ۲۷ جنوری ۲۰۰۸ء

کلماتِ حسنہ

جامع المعقول والمنقول، خلیفہ مطلق، محقق عصر رواں
حضرت علامہ مفتی **سید شاہ حسین گردیزی** نقشبندی سیفی
مہتمم: دارالعلوم مہریہ، گلشن اقبال کراچی

ہمارے وہ علماء کرام جو فقہ سے خصوصی شغف رکھتے ہیں وہ سوالات کے جوابات تحریری طور پر بھی دیتے ہیں، ہماری اصطلاح میں ایسے جواب کو فتویٰ کہا جاتا ہے، کیونکہ پیش کردہ مسئلہ میں ان کی یہ تحریری رائے اس مسئلہ میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے ایسی تحریرات میں عموماً کتب فقہ کا حوالہ دے دیا جاتا ہے، اور یہ مفتی کا اپنا صوابدیدی فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ کس کتاب کا حوالہ دیتا ہے۔

حضرت علامہ مولانا سید محمد منور شاہ نقش بندی دامت برکاتہم العالیہ ہمارے نوجوان علماء کرام میں ایک نہایت ہی ذی علم شخصیت ہیں اور فقہ سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، اور اپنے ادارہ میں سوالات کے جوابات دینے کی ذمہ داری آپ پر ہے، اس لئے وقتاً فوقتاً آنے والے سوالات کے جوابات دیتے رہتے ہیں، تقریباً دو تین سال سے جو جوابات وہ دیتے رہے ہیں ان کو جمع کر کے ''تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیہ'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

فتاویٰ علیمیہ میں اسلامی زندگی سے تعلق رکھنے والے متعدد اور مختلف سوالات کے جوابات موجود ہیں، حضرت مصنف دامت برکاتہم العالیہ نے جوابات دینے میں بڑی دقتِ نظر سے کام لیا ہے، اور متعدد کتبِ فقہ کے حوالوں سے جوابات کو مزیّن کیا ہے، ان کی اس علمی خدمت کو عزت کی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم ''تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیہ'' میں تحریر کردہ بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کی اس سعی جمیلہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور ان کی تائید کرتے ہیں، اور امید رکھتے ہیں کہ آئندہ اس سے بھی بہتر تحقیق پیش کی جائے گی۔

فقیر شاہ حسین گردیزی

کلماتِ تحسین صد آفرین

حضرت علامہ مولانا محمد زاہد الحق نقشبندی

استاذ الحدیث الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی وحدہ لاشریک لہ،والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ،المصطفیٰ والمجتبیٰ، وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین اوفوا عہداً،الذین ھم مفاتیح الرحمۃ ومصابیح الھدیٰ ،امابعد

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس نے علماء دین کی تائید دین متین سے فرمائی ہے، ہرانسان کے اپنے اپنے جذبات اوراحساسات ہوتے ہیں، یہ احساسات بڑی متضاد کیفیات رکھتے ہیں، کسی کی خوشی کسی دوسرے کا غم بن جاتی ہے، کسی کی بربادی کسی کی آبادی بن جاتی ہے، کسی کا رونا کسی کی ہنسی بن جاتی ہے، صرف احساسات بدل جانے سے اعمال وافعال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے، جیسا کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ اس بات کی صراحت کرتی ہے،''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

جب میں نے حضرت علامہ مفتی سید محمد منورشاہ نقشبندی صاحب کے مرتب کردہ فتاویٰ کو دیکھا تو مجھے شوق ہوا کہ میں اپنے پاس ان فتوؤں کی کاپی کرواکر رکھ لوں، چونکہ یہ فتوے مجھے بہت پسند آئے ،لیکن مفتی صاحب موصوف نے فرمایا: ان شاء اللہ یہ کتاب عنقریب شائع ہورہی ہے پھر کتاب ہی اپنے ساتھ رکھ لینا۔

میں نے مفتی صاحب کی دیگر بعض کتب کا مطالعہ کیا ہے، ان کتابوں کا طرز وانداز اوران کے فقرے اپنے اندر واقعی مقناطیسی اور تسخیری صفات رکھتے ہیں، حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے فہم وفراست سے نوازا ہے، میں اور مفتی صاحب کافی عرصہ ایک ساتھ رہے ہیں، زمانہ طالب علمی سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں، بہرحال کوئی بھی ہو اگر تعصب کی عینک اتارکر مفتی صاحب کے کردار اور قابلیت کے بارے میں غوروفکر سے کام لے تو وہ آپ (مفتی صاحب) کی قابلیت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کوئی مرید اپنے پیر صاحب کے کمالات کا اعتراف کرے یا کوئی شاگرد اپنے استاد کے کمالات کا اعتراف کرے تو یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے لیکن جب ایک ساتھی اپنے دوسرے ساتھی کے کمالات اور قابلیت کا اعتراف کرلے تو یہ بہت بڑی بات ہے، اور یہ اعتراف کرنے والے کا احسان اور کمال نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت ہے، پشتو زبان کے شاعر نے کیا خوب فرمایا:

ہر بلبل بہ دے صفت کی کہ تہ گل شوے۔۔۔ذچل زان چلہ ثناء خو پکار نہ دہ

مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید

الغرض حضرت علامہ مفتی سید محمد منورشاہ صاحب قابل تحسین صد آفرین ہیں کہ اس پرفتن دور میں دنیاوی مشاغل اور دیگر

مصروفیات کے باوجود درس وتدریس اور افتاء کے میدان میں سرگرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم سب کو دین متین کی خدمت اور اس پر استقامت نصیب فرمائے، اور اپنے محبوب سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے اور طفیل اس کام کو ہمارے لئے دین ودنیا کے فیوض وبرکات اور اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

محمد زاہد الحق نقشبندی

لیکچرار الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ (اسلامک سینٹر)

۰۱۔۰۲۔۲۰۰۸ء

ابتدائیہ

از: مصنفِ فتاویٰ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة وعلی اله واصحابه الذین هم فارقوا الحق والضلالة. اما بعد

الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ المعروف ''المرکز الاسلامی'' کراچی پاکستان کے نام اور کام سے کون اہل علم واقف نہیں، بلا تشبیہ وبلا تمثیل ''**اصلها ثابت وفرعها فی السماء**'' کے مصداق اس کا علمی وروحانی فیض صرف پاکستان کے مختلف اضلاع میں نہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں بلا واسطہ یا بالواسطہ جاری وساری ہے۔ (**اللهم زد فزد**)

ادارہ ہٰذا کے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض یافتہ حضرات عالم اسلام میں مشائخ، علماء، مدرسین، مقررین، مبلغین، مصلحین، ٹیچرز، لیکچررز، پروفیسرز اور ڈاکٹرز کی حیثیت سے مختلف پیرائے سے دین اسلام کی خدمت میں کوشاں ہیں۔ (الحمدللہ)

اسی طرح ادارہ ہٰذا کے فیض یافتہ بعض حضرات شعبہ تصنیف میں بھی الحمدللہ صف اول کے مصنفین اور مقالہ نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

الحمدللہ وہ تمنا بھی پوری ہوئی کہ اس عظیم ادارہ کے دارالافتاء سے جاری شدہ جدید وقدیم مسائل پر مشتمل سینکڑوں فتوے بھی ''تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیہ'' کے نام سے پہلی جلد کی شکل میں آ گئے جو ادارہ کی خدمات پر چار چاند لگنے کے مترادف ہے، ادارے کا نام جس عظیم شخصیت (مبلغ اسلام الشاہ عبدالعلیم صدیقی رحمہ اللہ) کی نسبت سے ہے اسی نسبت سے اسی فتاویٰ کا نام (فتاویٰ علیمیہ) بھی تجویز کیا گیا، جب کہ پورا نام ''**تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیه**'' ہے، یعنی دیگر فتاویٰ کو روشن ومنوّر کرنے والا فتاویٰ۔

فتویٰ نویسی اور دور حاضر:

فتویٰ نویسی (فتویٰ دینا) اگر ایک طرف مہتم بالشان کام ہے کہ اس کی عظمت واہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

یستفتونک قل الله یفتیکم. (المائدة: ۱۷۶)

لوگ آپ سے فتویٰ (حکم شرعی) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے (حکم شرعی بیان فرماتا ہے)

تو دوسری طرف فتویٰ دینا بڑا نازک کام بھی ہے، اس لئے اس سلسلے میں بے باکی اور تھوڑی سی بھی کوتاہی بڑی خطرناک بات ہے۔

جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے:

من أفتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه.

(ابوداؤد، مشکوٰۃ، کتاب العلم، ص ۳۵، قدیمی کراچی)

جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔

اور مسند دارمی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اجرأ کم علی الفتیا اجرأ کم علی النار.

(سنن دارمی، مقدمہ، باب ۲۰)

فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ دلیر وہ شخص ہے جو جہنم میں جانے میں سب سے دلیر ہو۔

اس کے باوجود کہ فتویٰ نویسی ایک مہتم بالشان اور نازک ترین مقام ہے لیکن پھر بھی دور حاضر میں کئی ایسے لوگ جو اس مقام اور منصب کے اہل نہیں ہوتے اپنے آپ کو اس منصب تک پہنچانے کے لئے بے چین رہتے ہیں اگرچہ اس کے قواعد اور اصول سے کورو کرکیوں نہ ہو، لیکن نام کے ساتھ مفتی کا لفظ لگانا ان کی تمنا ہوتی ہے۔

فتاوٰی نعیمیہ میں ہے:

ایک عام آدمی کو قانون اجازت نہیں دیتا کہ اپنا لقب یا تخلص کرنل یا جنرل یا ڈپٹی کمشنر یا مجسٹریٹ رکھے ورنہ وہ توہین حکومت کا مرتکب گردانا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی حکومت کے ڈر سے ایسا کرتا ہے، شریعت پاک بھی کسی جاہل یا کم علم کو ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ اپنا نام یا لقب یا تخلص مفتی، محدّث، مفسر رکھے، یہ الفاظ کوئی ذات پات نہیں، نہ ہی یہ بطور قافیہ ردیف ہے کہ ہر نا اہل آدمی اپنے نام سے پیوست کرتا پھرے۔ یہ الفاظ نا اہل کے لئے استعمال کرنے سے عدالت اسلام کی توہین ہے، اور ایسا شخص میدان محشر میں ضرور سزایاب ہوگا، یہاں تک کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک شخص پورا عالم متبحر ہو مگر فتوے نہ دیتا ہو، وہ بھی اپنے آپ کو مفتی نہیں لکھ سکتا، نہ ہی اس کو مفتی کہا جائے، کیونکہ کہلانے اور کہنے والا دونوں کذب بیانی کے مرتکب، لفظ مفتی عدالت اسلامیہ کا عظیم ترین نام ہے۔

(فتاویٰ نعیمیہ، ص ۴۷۶، ج ۲، کتاب الآداب، ضیاء القرآن کراچی)

یہی وجہ ہے کہ آج کل اہل کے بجائے نا اہل مفتیوں کی کثرت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ فتنہ وفساد، اختلافات اور عدم اتحاد و اتفاق کی زد

میں ہے،اوراسی نفرت وتعصب،تشدداور ہرجگہ کفروشرک کی فتویٰ بازی کی وجہ سےعوام الناس علماءوعلم دین سے کنارہ کش نظرآرہے ہیں،آج وہی وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس کے بارے میں محسن انسانیتﷺ نے فرمایا:

اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا.متفق علیه.

(مشکوٰۃ،ص۳۳،کتاب العلم،،قدیمی کراچی)

جب اللہ تعالیٰ کسی (حق گو) عالم کونہیں چھوڑے گا تو لوگ (فتویٰ نویسی کے لئے) جاہلوں کوسردار بنالیں گے،وہ مسائل پوچھیں جائیں گے،پس وہ بغیر علم کےفتویٰ دیں گےتو خودبھی گمراہ ہوں گےاوردوسروں کوبھی گمراہ کریں گے۔

آج نااہل لوگ احساس کم تری کے شکار ہونے کی وجہ سے سائلین کو پتہ نہیں کیسے کیسے جواب دے رہے ہیں،شرم کے مارےاورانانیت کی وجہ سے کسی مسئلے کے بارے میں علم نہ ہونے کے باوجود''لا اعلم''اور''لا ادری''نہیں کہتے بلکہ جوبھی دل میں آیا جواب دے دیا، حالانکہ افتاء کےاصول میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتو غلط جواب دینے کے بجائے لاادری کہنا چاہئے کہ یہ بھی نصف علم ہے،یا اپنے سے بڑے عالم اورمفتی کی طرف رجوع کر کےصحیح جواب دینا بہتر ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اگرمفتی مقلد ہونہ کہ مجتہدتو اس کےنزدیک جوعالم بڑافقیہ ہو(فتویٰ دیتے وقت) اس کےقول پرفتویٰ دے،اورجواب اس کی طرف منسوب کرے(کہ فلاں فقیہ نے ایسا لکھا ہے) اوراگروہ بڑافقیہ کسی اورشہر میں رہتا ہوتواس کی طرف خط لکھ کر(اورآج کل جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے) رجوع کرے،اوراس کے بعدصحیح جواب لکھے،اپنی طرف سے اٹکل پچو سے کام نہ لے کہ اس میں اللہ تعالیٰ (اورشریعت) پرجھوٹ باندھنے کا خوف ہے کہ حلال کوحرام یا حرام کوحلال قرارنہ دے............اگروہ مفتی کسی پیش آمدہ مسئلے کاحل کسی کتاب میں نہیں دیکھتا(پاتا) تو اسکے لئے جائزنہیں کہ وہ اپنی رائے سےفتویٰ دے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ 'لاادریٰ'کہےجیسا کہ یہی'لاادری'اس مفتی سے بڑھ کرایسےحضرات نے بھی کہا کہ جومجتہدصحابہ کرام اوران کے تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

(شرح عقودرسم المفتی،ص۴۸،۴۹،مکتبہ علمیہ کراچی)

درج بالاعبارت کے باوجودبھی اگرنااہل لوگ اپنی''انا''سے غلط اور بلاتحقیق فتویٰ دیتے ہیں توپھرایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

اگرکسی مفتی کوکسی مسئلے کےحل کے لئے متقدمین ومتاخرین کےاقوال میں جواب نہیں مل رہاتو وہ انتہائی سوچ وبچاراورتحقیق و اجتھاد سےکام لیتے ہوئے ایساحل تلاش کرے کہ اس سےاس کی (فتویٰ دینے کی) ذمہ داری پوری ہوجائے،اورکسی مسئلے کے بارے میں منصب افتاء کی عظمت وحرمت کا خیال رکھتے ہوئے اوراللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اٹکل سے بلاتحقیق واجتھاد کچھ نہ بولے،کیونکہ اٹکل سے بلاتحقیق بولنا نہایت ہی عظیم معاملہ ہے،اس کی جرأت صرف اورصرف جاہل اور بدبخت ہی کرسکتا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی ،ص ۴۸،مکتبہ علمیہ کراچی)

ان تمام اصول وقواعد اور ضوابط کے ہوتے ہوئے پھر بھی نااہل کو اس کا خیال نہیں بلکہ وہ تو دور حاضر میں اس لئے مفتی بنا ہے کہ تعصب کو ہوا دے،اور اتفاق کے بجائے اختلاف کو بڑھائے ۔(العیاذ باللہ)

ان تمام حقیقتوں کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی ماننا ہے کہ دور حاضر تو کیا علامہ شامی کے دور میں بھی کوئی حقیقی مفتی موجود نہیں تھے، بلکہ سب کے سب مذہب کے ناقل تھے،جیسا کہ علامہ شامی خود لکھتے ہیں:

مفتی مجتہد کو اختیار ہے کہ وہ دلیل کی قوت کو دیکھتے ہوئے فتویٰ دے کیونکہ ایسے مفتی پر لازم نہیں کہ وہ آئمہ کے اقوال کی تفصیل میں جائے ،اور جب ہمارے زمانے میں مفتی مجتہد منقطع (ختم) ہوگئے اور اب صرف مقلد ہی رہ گئے تو اب ہم پر واجب (لازم) ہے کہ ہم آئمہ کے اقوال کی تفصیل اور ترتیب کی اتباع کریں۔ (شرح عقود رسم المفتی ،ص ۳۹،مکتبہ علمیہ کراچی)

علامہ شامی علامہ رملی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وہ فتویٰ جو نااہل مفتیوں سے صادر ہوتے ہیں یہ حقیقت میں فتویٰ نہیں بلکہ مجتہد کے اقوال کی نقل ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی ،ص ۴۱،مکتبہ علمیہ کراچی)

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ دور حاضر کے مفتی صرف ناقل مذہب ہیں،لیکن افسوس اس بات پر کہ آج کے بعض نااہل مفتی اپنے جامد ذہن یا خاص فکر سے وابستگی کی وجہ سے اصل مذہب نقل کرتے ہوئے بھی خوف محسوس کرتے ہیں،حالانکہ اللہ تعالیٰ نے علماءحق کے بارے میں فرمایا کہ سب سے زیادہ مجھ سے ڈرنے والے علماءحق ہی ہیں۔

انما یخشی الله من عباده العلماء.(فاطر:۲۸)

دوسری جگہ علماءحق کے بارے میں فرمایا کہ وہ حق گوئی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھیں گے۔

لایخافون لومة لائم. (المائده:۵۴)

جب کہ دور حاضر میں حق کہنا تو دور کی بات ہے کسی اور کے حق گوئی کو حق کہنے کی جرأت بھی نہیں ہوتی کہ اس سے میرے احبابِ حلقہ ناراض ہوجائیں گے۔(العیاذ باللہ) حق گوئی سے اجتناب،خوف الٰہی کے بجائے لوگوں سے خوف،اہل ثروت (مالداروں) کو ترجیح اور ان کے ہاں میں ہاں ملانا یہ تمام مفتی کے شایان شان نہیں بلکہ ان کو ہر وقت خوف الٰہی دامن گیر ہونا چاہئے۔

آداب مفتی:

اب ذیل میں مسند افتاءپر بیٹھنے والوں کے کچھ آداب ذکر کئے جاتے ہیں۔

مفتی ابن مفتی صاحبزادہ علامہ اقتدار احمد خان نعیمی لکھتے ہیں:

شرط:مفتی بننے میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہو،اگر چہ غریب ہو امیر ہونا شرط نہیں..............ادب ،اخلاق اور تہذیبی رکھ رکھاؤ کا جو پہلو اعلیٰ خاندان میں ہے وہ نیچ قوم میں نہیں،اور ایک مفتی اسلام کے لئے اخلاق وتہذیب اور

سلیقہ گفتگو نہایت ضروری ہے۔

شرط: مفتی بننے کے لئے ضروری ہے کہ بیشۂ علم و معرفت میں مثل ہرن ہو کہ ہر چیز سے چوکنا رہے، اور وادی عشق و مستی میں مثل شیر ہو کہ دل مستغنی اور راضی بہ رضا رہے (از فتاوی عالمگیری)

شرط: امراء، اغنیاء، دولت والوں سے دور رہے، کثرت محافل سے پرہیز کرے، بلکہ گوشہ نشینی اختیار کرے.........علماء کی گوشہ نشینی یہ ہے کہ ہر وقت تحقیق و علمی جستجو میں لگا رہے، اگرچہ بازاروں میں پھرتا ہو، یا بظاہر دریاؤں، پہاڑوں کی سیر میں مشغول ہو، اور بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ:

''ہر ورقے دفتر یست معرفتِ کردگار'' کا مظہر اتم ہو۔

شرط: مفتی کے لئے لازم ہے کہ نگاہِ بلند، سخن دلنواز، جان پرسوز ہو، نرم اور میٹھی زبان، حلیم اور باوقار طبیعت والا ہو۔

شرط: مسلمان، متقی، پرہیزگار ہو، فاسق یا گھناؤنی طبیعت اور بدخصائل یا رذیل عادات والا نہ ہو۔

شرط: عدل اور انصاف والا ہو، ظالم، ترش رو، امراء کی دلجوئی یا ان سے مرعوب، خوف زدہ ہونے والا بزدل نہ ہو، حق بات میں جابر بادشاہ سے بھی نہ ڈرے۔

شرط: مفتی کے لئے ضروری ہے کہ تحمل مزاجی سے مستفتی کی بات سنے، اور اس کو سوال و جواب اور بحث کرنے کی پوری آزادی دے، اور استفتاء کی تحریر بغور پڑھے، اچھی طرح سمجھے، ایک ایک نقطے پر غور کرے، صرف سنانے اور لکھنے کا ہی عادی نہ ہو، بلکہ حق سننے اور حق کی طرف رجوع کرنے کی عادت ڈالے، غلطی کے اعتراف میں شرمندگی محسوس نہ کرے، کیونکہ غلطی پر انجماد تکبر اور غرور کی نشانی ہے، ایسا شخص مفتی اسلام ہونے کے لائق نہیں، بلکہ بقول حدیث پاک گمراہ اور گمراہ تر ہے۔

(فتاویٰ نعیمیہ، ص ۴۷۴، ج ۲، کتاب الآداب، ضیاء القرآن)

شرط: مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر مفتی کا شاگرد رہ چکا ہو، اور اس کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی ہو۔ (رسم المفتی)

شرط: مفتی کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے عرف کو جانتا ہو، یعنی زمانہ کے عرف سے واقف ہو، اس لئے کہ اگر ایک طرف ظاہر الروایہ ہو، اور دوسری طرف عرف اس کے خلاف ہو تو مفتی عرف کو چھوڑ کر ظاہر الروایہ پر فتویٰ نہیں دے سکتا ہے، اس لئے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جو اپنے زمانے کا عرف نہ جانتا ہو تو وہ بھی جاہل ہے۔ (رسم المفتی)

شرط: ہر مسئلہ پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے، بلکہ فتویٰ کا جواب نہایت غور و فکر کے بعد دینا ضروری ہے کہ کہیں فتویٰ مفاسد کے اٹھنے کا ذریعہ نہ بن جائے، اگر مفاسد کا خطرہ ہو تو اس سے خاموشی بہتر ہے۔

شرط: اگر کسی مفتی کو بروقت جواب نہیں آتا تو صاف الفاظ میں کہے کہ میں نہیں جانتا، اس لئے کہ ''لا ادری'' بھی نصف علم ہے، امام مالک سے ۴۸ مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ۳۲ کے بارے میں ''لا ادری'' فرمایا۔

شرط: مفتی جب فتویٰ لکھنا شروع کرے تو سرورق پر تسمیہ لکھے، یا ''الجواب و باللہ التوفیق'' لکھے، اور آخر میں واللہ اعلم وھوالموفق لکھے۔

شرط: مفتی جب فتویٰ مکمل کر لے تو اپنے ہم نشین علماء وفضلاء کو (چاہے وہ اس کے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں) بطور مشورہ کے سنائے، اگر اشکال ہو تو نرمی اور انصاف کے ساتھ ان سے بحث ومباحثہ کر لے اور جو حق بات سامنے آئے اسے بلا تامل قبول کر لے۔

فتاویٰ علیمیہ کی امتیازی ترتیب:

عزیز قارئین: آپ کے ہاتھوں میں موجود ''تنویر الفتاویٰ المعروف فتاویٰ علیمیہ'' میں بندہ ناچیز نے حتی الامکان اصول افتاء کو مدنظر رکھتے ہوئے جوابات لکھنے اور لکھوانے کی کوشش کی ہے، اس فتاویٰ میں لکھنے کا جو طریقہ کار اور ترتیب میں نے پسند کی (اگر چہ بعض علماء کو یہ ترتیب پسند نہ آئے لیکن بقول صاحب ہدایہ: ''وللناس فیما یعشقون مذاھب'' یہ میں نے سائل اور دیگر قارئین کی اصلاح اور تسلی کے مختلف پیرائے کو مدنظر رکھتے ہوئے اختیار کیا، بعض مسائل (جن کے مستفتی اہل علم حضرات علماء وطلباء ہیں) میں نے بسط وتفصیل سے لکھتے ہوئے وہی انداز اختیار کیا جو اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے دلائل قاہرہ باہرہ دیتے ہوئے اختیار کیا تھا کہ صفحات کے صفحات بھر دیئے تھے، میں نے بھی مسئلے کی وضاحت کے جتنے بھی پہلو ہو سکتے تھے حتی الوسع ان تمام کو قید قرطاس کر کے مسئلے کی تہہ تک تحقیقی انداز میں جانے کی کوشش کی ہے۔

دوسری اہم اور امتیازی بات جو زیر نظر فتاویٰ میں ہے وہ یہ ہے کہ دور حاضر چونکہ فتنہ وفساد کا دور ہے، آج ہر جگہ لوگ نکتہ چینی اور مختلف مکاتب فکر کے مفتیوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے ہر دارالافتاء میں جاتے رہتے ہیں اور اتحاد کے بجائے اختلاف پیدا کرنے کے درپے ہیں، اس لئے میں نے سائلین کی اصلاح کے لئے جوابات میں علماء اہلسنت کے اقوال کے ساتھ ساتھ مختلف مکاتب فکر کے علماء کے اقوال بھی لکھ دیئے، اگر مسئلہ اختلافی رہا تو میں نے اس مسئلے کے اثبات یا نفی پر مختلف مسالک کے علماء کے اقوال نقل کر کے مسئلے کو مؤید کیا، اور اگر مسئلہ اتفاقی رہا تو بھی میں نے مختلف اقوال پیش کر کے اتفاقی نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی، کیونکہ دور حاضر میں بعض سائلین کے ذہنوں میں تعصب اور فرقہ پرستی اس حد تک ہوگئی ہے کہ کسی مسئلہ کے جواب میں اگر صرف اور صرف قرآن وحدیث سے دلیل پیش کی جائے تو فوراً پوچھتے ہیں کہ قرآن وحدیث اپنی جگہ مگر اس کے متعلق فلاں مسلک کے مولوی یا مفتی صاحب نے کیا لکھا ہمیں وہ بتا دیجئے تاکہ ہماری تسلی ہو جائے، (اگر چہ کسی بھی مکتبہ فکر کے سائل کا یہ کہنا غلط ہے) اس لئے جب تک دور حاضر کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کے اقوال تائید میں پیش نہ کیے جائیں تو سائلین کو تسلی نہیں ہوتی، اس لئے میں نے اتفاقی اور اختلافی ہر طرح کے مسائل میں فقہائے احناف کے اقوال کے ساتھ ساتھ مختلف علماء کے اقوال بھی تائید کے لئے لکھے ہیں، اس طریقہ کار اور ترتیب سے ایک طرف تو تعصب کی فضا ختم ہو جائے گی، اور دوسری طرف سائلین کے لئے یہ آسانی رہے گی کہ اس کو کسی اور مکتبہ فکر کے مفتی کے اقوال معلوم کرنے کے لئے کسی دوسرے دارالافتاء میں جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

عزیز قارئین: یہ بات میں نے قدرے وضاحت سے اس لئے لکھی تا کہ بعض متصلب ذہن والے لوگ فتاویٰ دیکھتے وقت شش و پنج میں نہ رہیں کہ اس میں مختلف علماء کے اقوال کیوں ذکر کیے گئے؟ حالانکہ مسلکی اختلاف کا تقاضا اور مطلب یہ نہیں کہ مدمقابل کی تمام باتیں غلط ہی ہوں، بلکہ اختلاف اپنی جگہ اور حق اپنی جگہ ہے، ہمیں تو حق کی طرف داری کرنی چاہیئے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی لکھتے ہیں:

یہ ضرور نہیں کہ کافر جو بات کہے باطل ہو، نصاریٰ کہتے ہیں یہود کا دین باطل ہے، اوران کا یہ کہنا حق ہے، یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا دین باطل ہے اوران کا یہ کہنا حق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ، ص۴۹۹، ج۱۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی باوجود اس کے کہ علماء دیوبند کے ساتھ ان کا جو اختلاف ہے وہ اظہر من الشمس ہے ان علماء دیوبند کے اقوال اپنے مسئلے کی تائید میں نقل فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت نے آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر قرآن وحدیث سے ایسی دلائل قاہرہ باہرہ ثبت فرمائے کہ ان کے بعد کسی اور دلیل کی اور خاص کر علماء دیوبند کی دلیل کی ضرورت نہ رہی مگر پھر بھی آپ نے اس مسئلے کی تائید میں علماء دیوبند، علماء سہارنپور اور علماء گنگوہ اور خاص کر ان اشخاص کی دلیل نقل فرمائی کہ جن پر آپ کے کفر کا فتویٰ بھی موجود ہے، مثلاً خلیل احمد سہارنپوری، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ۔ حالانکہ سوال میں یہ نہیں پوچھا گیا کہ اس مسئلے کے بارے میں علماء دیوبند کا کیا مسلک وموقف ہے۔ تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت کی تصنیف "**محمد** ﷺ **خاتم النبیین**"، ص۱۳۹، ۱۴۰، کا مطالعہ فرمائیں۔

الحاصل یہ کہ زیر نظر فتاویٰ میں میں نے بے خوف لومۃ لائم حتی الامکان وہی جوابات لکھے اور لکھوائے کہ جن کے دلائل مجھے قوی نظر آئے، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مجھ سے اس میں کوئی غلطی یا خطأً بھی واقع نہیں ہوسکتی، بلکہ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے قارئین علماء، مفتیان حضرات اور دیگر اہل علم کی خدمت میں عاجزانہ التجا کرتا ہوں کہ آپ کو مطالعہ کے وقت جوبات دلائل کی روشنی میں قابل گرفت نظر آجائے تو اس پر چشم پوشی فرمانے کے بجائے اس کی تصحیح اور میری اصلاح کی نیت سے مطلع فرمائیں تا کہ مجھ سمیت دیگران قارئین کی بھی اصلاح ہوجائے جو اس فتاویٰ سے فیض یاب ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ **جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء.**

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتفاق واتحاد کے ساتھ صراط مستقیم پر استقامت نصیب فرمائے، اوراس فتاویٰ کے تمام متعلقین کو دارین میں سرخروئی عطا فرمائے۔

بندہ ناچیز

سید محمد منور شاہ سواتی نقشبندی

خادم العلم و اھلہ

بالجامعة العلیمیة الاسلامیه

كتاب ما يتعلق بالانبياء والاولياء

نبی کریم ﷺ کا ان شاءاللہ نہ کہنے کی وجہ سے وحی کا منقطع ہوجانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کہا کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ان شاءاللہ نہیں کہا تھا تو اس وجہ سے آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ چند دن کے لیے منقطع ہوگیا تو آیا اس کا ثبوت کسی کتاب میں ہے یا یہ غلط بیانی ہے؟

المستفتی: محراب گل فرنٹیئر کالونی کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں مذکورہ واقعہ مفسرین حضرات نے سورۃ الکہف کی آیت ۲۳ اور ۲۴ کے تحت لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کافروں کے چند افراد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور روح، اصحاب کہف اور حضرت ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے بغیر ان شاءاللہ کہے فرمایا کہ کل بتادوں گا تو اس وجہ سے پندرہ دن وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

ولا تقولن لشيء اني فاعل ذلک غدا ۰ الا ان يشاء الله.

(سورۃ الکہف آیت ۲۳، ۲۴ پارہ ۱۵)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام قرطبی فرماتے ہیں:

قال العلماء. عاتب الله تعالیٰ نبيه عليه السلام على قوله لكفارحين سألوه عن الروح والفتية وذي القرنين غدا اخبركم بجواب اسئلتكم، ولم يستثن في ذلک فاحتبس الوحي عنه خمسة عشريوما حتى شق ذلک عليه وارجف الكفار به فنزلت عليه هذه السورة مفرّجة.

(قرطبی ص ۳۸۵، الجزء العاشر، داراحیاء التراث العربی بیروت)

والله اعلم بالصواب

۱۰ مئی ۲۰۰۶ء............۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

حالت کفر میں گستاخی کرنے والا مسلمان واجب القتل ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک غیر مسلم جو کہ حالت کفر میں گستاخ رسول رہا ہو، وہ گستاخی کرنے کے بعد تائب ہوکر مسلمان ہوجاتا ہے تو کیا ایسا شخص اب بھی واجب القتل ہوگا بحیثیت گستاخ کے یا نہیں؟ سائل: نصیر احمد نوری، کراچی

الجواب بعون الوهاب

ایک طویل حدیث شریف میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ہمارے نزدیک سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا ہے، اور مجھ پر تین دور گزرے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی چیز سے عداوت نہیں تھی اور میں ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح (العیاذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کو قتل کر ڈالوں، اگر میں اس وقت مر جاتا تو یقیناً جہنمی ہوتا۔

(مسلم شریف، ص ۷۶، ج ۱، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ وکذا الھجرۃ والحج، قدیمی کراچی)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام سے قبل عداوت رسول میں اتنی سختی کہ قتل تک کا ارادہ کرنا تو اس سے بڑھ کر گستاخی کیا ہوگی؟ اسی حدیث میں آگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً کسی سوال پر ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام کا واقعہ اور ارادۂ قتل، حضرت عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ جو کہ اسلام دشمن کافر تھے لیکن اسلام لانے کے باعث سابقہ تمام قسم کے گناہ کفر و شرک اور گستاخی وغیرہ سب معاف ہوگئے۔

مندرجہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے معلوم ہوا کہ قبول اسلام سے قبل کئے گئے گناہ چاہے وہ کفر ہو، شرک ہو یا گستاخی، سب معاف ہو جاتے ہیں یہاں تک مرتد کے لئے بھی دو حکم ہیں یا تو اسے قتل کر دیا جائے یا وہ تائب ہو کر پھر اسلام قبول کر لے۔

واللّٰہ أعلم باالصواب .

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ۱۰ جون ۲۰۰۶ء

یارسول اللہ پڑھنا اور نماز کے بعد بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ذکر کرنا

بخدمت جناب حضرت علامہ مولانا مفتی محمد منور شاہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں جو مندرجہ ذیل آرہے ہیں؟

۱) الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ نیوٹاؤن سے پڑھا ہوا ایک لڑکا ہمارے گاؤں میں آیا اس نے وہاں اس انتشار کو ہوا دی کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ درود ہے ہی نہیں، کیا اس کا یہ کہنا از روئے شرع صحیح ہے یا غلط؟

۲) اذان سے قبل و بعد ان ہی الفاظ سے درود پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو اس کی تفصیل تحریر کی جائے، بقول اسی شخص کے اذان سے پہلے و بعد درود پڑھنے والے سارے گمراہ ہیں، لفظ گمراہ کن معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اس کی تفصیل بھی بیان کی جائے؟

۳) ہمارے ہاں صدیوں سے دستور چلا آرہا ہے کہ نماز کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے کلمہ توحید پڑھا جاتا ہے اس کو ذکر بالجہر سے بھی منسوب کیا جاتا ہے، مذکور شخص کا کہنا کہ یہ ذکر بالجہر کرنے اور کلمہ توحید پڑھنے والے سخت ترین گمراہ ہیں؟

۴) یہ درود جو پڑھا جاتا ہے اس کو رسول اللہ ﷺ بالواسطہ یا بلا واسطہ سنتے ہیں کہ نہیں اس شخص کا یہ کہنا ہے کہ روضہ اطہر پر تو سن سکتے ہیں لیکن اگر دور سے پڑھا جائے تو انہیں کوئی پتہ نہیں؟

۵) یارسول اللہ کہنا شریعت کے اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز؟ اس مذکورہ شخص کا کہنا ہے کہ یارسول اللہ کہنے والے مشرک ہیں اور مشرک اسلام سے خارج ہیں، پہلے یہ فتنہ نہیں تھا اس نے وہاں جا کر فتنہ وفساد پھیلایا اور بات قتل وغارت تک جا پہنچی، برائے مہربانی ان سوالات کے جوابات قرآن وسنت کی رشنی میں تفصیل کے ساتھ عنایت فرمائیں اور اس مذکور شخص کے بارے میں بھی شرعی کیا حکم ہے؟ جو اس نے یہ یہ الفاظ کہے۔

فقط والسلام: مولانا محمد شبیر کاغانی

الجواب باسمہ تعالی

۱) الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا جائز ہے اور یہ باقاعدہ درود شریف ہے، حاجی امداداللہ مہاجر مکی صاحب (جو کہ اکابر علماء دیوبند کے پیرومرشد ہیں) سلسلہ چشتیہ کے اوراد واسباق کی تربیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے بعد نہایت خشوع وخضوع سے تین بار، پانچ بار، سات بار ہاتھ اٹھا کر اللھم طھر قلبی اور توبہ استغفار کے بعد استغفر اللہ الخ اکیس بار پڑھ کر درود، الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ ﷺ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ ﷺ، عروج ونزول کے طریقے پر پڑھے۔ (کلیات امدادیہ ص ۱۵، دارالاشاعت کراچی)

مولانا تھانوی اپنے پیرومرشد کے اقوال نقل کرتے ہیں:

فرمایا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں یہ اتصال معنوی پر مبنی ہے، لہ الخلق والامر، عالم امر مقید بجہت وطرف وقرب وبعد وغیرہ نہیں ہے پس اس کے جواز میں شک نہیں۔

(امدادالمشتاق، ص ۵۹، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

مولانا حسین احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں:

وہابیہ عربیہ کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس نداء وخطاب پر کرتے ہیں، اور ان کا استھزا اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغہ خطاب ونداء کیوں نہ ہوں مستحب ومستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو ایسا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ (الشھاب الثاقب، ص ۶۵)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ خطاب کے صیغے سے درود پڑھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ خدا تعالی کے فرشتے اس درود کو بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیں گے اس کے اس فعل کو بھی ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص ۳۴، دارالاشاعت کراچی)

یہ مندرجہ بالا چند اقتباسات علماء دیوبند کے مستند اکابر کی کتب سے ماخوذ ہیں، ان کے علاوہ دیگر بکثرت دلائل موجود ہیں اب اگر

مذکورہ شخص ان درود پڑھنے والوں کو گمراہ اور کافر قرار دیتا ہے تو اسے اپنے اکابر کے ایمان کے بارے میں فکر کرنی چاہئے کہ کہیں ہمارے بزرگان دیوبند تو میرے گمراہی کے فتوے کی زد میں تو نہیں آرہے؟

۲) اب جب کہ ثابت ہو چکا کہ یہ الفاظ درود ہی ہیں تو ان کو پڑھنا جائز ہوگا۔

رہی بات اذان کے بعد کی تو اس بارے میں مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو اس کی مثل پڑھو، پھر مجھ پر درود پڑھو، بے شک جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت فرمائے گا اس کے بعد اللہ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو بے شک وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک کو عطا ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ (بندہ) میں ہوں گا: (مشکوٰۃ ص ۶۵،۶۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اب جب درود پڑھنا اذان کے بعد حدیث سے ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا کلمات درود ہی ہیں تو اذان کے بعد پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث برکت وثواب بھی ہے۔

خوف طوالت کی وجہ سے چند دلائل نقل کر دیئے گئے ہیں تفصیل وتسلی کے لئے ناچیز کا رسالہ ''السیف المسلول فی مسئلہ یا محمد ویا رسول ﷺ'' کا مطالعہ فرمائیں، جس میں صحابہ کرام واولیاء امت کے اقوال کے علاوہ علماء دیوبند کے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں جن میں یارسول اللہ، یا محمد ﷺ پڑھنے کا جواز ہے۔

۳) نماز میں سلام کے بعد ذکر بالجہر کرنا جائز ہے جو کہ حدیث شریف سے ثابت ہے:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضور علیہ السلام سلام پھیرتے تو بلند آواز سے پڑھتے، **لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد** الخ (مشکوٰۃ، ص ۸۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

لیکن مذکورہ بالا حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسبوق حضرات کی نماز میں خلل نہ آئے کیونکہ اتنی جہر کہ جس سے نماز میں خلل آتا ہو، تلاوت کرنے یا سونے والے کے آرام میں خلل آتا ہو مکروہ ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اجمع العلماء سلفاً وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الاان یشو ش جھر ھم علی نائم اومصل اوقاری.

(فتاوی شامی ص ۶۶۰، ج ۱، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی)

واللہ اعلم بالصواب

نبی کا معنیٰ ''غیب کی خبریں بتانے والا'' کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ امام اہلسنت احمد رضا خان (رحمۃ اللہ علیہ) نے نبی کا معنیٰ ''غیب کی خبریں بتانے والا'' کیا

ہے، اپنے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' میں اس کی کیا حقیقت ہے وضاحت فرمادیں؟

الجواب بعون الوهاب

امام اہلسنت (رحمۃ اللہ علیہ) نے نبی کا ترجمہ ''غیب کی خبریں بتانے والا'' اپنے پاس سے نہیں کیا بلکہ لغت عرب کو سامنے رکھتے ہوئے کیا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے کہ اس کے ماخذ اشتقاق اہل لغت نے تین بتائے ہیں۔

(۱) یہ نبأ سے مشتق ہے (۲) یا نبوۃٌ سے (۳) یا نباوۃٌ سے مشتق ہے۔

پہلے قول کے مطابق نبیٌ بروزن فعیل بمعنی مفعل مخبر ہوگا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔

اور اگر اس کا ماخذ اشتقاق النبوۃ یا النباوۃ ہو تو اس کا معنی ہے بلندی اور اونچی چیز، کیونکہ نبی ہر لحاظ سے دوسروں سے ارفع واعلیٰ ہوتا ہے۔

(لسان العرب، جلد ۱۴، صفحہ ۱۶۹۔۱۶۸)

علامہ اصفہانی ''المفردات'' میں فرماتے ہیں:

کہ ''نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی'' کو کہتے ہیں۔

(المفردات لأصفهانی، ص ۴۸۴)

اس کے علاوہ ''المنجد'' میں ہے:

النبوة: الاخبار عن الغيب او لمستقبل بالهام من الله / الاخبار عن الله وما يتعلق به تعالى.

نبوۃ کے معنی ہیں۔ اللہ کی جانب سے الہام کے ذریعے غیب یا مستقبل کی خبریں دینا / اللہ اور اس کی ذات وصفات سے متعلق خبر دینا۔

والنبی: المخبرعن الغيب او المستقبل بالهام من الله / المخبر عن الله وما يتعلق به تعالىٰ. (المنجد صفحہ ۷۸۴۔ مکتبہ دار الفقہ)

نبی کے معنی ہیں۔ اللہ کی جانب سے الہام کے ذریعے غیب یا مستقبل کی خبریں دینے والا۔ اللہ اور اس کی ذات سے متعلق خبر دینے والا۔

نبا'' کا لفظ غیب کی خبر دینے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا:

وانبئكم بماتا كلون وما تدخرون فی بيوتكم .(آل عمران: ۹)

كذالک نقص عليک من انباء ما قد سبق. (طه: ۹۹).

(تبیان القران، جلد ۹، صفحہ ۳۵۷)

مولانا بدر عالم نے بھی نبی کا یہی معنیٰ ذکر کیا ہے۔ (ترجمان السنہ، جلد سوم ص ۴۴۱)

لہذا قرآن کی آیات اور عربی لغت کی کتابوں کے حوالے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ نبی کا معنیٰ ''غیب کی خبریں دینے والا'' کے بھی آتے ہیں۔ جس کو پیش نظر رکھ کر اعلحضرت نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد۴، صفحہ۹)۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۸ مارچ، ۲۰۰۶ء.....۱۷، صفر المظفر، ۱۴۲۷ھ

دعا میں انبیاء واولیاء کا وسیلہ

کیا فرماتے ہیں علماء حق اہل السنّت والجماعت اس مسئلہ کے بارے میں کہ انبیاء و اولیاء کا توسل فی الحیٰوۃ وبعد المماۃ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے ہاں ضلع سوات بلکہ آج کل تو تمام پاکستان میں دیوبند مسلک سے تعلق رکھنے والے علماء دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے جو اپنے آپ کو پکے دیوبندی کہتے ہیں تو وہ توسل و وسیلے کے استحباب و جواز کے قائل ہیں۔ اور جو علماء توسل کے منکر ہیں تو دیگر دیوبندی انہیں پنج پیری کے نام سے پکارتے ہیں یا اشاعت التوحید والسنّت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ منکرین وسیلہ بھی اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں۔ جناب عالی ان حالات کے پیش نظر انصاف سے کام لیتے ہوئے حق جس طرف ہو اس کی نشاندہی دلائل سمیت بیان فرمایئے۔ تاکہ سادہ لوح عوام الناس کی تسلی وتشفی ہو جائے۔ المستفتی: سید سراج الحق کراچی

الجواب بعون الملک الوھاب

مسئلہ مسئولہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی حقانیت، جواز اور استحباب کسی بھی اہل علم پر مخفی نہ ہو گی۔ علماء دیوبند بلکہ جمیع احناف اور غیر مقلدین (اہل حدیث) حضرات تک وسیلے اور توسل کے قائل ہیں۔ اس مسئلے پر علماء اہل سنت کی تحقیقی و مدلل تصانیف موجود ہیں، مگر اس کے باوجود کسی مسلک و مکتبہ فکر کا توسل و وسیلے سے انکار کرنا یہ صرف اور صرف ان کی باطنی کدورت اور بغض وعناد کی وجہ ہے۔

سوال میں جس توسل و وسیلے کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ اس کا تعلق ذوات انبیاء واولیاء سے ہے۔ اس لئے اس وسیلے کو توسل بالذوات الفاضلہ کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

ان التوسل بالنبی ﷺ جائز فی کل حال قبل خلقه وبعد خلقه فی مدة حیاته فی الدنیا وبعد موته فی مدة البرزخ وبعد البعث فی عرصات القیامة والجنة وھوعلی ثلاثه انواع.

(شفاء السقام، ص۱۳۴، مطبوعہ استنبول ترکی)

آپ ﷺ کا توسل ہر حال میں جائز ہے، آپ کی پیدائش سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، دنیاوی زندگی کے دوران بھی اور آپ کی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد عالم برزخ میں ہونے کے وقت بھی، اور دوبارہ مبعوث ہونے کے بعد میدان حشر میں بھی اور جنت میں بھی، ان تمام صورتوں میں آپ کا توسل جائز ہے۔ یہ کل تین قسمیں ہو گئیں۔

سب سے پہلے ہم وہ قرآنی آیات اور ان کی تفسیر میں مفسرین کے وہ اقوال پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن میں آپ ﷺ کی

دنیا میں تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلے سے دعا کرنے کا ثبوت ہے۔

قرآن مجید سے وسیلے کا ثبوت: (آیت: ۱)

فتلقی ادم من ربه کلمٰت فتاب علیه انه هو التواب الرحیم. (بقرہ:۳۷)

پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم والا ہے۔

وہ کلمات جو حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے اس سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین وعلماء کے چند اقوال لکھے جاتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

واختلف اهل التاویل فی الکلمات قالت طائفة: رأی مکتوبا علی ساق العرش "محمد رسول الله" فتشفع بذلک، فهی الکلمات. (تفسیر قرطبی، ۳۲۴، جلد اول، بیروت)

آیت کریمہ میں کلمات کے بارے میں اہل تاویل کے مختلف (اقوال) ہیں، ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پائے پر "محمد رسول اللہ ﷺ" لکھا ہوا دیکھا تو آپ کے وسیلہ سے دعا کی، کلمات سے یہی مراد ہیں، یعنی آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کر کے دعا کرنا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب قال رسول الله ﷺ لما اقترف آدم الخطیئة قال یارب اسئلک بحق محمد ان غفرت لی فقال الله فکیف عرفت محمدا بعد فقال یا رب لانک لما خلقتنی بیدک و نفخت فی من روحک فرفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوباً "لا اله الا الله محمد رسول الله" فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک فقال الله صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الی واذ سالتنی بحقه فقد غفرت لک ولو لا محمد ماخلقتک.

(البدایہ والنہایہ، ص۷۵، ج۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطاء سرزد ہوئی تو فرمایا: اے میرے رب میں تجھ سے محمد (ﷺ) کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے بخش دیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے ان کو کیسے جانا؟ حالانکہ ابھی تک میں نے ان کو پیدا نہیں کیا، تو عرض کی: اے میرے رب جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، اور مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور میں نے سر اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا دیکھا تو میں نے جانا کہ تو نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے یہ آپ کو تمام مخلوق میں محبوب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا، اے آدم جب آپ نے ان کا وسیلہ پیش کیا تو میں نے آپ کی مغفرت کر دی

،اور اگر (میرے محبوب) محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

رأى مکتوبا علی ساق العرش محمد رسول الله فتشفع به.

(روح المعانی،ص ۲۷۷،جلد ا،حقانیہ ملتان)

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے ستون پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو ان کے وسیلے سے شفاعت طلب کی۔

علامہ ابوبکر البیھقی لکھتے ہیں:

لما اقترف ادم الخطیئة قال یا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی فقال الله عزوجل یا آدم وکیف عرفت محمداً ولم اخلقه؟ قال لانک یارب لما خلقتنی بیدک و نفخت فی من روحک رفعت رأسی فرایت علی قوائم العرش مکتوبا لا اله الاالله محمد رسول الله فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک فقال الله عزوجل: صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الی واذا سالتنی بحقه فقد غفرت لک ولو لا محمد ما خلقتک .

(دلائل النبوۃ،ص ۴۸۹،جلد پنجم)

شیخ الاسلام تقی الدین سبکی لکھتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب ؓ قال رسول الله ﷺ لما اقترف ادم علیه السلام الخطیئة قال یا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی فقال الله یا آدم وکیف عرفت محمداً ولم اخلقه قال یا رب لانک لما خلقتنی بیدک ونفخت فی من روحک رفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا اله الاالله محمد رسول الله فعرفت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک فقال الله صد قت یا آدم انه لاحب الخلق الی اذا سالتنی بحقه فقد غفرت لک ولو لا محمد ما خلقتک.

(شفاء السقام،ص ۱۳۴،استنبول ترکی)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ لما اصاب آدم الخطیئة رفع رأسه فقال یا رب بحق محمد الا غفرت لی فاوحی الیه وما محمد؟ ومن محمد؟ فقال یارب انک لما اتممت خلقی ورفعت راسی الی عرشک فاذا علیه مکتوب لااله الاالله محمد رسول الله فعلمت انه اکرم خلقک علیک اذ قرنت اسمه مع اسمک فقال نعم قد غفرت لک وهو آخر الانبیاء من ذریتک ولو لاه ما خلقتک.

(مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ،ص ۱۵۱،جلد دوم)

مندرجہ بالا حدیث جو دلائل النبوۃ، شفاء السقام اور مجموع فتاویٰ کے حوالے سے نقل کی گئی، بعینہ یہی روایت شیخ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نقل کی ہے، ہم اس کو اردو میں نقل کرتے ہیں تاکہ دلائل النبوۃ، شفاء السقام اور مجموع الفتاویٰ کی عربی عبارت کا ترجمہ بھی ہو جائے اور تھانوی صاحب کی دلیل بھی ثابت ہو جائے۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''دوسری فصل سابقین میں آپ کے فضائل ظاہر ہونے میں''

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تو انہوں نے (جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے پروردگار: میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہی کر دیجئے، سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ اے آدم تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا کہ اے رب میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا، حق تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تم سچے ہو واقع میں وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے پیارے ہیں، اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی، اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

(نشر الطیب، ص ۱۱، ۱۲، دوسری فصل، اسلامی کتب خانہ لاہور)

مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری لکھتے ہیں:

حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم (علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام) سے جب وہ گناہ صادر ہو گیا، (جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے تو ہر وقت روتے تھے اور دعا و استغفار کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا یا اللہ: محمد (ﷺ) کے وسیلے سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں، وحی نازل ہوئی کہ محمد کون ہیں؟ (جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی) عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا ''**لا اله الا الله محمد رسول الله** تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد ﷺ سے اونچی ہستی کوئی نہیں ہے، جن کا نام تم نے اپنے نام کے ساتھ رکھا۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں تمہاری اولاد میں سے ہیں، لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔ (فضائل ذکر، ص ۱۱۱، فیضی کتب خانہ لاہور)

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی لکھتے ہیں:

ان التوسل والتشفع به ﷺ وبجاهه وبركته من سنن المرسلين وسير السلف الصالحين صحح الحاكم حديث لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب اسئلك بحق محمد ﷺ لما غفرت لى الخ.

(حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۸۱۴، جلد دوم، استنبول ترکی)

آپ ﷺ کے توسل، طفیل اور برکت (سے دعا مانگنا) انبیاء اور صالحین (اولیاء) کی سنت ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کا وسیلہ پیش فرمایا۔

علامہ سید احمد دحلان مکی لکھتے ہیں:

وقد توسل به ﷺ ابوه آدم قبل وجود سید نا محمد ﷺ حین اکل من الشجره التی نهاه الله عنها قال بعض المفسرین فی قوله تعالیٰ فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه ان الکلمات هی توسله بالنبی ﷺ.

(خلاصۃ الکلام، ص ۲۴۲، جزء ثانی، استنبول ترکی)

آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کے اب محترم (آدم علیہ السلام) نے آپ کو اس وقت وسیلہ بنایا تھا جس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے منع شدہ درخت سے کھایا، بعض مفسرین فرماتے ہیں، آیت کریمہ " **فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه**"، میں کلمات سے مراد آپ ﷺ کا وسیلہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

عن میسرة قال قلت یا رسول الله متی کنت نبیا قال لما خلق الله الارض واستویٰ الی السماء فسوٰهن سبع سموات وخلق العرش کتب علی ساق العرش محمد رسول الله خاتم الانبیاء وخلق الله الجنة التی اسکنها آدم وحواء فکتب اسمی علی الابواب والاوراق والقباب والخیام و آدم بین الروح والجسد فلما احیاه الله تعالیٰ نظر الی العرش فرأی اسمی فاخبره الله انه سید ولدک فلما غر هما الشیطٰن تابا واستشفعا باسمی الیه.

(مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ، ص ۱۵۰، جلد دوم)

حضرت میسرہ فرماتے ہیں: میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کب نبی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی اور آسمان کی طرف (اپنے شایان شان) استواء فرمایا تو سات آسمان پیدا فرمائے، اور عرش کو پیدا فرمایا، اور عرش کے پائے (ستون) پر لکھا " محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء" اور اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو پیدا فرمایا جس میں حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو سکونت عطا فرمائی۔ پھر میرا اسم (نام مبارک) جنت کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر لکھا، اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، جب انہوں نے عرش کی طرف نظر کی تو میرا نام دیکھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خبر دی کہ یہ آپ کی اولاد کے سردار ہیں، پس جب ان دونوں (آدم وحواء) کو شیطان نے دھوکہ دیا تو انہوں نے توبہ کی اور میرے نام کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے شفاعت طلب کی۔

قرآن کریم سے وسیلے کا ثبوت: (آیت ۲)

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا. (سورۃ بقرہ:۸۹)

بنی اسرائیل (آپ ﷺ کی تشریف آوری سے) پہلے کافروں پر آپ ﷺ کے وسیلے سے فتح (نصرت) طلب کرتے تھے۔

عزیز قارئین: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں چندان مفسرین کے اقوال ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں، جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے بھی لوگوں نے آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

عن ابن عباس ان یهوداً کانوا یستفتحون علی الا وس والخزرج برسول الله ﷺ قبل مبعثه.

(تفسیر ابن کثیر، ص۱۲۴، جلد اول)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے اوس اور خزرج (کافروں) پر (ان کے خلاف) آپ ﷺ کے وسیلے سے فتح طلب کرتے تھے۔

امام ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں:

یستفتحون ای یستنصرون علی المشرکین اذا قاتلو هم قالوا اللهم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعته فی التوراة. (تفسیر مدارک، ص۶۷، جلد اول)

یہود مشرکین پر (ان کے خلاف) مدد طلب کرتے تھے جب ان سے لڑتے اور کہتے: یا اللہ ان کے خلاف ہماری مدد فرما، آخری زمانے میں مبعوث ہونے والے نبی ﷺ کے وسیلے سے جن کی صفت (تعریف) ہم توراۃ میں پاتے ہیں۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

اللهم ربنا انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الذی وعد تنا ان تخرجه لنا فی اخرالزمان وبکتابک الذی تنزل علیه آخر ما تنزل ان تنصرنا علی اعدائنا. (تفسیر درمنثور، ص۸۸، جلد۱)

اے اللہ اے ہمارے رب: ہم اس نبی امی احمد ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں جن کا تو نے ہم سے آخری زمانے میں پیدا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ اور اس کتاب کے وسیلے سے بھی جس کو تو ان پر آخری کتاب کی صورت میں نازل فرمائے گا، یہ کہ تو ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قال ابن عباس: کانت یهود خیبر تقاتل غطفان فلما التقوا هزمت یهود فعادت یهود بهذا الدعاء و قالوا: انانسئلک بحق النبی الامی الذی وعد تنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان الاتنصرنا علیهم قال: فکانوا اذا التقوا دعوا بهذا الدعاء فهزموا غطفان. (تفسیر قرطبی، ص۲۷، جزء ثانی)

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ خیبر کے یہود غطفان (کافروں کے قبیلے) کے ساتھ لڑتے رہتے تھے، جب بھی سامنا ہوتا یہود بھاگ جاتے، پس یہود اس دعا کے ساتھ واپس لوٹے، اور کہا: ہم اس نبی امی (ﷺ) کے وسیلے سے سوال (دعا) کرتے

ہیں جن کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ تو ان کو ہمارے لئے آخری زمانے میں پیدا فرمائے گا، یہ کہ تو ہماری ان (غطفان) کے مقابلے میں مدد فرما۔ ابن عباس نے فرمایا، پس جب یہود غطفان کے مقابلے میں آئے، اور یہ دعا کی تو غطفان کو شکست ہوئی (بھاگ گئے)۔

علامہ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

یستنصرون علی المشرکین ویقولون اللھم انصرنا بنبی اخرالزمان المنعوت فی التوراة. (تفسیر بیضاوی، درسی، ص ۹۴)

یہود مشرکین کے خلاف مدد طلب کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یا اللہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے وسیلے سے ہماری مدد فرما جن کی توراة میں تعریف کی گئی ہے۔

علامہ بیضاوی کی مندرجہ بالا عبارت کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی المعروف بشیخ زادہ فرماتے ہیں۔

یستفتحون ای یستنصرون اللہ تعالی علی عدوھم ویستکشفون کربتھم ونائبتھم متوسلین فی ذلک بکرامته ﷺ عندربه ویقولون: اللھم انانسئلک بحق النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنافی آخر الزمان الا مانصر تناعلیه فاذا دعوا بھذا الدعاء غلبوا علی عدوھم وکانوا یقولون اللھم انصرنابحق نبیک الذی تبعثه فی آخر الزمان.

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، ص ۳۴۹، جز اول، استنبول ترکی)

یہود حضور ﷺ کی اس عزت و شرافت جو بارگاہ خداوندی میں ہے، کے وسیلے سے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے تھے اور اپنی مصیبتوں کے دور ہونے کی دعا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یا اللہ ہم اس نبی امی ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں جن کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ کہ تو ان کو ہمارے لئے آخری زمانے میں مبعوث فرمائے گا۔ یہ کہ ہماری ان کے مقابلے میں مدد فرما۔ جب یہود یہ دعا کرتے تو اپنے دشمن پر غالب آ جاتے اور وہ (یہود) کہتے تھے: یا اللہ اپنے اس نبی ﷺ کے وسیلے سے ہماری مدد فرما جن کو تو آخری زمانے میں مبعوث فرمائے گا۔

امام رازی لکھتے ہیں:

ان الیھود من قبل مبعث محمد ﷺ ونزول القرآن کانوا یستفتحون ای یسألون الفتح والنصرة وکانوا یقولون: اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی. (تفسیر کبیر، ص ۵۹۸، جلد ثالث)

نزلت فی بنی قریظة والنضیر، کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ قبل المبعث عن ابن عباس وقتادة والسدی. (تفسیر کبیر، ص ۵۹۹، جلد ثالث)

یہود آپ ﷺ کے بعثت اور قرآن کے نزول سے پہلے فتح اور مدد طلب کرتے تھے، اور کہتے تھے: یا اللہ نبی امی ﷺ کے وسیلے

سے ہمیں فتح عطا فرمایا اور ہماری مدد فرما۔

(سورۂ بقرہ کی یہ مذکورہ آیت) بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ (دونوں قبیلے) آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے وسیلے سے اوس اور خزرج کے مقابلے میں فتح طلب کرتے تھے۔ یہ قول حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدیؒ سے مروی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

وکانوا أی الیهود من قبل أی قبل مبعث النبی ﷺ یستفتحون یستنصرون علی الذین کفروا أی علی مشرکی العرب ویقولون: اللهم انصرنا علیهم بالنبی المبعوث فی اخرالزمان الذی نجد صفته فی التوراة. (تفسیر مظہری،ص۹۴،جلد اول)

یہود آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے عرب کے مشرکوں کے خلاف فتح طلب کرتے تھے، اور کہتے تھے: یا اللہ ہماری ان مشرکوں پر ان نبی آخر زمان ﷺ کے وسیلے سے مدد فرما جن کی صفت (تعریف) ہم توراۃ میں پاتے ہیں۔

مفسر تفسیر حسینی لکھتے ہیں:

بارخدایا نصرت میخواہیم از تو بمحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ رسول آخر الزمان است۔

(تفسیر حسینی،ص۱۵)

یا اللہ ہم تجھ سے رسول آخر زمان محمد ﷺ کے وسیلے سے مدد طلب کرتے ہیں۔

امام ابن جریر لکھتے ہیں:

عن ابن عباس ان یهود کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول الله ﷺ قبل مبعثه.

(تفسیر ابن جریر،ص۴۱۱،جلد اول)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود اوس اور خزرج کے مقابلے میں آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے آپ کے وسیلے سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔

مولانا عبدالحق دارمنگی لکھتے ہیں:

”یہود نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے مشرکین عرب کے خلاف مدد طلب کرتے تھے۔ اور کہتے تھے: یا اللہ اس نبی آخر زمان کے وسیلے سے ہماری مدد فرما جن کا ذکر ہم تورات میں پاتے ہیں۔ (تفسیر دارمنگی (پشتو)،ص۱۴)

علامہ شیخ عبدالحق حقانی لکھتے ہیں:

مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوتے تو اپنے علماء کی تعلیم سے یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللھم ربنا انا نسئلک بحق احمد ن النبی الامی الذی وعد تنا ان تخرجه لنافی آخر الزمان وکتابک الذی تنزل علیه آخر ما تنزل ان تنصرنا علی اعدائنا.

کہ الٰہی ہمیں ببرکت نبی آخرالزمان محمد ﷺ اور ببرکت قرآن مجید ہمارے دشمنوں پر فتحیاب کر۔ (رواہ الحاکم والبیہقی) (تفسیر حقانی، ص ۱۸۵، جلد اول)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

نزلت فی قریظة والنضیر کانوا یستفتحون علی الا وس والخزرج برسول ﷺ قبل مبعثه قاله ابن عباس وقتادة ویقولون اللهم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعد تنا ان تبعثه فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عد ونا فینصرون اھ.

(روح المعانی، ص ۵۰۵، جلد ا، حقانیہ ملتان)

یہ مذکورہ آیت قریظہ اور نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ حضور ﷺ کے بعثت سے پہلے آپ کے وسیلے سے اوس اور خزرج پر فتح طلب کرتے تھے۔ یہ تفسیر ابن عباس وقتادہ سے مروی ہے۔ اور وہ (یہود) کہتے تھے: یا اللہ تیرے اس نبی کے وسیلے سے ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ جن کا تو نے آخری زمانے میں مبعوث فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، آج ہمارے دشمن کے مقابلے میں ہماری مدد فرما، پس ان کی مدد کی جاتی۔

حاشیۃ الشھاب علی البیضاوی میں ہے:

روی السدی انهم کانو اذا اشتد الحرب بینهم وبین المشرکین اخرجوا التوراة ووضعوا اید یهم موضع ذکر النبی ﷺ وقالوا اللهم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعد تنا ان تبعثه فی آخر الزمان ان تنصر نا الیوم علی عد ونا فینصرون.

(حاشیۃ الشھاب علی البیضاوی، ص ۲۰۳، جلد ثانی)

امام سدی سے روایت ہے کہ جب یہود اور مشرکین کے درمیان لڑائی سخت ہو جاتی تو یہود تورات لے کر اپنے ہاتھوں کو آپ ﷺ کی ذکر کردہ تعریف کی جگہ پر رکھتے اور کہتے: یا اللہ ہم تیرے اس نبی کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں جن کا تو نے آخری زمانے میں مبعوث فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، یہ کہ آج تو ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما پس ان کی مدد کی جاتی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے۔ ''ہم کو نبی آخرالزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ (تفسیر عثمانی، ص ۱۷)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

یستفتحون أی یطلبون الفتح والنصرة. یقولون اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث اخر الزمان.

(جلالین شریف، ص۱۴، قدیمی کراچی)

یہود فتح اور نصرت طلب کرتے تھے، اور کہتے تھے: یا اللہ نبی آخر زمان کے وسیلے سے ہماری ان کے مقابلے میں مدد فرما۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

یستنصرون علی المشرکین ویقولون اللھم انصرنا بنبی آخر الزمان المنعوت فی التوراة.

(بخاری شریف، ص۶۴۳، جلد۲، حاشیہ:۵، نور محمد کراچی)

یہود کفار پر مدد طلب کرتے تھے، اور کہتے تھے: یا اللہ توراۃ میں موصوف نبی آخر زمان ﷺ کے وسیلے سے ہماری مدد فرما۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

ان الیھود کانوا یحاربون جیرانھم من العرب فی الجاھلیة ویستنصرون علیھم بالنبی ﷺ قبل ظھورہ فیفتح لھم وینصرون علیھم. (بدائع الفوائد، ص۱۴۵، جلد چہارم)

بیشک یہود دور جاہلیت میں اپنے پڑوسی عرب سے لڑتے تھے اور ان کے خلاف آپ ﷺ کی آمد سے پہلے آپ کے وسیلے سے مدد طلب کرتے تھے تو ان کو فتح عطا ہوتی تھی، اور ان کی مدد کی جاتی تھی۔

علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی لکھتے ہیں:

اتفق المفسرون واھل الحدیث علی انھا نزلت فی یھود خیبر کانوا قبل وجودہ ﷺ یحاربون اسدا وغطفان من مشرکی العرب وکانو یقولون اللھم بحق النبی الذی تبعثه اخر الزمان الا نصرتنا علیھم فینصرون. (المنحۃ الوھبیۃ، ص۳۱، ترکی)

مفسرین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ (مذکورہ) آیت کریمہ خیبر کے یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کی بعثت (تشریف آوری) سے پہلے عرب کے مشرک غطفان اور اسد سے لڑتے تھے اور کہتے تھے: یا اللہ تو (اپنے) اس نبی کے وسیلے سے ہماری مدد فرما جس کو تو آخری زمانے میں مبعوث فرمائے گا پس ان کی مدد کی جاتی۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

اور وہ لوگ اس کے آنے سے پہلے (یعنی قبل بعثت) کفار (یعنی مشرکین) کے مقابلہ میں آپ کے توسل سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔

(نشر الطیب، ص۱۴، اسلامی کتبخانہ لاہور)

شیخ صوفی محمد سرور دیوبندی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں:

"**یستفتحون علی الذین کفروا**" کے تحت متعدد تفاسیر میں لکھا ہے کہ خیبر اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور یہود

مدینہ نبی آخرالزمان کے توسل سے فتح طلب کیا کرتے تھے، جب ولادت سے بھی پہلے توسل جائز ہے تو وفات کے بعد بھی جائز ہونا چاہئے۔ (الخیر الجاری، ص۱۱۳، جلد دوم)

عزیز قارئین: قرآن مجید کی آیات اوران کی تفسیر میں متعدد مفسرین کے اقوال سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت (دنیا میں تشریف آوری) سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اوراہل کتاب (بنی اسرائیل) آپ ﷺ کے وسیلے سے اپنی مغفرت اوردشمن پر فتح ونصرت طلب کرتے تھے۔

اشکال واعتراض:

اگر کوئی یہ کہے کہ آیات مبارکہ اورمفسرین کے اقوال سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے توسل سے یہودیوں نے فتح ونصرت کی دعا کی ،اور یہودیوں کا عمل ہمارے لئے دلیل نہیں بن سکتا ،اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا فعل بھی ہم پر لازم نہیں۔(کیونکہ ماقبل شریعتوں کے احکامات کے ہم مکلّف نہیں)

ماقبل شریعتوں کے احکامات کے ہم کب مکلّف ہوں گے؟

ماقبل شریعتوں کے احکامات جب اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ بغیر کسی انکار کے بیان فرمادیں تو اس وقت اس کے مکلّف ہوں گے۔

مشہوراصولی عالم دین علامہ ملاجیون لکھتے ہیں:

وشرائع من قبلنا تلز منا اذا قص اللہ ورسولہ من غیر انکار علی انھا شریعۃ لرسولنا . (نور الانوار، ص۲۱۶، مبحث افعال النبی ﷺ)

ماقبل انبیاء کی شریعت کو جب اللہ اور رسول اللہ ﷺ بغیر کسی انکار کے بیان کریں تو وہ ہم پر لازم ہوتی ہے، گویا کہ یہ ہمارے رسول ﷺ کے لئے شریعت بن گئی۔

امام حسام الدین لکھتے ہیں:

ومما یتصل بسنۃ نبینا علیہ السلام شرائع من قبلہ والقول الصحیح فیہ ان ما قص اللہ تعالیٰ او رسولہ منھا من غیر انکار یلز منا علی انہ شریعۃ لرسولنا ﷺ۔

(الحسامی مع النظامی ۹۲،۹۳ بحث افعال النبی ﷺ)

نبی کریم ﷺ کی سنت کے ساتھ ماقبل انبیاء کی شریعت بھی متصل ہے،اس کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوررسول اکرم ﷺ اگر ماقبل لوگوں کی شریعت کو بیان فرمائیں اوراس پر کوئی انکار (نکیر) نہ کریں تو وہ ہم پر بھی لازم ہے اس بناء پر کہ وہ ہمارے رسول ﷺ کی شریعت ہے۔

عزیز قارئین: اس سے ثابت ہوا کہ پہلے شریعتوں میں سے جو بھی حکم ہمیں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ بیان فرمائے اوراس پر نکیر (رد) نہ کریں تو وہ ہمارے لئے قابل عمل ہے،اوردلیل بن سکتی ہے۔

احادیث مبارکہ سے وسیلے کا ثبوت:

نبی کریم ﷺ نے خود صحابہ کرام کے وسیلے سے دعا کی ہے:

عن امیة بن خالد ابن عبداللہ بن اسید عن النبی ﷺ انہ کان یستفتح بصعالیک المھاجرین. (مشکواۃ شریف، ص۴۴۷، نور محمد کراچی)

آپ ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح طلب کرتے تھے۔

ملا علی قاری مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

(کان یستفتح) ای یطلب الفتح والنصرة علی الکفار من اللہ تعالیٰ (بصعالیک المھاجرین) أی بفقرائھم وببرکة دعائھم .....بان یقول: اللھم انصرنا علی الاعداء بحق عبادک الفقراء المھاجرین.....کان ﷺ یستفتح ویستنصر بصعالیک المسلمین. (مرقات، ص۱۰۰، جلد نہم، مکتبہ حقانیہ)

آپ ﷺ کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فتح او مدد طلب کرتے تھے فقراء مہاجرین اور ان کی دعاؤں کے وسیلے سے ۔۔۔اور فرماتے تھے: یا اللہ دشمن کے مقابلے میں ہماری مدد فرما فقراء مہاجرین کے وسیلے سے۔۔۔آپ ﷺ فقراء مسلمانوں کے وسیلے سے فتح اور مدد طلب کرتے تھے۔

قال نبی اللہ ﷺ انما ینصر اللہ ھذہ الا مة بضعیفھا بد عوتھم وصلاتھم واخلاصھم.

(نسائی شریف، ص۶۴، جلد دوم، کتاب الجہاد، نور محمد کراچی)

آپ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد اس امت کے ضعیف (فقراء) لوگوں اور ان کی نمازوں اور اخلاص کے وسیلے سے فرماتا ہے۔

عن ابی الدرداء یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ابغونی الضعیف فانکم انما ترزقون وتنصرون بضعفائکم.

(نسائی، ص۶۴، جلد۲، کتاب الجہاد، نور محمد کراچی)

آپ ﷺ نے فرمایا میرے لئے ضعیفوں کو تلاش کرو، بیشک تمہیں ضعفاء (فقیروں) کے وسیلے سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

شیخ محمد محدث تھانوی درج بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابن بطال وفیہ جواز الاستعانہ بالضعفاء وا لصالحین فی الحرب. (نسائی، ص۶۴، جلد ۲، کتاب الجہاد، نور محمد کراچی)

ابن بطال کہتے ہیں اس حدیث میں جنگ (جہاد) کے دوران ضعفاء اور صالحین کے وسیلے سے مدد طلب کرنے کا جواز ہے۔

مفتی خیر محمد جالندھری درج بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ذات اور اعمال و اخلاص کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

(خیر الفتاوٰی، ص۱۹۴، جلد اول، امدادیہ ملتان)

شیخ اشرف علی تھانوی مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے۔ حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور غرض ہے۔

(التکشف عن مہمات التصوف، ص۲۶۸)

عن ابی الدرداء عن النبی ﷺ قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفا ئکم. رواہ ابو داؤد.

(مشکوٰۃ، ص۴۴۷، باب فضل الفقراء، قدیمی کراچی)

آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو غرباء میں ڈھونڈنا، کیونکہ تم لوگوں کو رزق یا دشمنوں پر غلبہ (مدد) غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

اس (مذکورہ) حدیث سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے، بلکہ اس میں مطلق اسلام ہی توسل کے لئے کافی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ غیر مسلم تو یقیناً مراد نہیں ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس شخص میں کوئی حیثیت مقبولیت کی ہو، مثل مسکنت مذکورہ فی الحدیث کے۔

(التکشف عن مہمات التصوف، ص۲۶۹)

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی ﷺ فقال ادع اللہ لی ان یعافینی فقال ان شئت اخرت لک وھو خیر وان شئت دعوت فقال ادعہ فامرہ ان یتوضا فیحسن وضوء ہ ویصلی رکعتین وید عوا بھذا الدعاء اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذا لتقضی اللھم فشفعہ فی. قال ابو اسحق ھذا حدیث صحیح.

(ابن ماجہ، ص۱۰۰، باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ، مجتبائی لاہور)

مندرجہ بالا حدیث کا ترجمہ ہم مولانا تھانوی صاحب کے حوالے سے نقل کر کے پھر مولانا تھانوی صاحب کی رائے اور مسلک بیان کرتے ہیں۔

عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کر دوں، اس نے

عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے، آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے، اور اچھی طرح وضو کرے، اور دو رکعت پڑھے، اور یہ دعا کریں کہ: اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد (ﷺ) نبی رحمت کے، اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ وہ پوری ہووے، اے اللہ آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

مولانا تھانوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوا، اور چونکہ آپ ﷺ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔

(نشر الطیب، ص۲۴۰، اڑتیسویں فصل، اسلامی کتب خانہ لاہور)

علامۃ العراق شیخ جمیل افندی درج بالا حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وتقول الوهابية ان هذا انما كان فى حياة النبى ﷺ فليس يدل على جواز التوسل به بعد موته فنجيب ان الدعاء هذا قد استعمله الصحابة والتابعون ايضا بعد وفاته ﷺ لقضاء حوائجهم يدل عليه مارواه الطبرانى والبيهقى ان رجلا كان يختلف الى عثمان زمن خلافته فى حاجته ولم يكن ينظر فى حاجته فشكى الرجل ذلك لعثمان بن حنيف فقال له ائت الميضاة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل ثم قل اللهم انى اسئلك واتوجه اليك بنبينا محمد نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربك لتقضى حاجتى وتذكر حاجتك فانطلق الرجل فصنع ذلك ثم اتى باب عثمان فجاءه البواب واخذ بيده وأدخله على عثمان فأجلسه معه وقال اذكر حاجتك فذكر حاجته فقضاها ثم قال له ماكان لك من حاجة فاذكرها فلما خرج الرجل من عنده لقى ابن حنيف فقال له جزاك الله خيرا ماكان ينظر فى حاجتى حتى كلمته لى فقال ابن حنيف والله ما كلمته ولكن شهدت رسول الله ﷺ وقد اتاه ضرير فشكى اليه ذهاب بصره الحديث.

(الفجر الصادق، ص۵۸، استنبول ترکی)

حضرت جمیل آفندی صدقی زھاوی کا مسلک وعقیدہ:

فهذا توسل ونداء بعد وفاته ﷺ على ان النبى ﷺ حى فى قبره فليست درجته دون درجة الشهداء الذين صرح الله تعالىٰ بانهم احياء عندربهم يرزقون.

(الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق، ص۵۸، مطبوعہ ترکی)

یہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد توسل اور نداء ہے بناء بریں کہ آپ ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں، اور آپ کا درجہ ان شہداء کے

درجے سے کم نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تصریح (نص) فرمائی کہ بے شک شہداء اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اورانہیں رزق دیا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث کا ترجمہ:

وہابی (منکرین توسل) کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جو حدیث ضریر میں ہے آپ ﷺ کی حیات میں تھا اس سے توسل بعد الوفات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیف سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ضرورت کی وجہ سے جایا کرتا تھا لیکن وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف سے کہا تو انہوں نے فرمایا: تو وضو کر کے مسجد میں جا اور وہی دعا اوپر والی سکھا کر کہا کہ یہ پڑھ چنانچہ اس نے یہی کیا، اور حضرت عثمان کے پاس جو پھر گیا تو انہوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کر دیا۔

شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

اس روایت میں توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا۔ (التکشف)

شیخ الاسلام امام سبکی فرماتے ہیں:

ولا شک هذا المعنی حاصل فی حضرة النبی وغیبته فی حیاته وبعد وفاته ﷺ. (شفاء السقام، ۱۳۹، طبع ترکی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معنی (توسل) آپ ﷺ کی حالت حضور، غیبوبت، زندگی اور بعد الوفات جائز (حاصل) ہے۔

شیخ سرفراز خان صفدر گکھڑوی درج بالا حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

یہ روایت اصول حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ (تسکین الصدور، ص ۴۳۱)

ان عبارات سے توسل کا صحیح مفہوم اور مراد واضح ہو جاتی ہے اور اس طرح کے توسل میں نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کراہت۔ جن حضرات نے اس توسل کو نصوص کے خلاف سمجھا اور بتایا ہے وہ خود جہل مرکب کا شکار ہیں، اور بالکل غیر متعلق نصوص سے اس کا رد کرتے ہیں۔ (تسکین الصدور، ص ۴۳۳)

شیخ عبدالغنی دہلوی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

والحدیث یدل علی جواز التوسل والاستشفاع بذاته المکرم فی حیوٰته و اما بعد مماته فقد روی الطبرانی فی الکبیر الخ.

(انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ، ص ۹۸، قدیمی کراچی)

حدیث (ضریر) میں اس بات پر دلیل ہے کہ توسل اور استشفاع آپ ﷺ کے وسیلے سے آپ کی زندگی میں جائز ہے اور آپ کی وفات کے بعد (توسل) تو وہ طبرانی میں مذکور ہے۔

حضورﷺ نے خود اپنے وسیلے سے بھی دعا کی:

علامہ العراق حضرت جمیل آفندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لنا علی جواز التوسل والاستغاثة دلائل منها قوله ﷺ (اغفر لامی فاطمة بنت اسد ووسع علیها مد خلها بحق نبیک والانبیاء من قبلی) الی اخر الحدیث رواه الطبرانی فی الکبیر و صححه ابن حبان والحاکم عن انس بن مالک ؓ وفاطمة هذه ام علی کرم الله وجهه التی ربت النبی ﷺ وروی ابن ابی شیبة عن جابر مثل ذلک.

(الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق، ص ۵۷، ترکی)

سید احمد دحلان مکی لکھتے ہیں:

ومماجاء عنه ﷺ من التوسل قوله ﷺ عن انس بن مالک قال لما ماتت فاطمة بنت اسد وکانت ربت النبی ﷺ وهی ام علی بن ابی طالب دخل علیها رسول الله ﷺ فجلس عند راسها وقال رحمک الله یا امی بعد امی وذکر ثناء علیها وکفنها ببرده وامره بحفر قبرها قال فلما بلغوا اللحد حفره ﷺ بیده واخرج ترابه بیده فلما فرغ دخل ﷺ فاضطجع فیه ثم قال الله الذی یحی ویمیت وهو حی لایموت اغفر لامی فاطمة بنت اسد ووسع علیها مدخلها بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین.

(خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام، ص ۲۴۱، جزء ثانی، مطبوعہ ترکی)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ وفات پا گئی جنھوں نے آپ ﷺ کی تربیت (پرورش) کی تھی۔ تو آپ ﷺ آئے اور ان کے سر کی طرف بیٹھ گئے اور فرمایا: اے میری ماں، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، اور اس کی تعریف کی اور آپ ﷺ نے اپنی چادر میں اس کو کفن دیا، اور آپ نے قبر کھودنے کا حکم فرمایا، جب لحد تک قبر پہنچی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کھودا، اور مٹی نکالی اس کے بعد آپ ﷺ اس کی قبر میں لیٹ گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا، (یا اللہ) میری امی فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلے سے اس قبر کو وسیع فرما، بے شک تو رحم فرمانے والا ہے۔

علامہ احمد بن زینی دحلان مکی اور خلاصہ بحث:

فتلخص من هذا انه یصح التوسل به ﷺ قبل وجوده وفی حیاته وبعد وفاته. (خلاصۃ الکلام، ص ۲۴۴، جزء ثانی، ترکی)

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا توسل آپ کے پیدائش سے پہلے، آپ کی حیات اور بعد الوفات (ہر صورت میں) جائز اور صحیح ہے۔

امام بخاری روایت نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب ؓ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب ؓ فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا ﷺ فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون . (بخاری شریف ص ۱۳۷، جلد ا، ابواب الاستسقاء، نور محمد کراچی)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب بھی خشک سالی کی تکلیف آتی تو حضرت عمر حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کو بطور توسل آگے کرتے، اور کہتے: یااللہ بے شک ہم تیری طرف اپنے نبی کریم ﷺ کو وسیلہ کے طور پر پیش کرتے تو ہم پر بارش برستی، اب ہم تیری طرف اپنے نبی کریم ﷺ کے چچا مبارک کو وسیلہ بناتے ہیں، پس ہم پر بارش نازل فرما تو ان پر بارش ہوتی۔

امام سبکی مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و کذالک یجوز مثل هذا التوسل بسائر الصالحین وهذا شئی لاینکره مسلم بل متد ین بملة من الملل. (شفاء السقام ص ۱۴۳، ترکی)

اسی طرح تمام اولیاء (صالحین) کا توسل جائز ہے، اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا، بلکہ کسی دوسرے دین (ملت) والے بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔

شیخ تھانوی مذکورہ حدیث بخاری نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا، جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو، قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا، تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی، اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمر نے حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) سے توسل کیا، نہ اس لئے کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے۔ اور چونکہ اس توسل پر کسی صحابی سے نکیر منقول نہیں اس لئے اس میں اجماع کے معنی آ گئے۔

(نشر الطیب، ص ۲۴۲، اڑتیسویں فصل)

مفتی رشید احمد لدھیانوی مندرجہ بالا حدیث کے کئی توجیہات ذکر کرتے ہیں:

ا) اس پر تنبیہہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی ﷺ کی دو صورتیں ہیں ایک توسل بذاتہ اور دوسری توسل باہل قرابتہ علیہ السلام۔

۲) کہ حضرت عباس کے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

۳) یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعث برکت و جالب رحمت ہے۔

(احسن الفتاویٰ، ص ۳۳۵، جلد اول، ایچ ایم سعید کراچی)

مولانا اشرف علی تھانوی مذکورہ حدیث پر اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

توسل بالحیٔ و بالمیت دونوں جائز ہے، اور یہاں جس نوع کا توسل تھا کہ حضرت عباس نے دعا کی اور اس کو وسیلہ بنایا، یہ حضور

ﷺ کے ساتھ اس لئے نہ ہوسکتا تھا کہ حضور سے دعا کرنا علم واختیار سے خارج تھا، لیکن اس سے مطلق توسل بالمیت کا عدم جواز لازم نہیں آتا، باقی صحابہ سے خود ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ توسل کرنے کی تعلیم فرمائی چنانچہ اعمیٰ کا قصہ مشہور ہے۔

(امداد الفتاویٰ، ص ۸۹، جلد ۵، دار العلوم کراچی)

شیخ صوفی محمد سرور دیوبندی مذکورہ حدیث بخاری کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو صراحۃً صورت ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت عباس سے درخواست کی جاتی تھی دعا کی وہ دعا فرماتے تھے، اور بارش ہوجایا کرتی تھی، اس صورت کے جائز ہونے پر تو اجماع ہے، اس کے قریب قریب دوسری صورت توسل بالذوات کی ہے، کہ اللہ فلان بزرگ کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول فرما دیں، اس کے جائز ہونے پر جمہور سلف وخلف تو جمع اور متفق ہیں، صرف ابن تیمیہ کا شاذ قول اس کے جائز نہ ہونے کا ہے۔ صحیح جمہور ہی کا قول ہے کئی وجہ سے۔ (الخیر الجاری شرح صحیح البخاری، ص ۱۱۲، جلد دوم)

توسل اور وسیلہ علماء اور مفسرین کی نظر میں:

اب ذیل میں ان علماء ومفسرین کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں جن میں انہوں نے انبیاء واولیاء کے توسل اور وسیلے کے جواز پر صراحت کی ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

وانالا اری باسافی التوسل الی اللہ بجاہ النبی ﷺ عند اللہ حیا ومیتا مثل قولہ: الھی اتوسل بجاہ نبیک ﷺ ان تقضیٰ لی حاجتی. (تفسیر روح المعانی، ص ۱۲۸، جلد ششم)

اللہ تعالیٰ کی طرف آپ ﷺ کو وسیلہ بنانے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں، خواہ آپ ﷺ حیات ہو یا وفات، مثلاً کوئی کہے: اے اللہ میں تیرے نبی ﷺ کی عظمت کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری فرما۔

علامہ نبہانی لکھتے ہیں:

قداتفق ائمۃ العلماء العارفین الھادین المھد یین جیلا بعد جیل من عھدہ ﷺ الی الأن علی جواز التوسل بہ ﷺ الی اللہ تعالیٰ لقضاء الحاجات فی حیاتہ ﷺ وبعد الممات وقد صارمن المجربات ان من استغاث بہ ﷺ الی اللہ تعالیٰ باخلاص وصدق الالتجأ تقضی حاجتہ.

(حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۸۱۴، جلد دوم، مطبوعہ ترکی)

آئمہ عارفین قرن بعد قرن آپ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک اس بات پر متفق ہیں کہ اپنی حاجت روائی میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ کریں، خواہ حیات میں ہو یا بعد الوفات، اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ جس نے بھی اخلاص اور صدق دل

سے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ کیا ہے تو اس کی حاجت پوری ہوئی ہے۔

مصنف بریقہ محمودیہ لکھتے ہیں:

ویجوز التوسل الی اللہ تعالیٰ والاستغاثہ بالانبیاء والصالحین بعد موتھم. (بریقہ محمودیہ، ص ۲۷۰، جلد اول بحوالہ تسکین الصدور)

علامہ شیخ حسن ابن عمار شرنبلالی الحنفی لکھتے ہیں:

واللہ الکریم اسأل وبحبیبہ المصطفیٰ الیہ اتوسل ان ینفع بہ جمیع الامۃ. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص ۱۷، خطبۃ الکتاب، قدیمی کراچی)

میں اللہ تعالیٰ سے سوال (دعا) کرتا ہوں اور اس کے حبیب مصطفیٰ ﷺ کو اس کی طرف وسیلہ بناتا ہوں کہ اس کتاب کے ذریعے جمیع امت کو نفع عطا فرمائے۔

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی لکھتے ہیں:

(وبحبیبہ المصطفیٰ الخ) ای لااتوسل الیہ فی اتمام ھذہ المرادات الا بحبیبہ محمد ﷺ ورد توسلوا بجاھی فان جاھی عنداللہ العظیم.

(حاشیہ الطحطاوی، ص ۱۷، خطبۃ الکتاب، قدیمی کراچی)

میں اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی مراد کے پورے ہونے میں صرف اس کے حبیب محمد ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں (روایت میں) آیا ہے (کہ آپ ﷺ نے فرمایا) میری جاہ (عزت) کو وسیلہ بناؤ بے شک میری جاہ (عزت) اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ہے۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں:

دلت الاحادیث علی جواز التوسل بالاعمال الصالحۃ والذوات الفاضلۃ.

(عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ، ص ۴۸، جلد اول، دیباچہ، امدادیہ ملتان)

اعمال صالحہ اور ذوات فاضلہ (انبیاء واولیاء) کے توسل کے جواز پر احادیث دلالت کرتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ والتوسل بنبی اللہ یستجاب.

(حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۱۴، جلد دوم، قدیمی کراچی)

آداب دعا میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف (ثناء) کی جائے اور (پھر) آپ ﷺ کا توسل (وسیلہ) کیا جائے تاکہ دعا قبول ہو جائے۔

علامۃ العراق صدقی الزھاوی لکھتے ہیں:

لا فرق فی التوسل بالانبیاء وغیر هم من العلماء بین کو نهم احیاء او امواتا.

(الفجر الصادق،ص۵۹،ترکی)

انبیاء اور اولیاء (صلحاء) کے ساتھ توسل میں کوئی فرق نہیں،خواہ زندہ ہوں یا وفات پا گئے ہوں۔

علامہ دحلان مکی لکھتے ہیں:

والحاصل ان مذهب اهل السنة والجماعة صحة التوسل وجوازه بالنبی ﷺ فی حیاته وبعد وفاته وکذا بغیر من الانبیاء والمرسلین والا ولیاء والصالحین کما دلت علیه الاحادیث.

(خلاصۃ الکلام،ص۲۴۴،جلد دوم،ترکی)

حاصل (کلام) یہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک آپ ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء صالحین کا توسل زندگی میں اور بعد الوفات صحیح ہے اور اس پر احادیث موجود ہیں۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی "**اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور.** کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یعنی جب تم اپنے کاموں میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو"۔

نیز بر استمد ادہم محمول میتواں شد یعنی وقتیکہ متحیر شوید در امور و کار بر آری شما نشود پس دعائے انجاح مرام بوسیلہ اصحاب قبور سازید وایشاں را وسیلہ گردانیدہ از جناب باری تعالیٰ دعا سازید تا برکت ایشاں بدرجۂ قبول رسد۔

(مجموعۃ الفتاویٰ بحوالہ تسکین الصدور)

مذکورہ بالا عبارت (اذا تحیرتم الخ) کو توسل پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے۔یعنی جس وقت تم امور میں حیران ہو جاؤ اور تمہارا مقصد پورا نہ ہو سکے تو تم مقصد میں کامیابی کے لئے اصحاب قبور کے وسیلے سے دعا کرو۔اور ان کو وسیلہ بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تا کہ ان (اصحاب القبور) کی برکت سے دعا درجہ قبولیت کو پہنچ جائے۔

علماء غیر مقلدین (اہل حدیث) اور توسل:

شیخ وحید الزمان (غیر مقلد) لکھتے ہیں:

التوسل الی الله تعالیٰ بانبیائه والصالحین من عباده جائز ویستوی فیه الاحیاء والاموات. (نزل الابرار،ص۵،حصہ اول)

اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے انبیاء اور صالحین (اولیاء) کا وسیلہ جائز ہے۔اس (وسیلے) میں زندہ و مردہ برابر ہے۔(یعنی توسل قبل الموت و بعد الموت دونوں جائز ہے)

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کو حاجات میں وسیلہ بنانا صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا

اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ (درنضید بحوالہ بوادر النوادر، ص۷۱۰)

شیخ سید نذیر حسین دہلوی (غیر مقلد) لکھتے ہیں:

مناسب این است کہ بدین طور بگوید یا اللہ شیئاً للشیخ عبدالقادر یعنی یا اللہ عطا کن و دہ مرا ببرکت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ چہ این طور جواز است چہ در دعا خواستن از خدائے تعالیٰ بحرمت فلان یا ببرکت فلاح مباح است۔

(فتاویٰ نذیریہ، ص۱۲۹، ج۱، مکتبہ ثنائیہ)

مناسب یہ ہے اس طرح کہے: یا اللہ مجھے شیخ عبدالقادر (جیلانی) رحمۃ اللہ کی برکت سے عطا فرما، کیونکہ یہ صورت جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی کی حرمت (وسیلے) سے یا کسی کی برکت سے مانگنا مباح (جائز) ہے۔

علماء دیوبند اور توسل

شیخ شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اولیاء اور انبیاء سے اس طرح کا وسیلہ تو جائز ہے کہ خدا سے اس طرح دعا مانگی جائے کہ خداوند محمد رسول اللہ کے طفیل سے یا حضرت علی کے صدقہ میں میری فلاں حاجت پوری کردے۔ (تقویۃ الایمان، ص۴۲۳)

شیخ محمد اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

والثالث دعأ اللہ ببرکۃ هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوزه الجمهور . (بوادر النوادر، ص۷۰۸، دارالاشاعت)

تیسری (قسم) اللہ تعالیٰ سے کسی مقبول بندے کی برکت (توسل) سے دعا کرنا ہے، اس کو جمہور (علماء) نے جائز قرار دیا ہے۔

مفتی دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں:

وان التوسل بالنبی وباحد من الاولیاء العظام جائز بان یکون السوال من اللہ تعالیٰ ویتوسل بولیہ وبنبیہ ﷺ.

(امداد الفتاویٰ، ص۳۲۷، ج۶، دارالعلوم کراچی)

انبیاء یا اولیاء کاملین کا توسل بے شک جائز ہے۔ اس طرح کہ سوال (مانگنا) اللہ تعالیٰ سے ہو، اور توسل اللہ تعالیٰ کے ولی یا نبی ﷺ کا ہو۔

مفتی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

تیسرے یہ کہ دعاء مانگے الٰہی بحرمۃ فلاں میرا کام پورا کردے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ص۱۷۳، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب اردو بازار کراچی)

موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمالیا ہے اس کے ذریعے سے مانگتا ہوں۔

(فتاویٰ رشیدیہ،ص ۲۱۴)

حق تعالیٰ سے دعا کرنا کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے یہ باتفاق جائز ہے۔خواہ عندالقبر ہوخواہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ،ص ۱۲۳،محمد علی کارخانہ اسلامی کتب اردو بازار کراچی)

شجرہ پڑھنا درست ہے کیونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اس کا کوئی حرج نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رشیدیہ،ص ۴۰،محمد علی کارخانہ اسلامی کتب اردو بازار کراچی)

شیخ محمد زکریا لکھتے ہیں:

زمخشری سے نقل کیا گیا ہے کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس سے تقرب حاصل کیا جاتا ہو،قرابت ہو یا کوئی عمل اور اس قول میں نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے توسل حاصل کرنا بھی داخل ہے۔علامہ جزری نے حصن حصین میں آداب دعا میں لکھا ہے،وان **یتوسل الی اللہ تعالیٰ بانبیائہ والصالحین من عبادہ** یعنی توسل حاصل کرے اللہ جل شانہ کی طرف اس کے انبیاء کے ساتھ اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ۔ (فضائل درود شریف،ص ۴۳)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایات حدیث اور اشارات قرآن سے اس کا جواز ثابت ہے۔ (معارف القرآن،ص ۹۹،ج ۱)

شیخ خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

ایجوز التوسل عندکم بالسلف الصالحین من الانبیاء والصدیقین والشھداء واولیاء رب العالمین ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشھداء والصدیقین فی حیٰوتھم وبعد وفاتھم بان یقول فی دعائہ اللھم انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر ذلک

(المہند علی المفند،ص ۳۱،السوال الرابع،مکتبۃ العلم لاہور)

سوال: آیا تمہارے (علماء دیوبند) کے نزدیک سلف صالحین (یعنی) انبیاء،صدیقین،شھداء اور اولیاء اللہ کا توسل جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء واولیاء وشھداء وصدیقین کا توسل جائز ہے،ان کی حیات میں بھی اور بعد وفات بھی،بایں طور کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری

چاہتا ہوں اس جیسے اور کلمات کہے۔

(المہند علی المفند ،ص ۳۱،السوال الرابع ،مکتبۃ العلم لاہور)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

ایک اہم نزاعی مسئلہ یہ ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ اور بزرگان دین کا توسل (وسیلہ پکڑنا) جائز ہے یانہیں؟اس میں میرا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ انبیاء کرام علیھم السلام ،صحابہ کرام اور دیگر مقبولان الہی کے طفیل اور وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اے اللہ: اپنے ان نیک اور مقبول بندوں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما، یا میری فلاں مراد پوری فرمادے۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ،ص ۳۷)

ہمارے ہم عصر دیوبند مسلک کے استاذ کل مولانا حمد اللہ داجوی دیوبندی لکھتے ہیں:

وعلم ان التوسل بالانبیاء والاولیاء فی الحیوۃ الدنیویۃ والبرزخیۃ کلیھما جائز بل ان التوسل باثارھم وثیا بھم ایضا ثابت.

(البصائر ،ص ۵۳، ترکی)

معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء کا زندگی میں اور موت کے بعد دونوں حالتوں میں توسل جائز ہے۔ بلکہ ان کے تبرکات اور کپڑوں سے بھی توسل جائز (ثابت) ہے۔

ہمارے ہم عصر دیوبند مسلک کے مفتی محمد فرید مجددی لکھتے ہیں:

قطب زمان ،حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی ،حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ، شارح ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد انصاری مہاجر مدنی ، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا حسین علی مجددی ، امین اللہ فی الارض شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین الغرغشتوی نے اپنے اپنے مکتوبات ،ملفوظات اور تصنیفات میں توسل کے جواز پر تصریح (اثبات) کی ہے، میرے والد صاحب جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا حبیب اللہ زروبوی فرمایا کرتے تھے کہ یہ طائفہ نجدیہ (وہابیہ) خود برکت اور جاہ (عزت) سے خالی ہیں اس لئے دوسرے کے لئے بھی (برکت وجاہ) نہیں مانتے ۔ ہمارے مرشد امام العلماً والصلحاء حضرت مولانا محمد عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ سلسلہ مبارک پڑھتے تھے اور اس میں توسل موجود ہے ۔ اور حضرت علامہ شیخ الحدیث مولنا عبد الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی کبھی کبھی دعا میں توسل کیا کرتے تھے۔

(مقالات ۲،۷۳، ۷۲)

شیخ سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

الغرض توسل جمہور سلف وخلف کے نزدیک درست ہے۔(تسکین الصدور ،ص ۴۰۰)

ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتھم تقریباً سبھی مشروع توسل کے جواز کے قائل ہیں۔

(حوالہ مذکورہ ۴۰۱)

ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال کا مآل بالآخر ایک ہی ہے، صرف اس کی تعبیر اور تشریح کا فرق ہے اور نزاع صرف لفظی ہے۔

(تسکین الصدور ۴۰۴)

جمہور اہل السنّت والجماعت توسل کے جواز کے قائل ہیں۔

(تسکین الصدور ۴۰۷)

الغرض علماء دیوبند کے جملہ اکابر جواز توسل کے قائل ہیں، اور ان کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ہاں بقول شخصے تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں۔ (تسکین الصدور، ص ۴۱۶)

الغرض جمہور جس توسل کے قائل ہیں وہ دلائل کی رو سے بزرگوں کی زندگی میں بھی اور بعد الوفات بھی جائز اور صحیح ہے۔ لا شک فیہ (تسکین الصدور، ۴۳۵)

انبیاء و اولیاء کے وفات کے بعد بھی ان کا توسل جائز ہے۔

قارئین حضرات: یہ ہیں وہ دلائل ظاہرہ باہرہ جن سے توسل کا شرعی حکم روز روشن کی طرح واضح ہوا۔ ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ توسل اور وسیلہ انبیاء و اولیاء کے ساتھ تمام ادیان میں رائج و جائز تھا اور یہ جمہور کا مسلک ہے کسی بھی انصاف پسند عالم نے اس کا انکار نہیں کیا۔

شیخ ابن تیمیہ کا توسل سے انکار

امت محمدیہ (ﷺ) میں سب سے پہلے وہ شخص جس نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے توسل بالانبیاء والاولیاء کا علی الاعلان انکار کیا وہ شیخ ابن تیمیہ ہیں۔

شیخ سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

۱) حافظ ابن تیمیہ اور ان کے اتباع اس (وسیلے) کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے حافظ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب ''القاعدۃ الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ'' تصنیف فرمائی ہے۔

(تسکین الصدور، ص ۳۹۸)

۲) اپنے دور میں قوم کی اصلاح کی خاطر منظّم طریقہ پر توسل، استشفاع عند القبو ر اور زیارۃ القبور کا رد اور انکار حافظ ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ اور متوسلین نے شروع کیا۔ (سماع الموتی، ص ۱۲۹)

۳) بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ (ابن تیمیہ) متفرد ہیں، اور ان مسائل میں ان کے شاگردوں اور مخصوص متوسلین کے بغیر اور کسی نے ان کی ہمنوائی نہیں کی، اور طبیعت کی شدت اور حدت کی وجہ سے وہ ان پر مصر بھی رہے، لہٰذا جمہور کا

ساتھ چھوڑ کر ایسے نظریات میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا، حق جمہور کے ساتھ ہی ہے۔

(سماع الموتی، ص ۱۲۸)

شیخ مفتی بنوری تفردات ابن تیمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

الجوهر المنظم في زيارة القبر المكرم للشيخ ابن حجر الهيتمي المتوفى ۹۷۴ھ مطبوع بمصر، واغلظ القول في ابن تيمية ونسبه الى الضلال كما فعل التقي الحصني في "دفع الشبه.

(معارف السنن، ص ۳۳۱، ج ۳)

الجوہر المنظم جو ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے اس میں ابن تیمیہ پر انتہائی سخت بات کی ہے اور ابن تیمیہ کو گمراہ تک کہا ہے۔ جس طرح (تقی الدین) حصنی نے اپنی کتاب دفع الشبہ میں (ابن تیمیہ کو گمراہ) کہا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ سبکی کا ابن تیمیہ پر رد:

ولم ينكر احد ذلك من اهل الاديان ولا سمع به في زمن من الازمان حتى جاء ابن تيمية فتكلم في ذلك بكلام يلبس فيه على الضعفاء الاغمار وابتدع مالم يسبق اليه في سائر الاعصار.

(شفاء السقام، ص ۱۳۳، ترکی)

اہل ادیان (کسی بھی مذہب والے) میں سے کسی نے توسل کا انکار نہیں کیا اور نہ یہ (انکار توسل) کسی زمانے میں سنا گیا، یہاں تک ابن تیمیہ آئے اور توسل کے بارے میں ایسی (من گھڑت) باتیں کی کہ جس سے ناتجربہ کار لوگوں کو التباس (شک) میں ڈال دیا۔ اور (انکار توسل کی) ایک ایسی بدعت نکالی جس کی طرف کسی زمانے میں کسی نے سبقت نہیں کی تھی۔

علامہ موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وحسبك ان انكار ابن تيمية للاستغاثة والتوسل قول لم يقله عالم قبله وصار به بين اهل الاسلام مثله.

(شفاء السقام، ص ۱۳۴، ترکی)

آپ کی (حیرت و تعجب کے) لئے یہ بات کافی ہے کہ ابن تیمیہ نے جو استغاثہ اور توسل سے انکار کیا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ کسی بھی عالم نے اس سے پہلے ایسی بات نہیں کی۔ اس وجہ سے وہ (ابن تیمیہ) عالم اسلام میں بدنام ہو گئے۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت شیخ سرفراز خان صفدر نے بھی نقل کی ہے، اس کے بعد صفدر صاحب لکھتے ہیں:

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ توسل کا انکار حافظ ابن تیمیہ سے قبل کسی عالم نے نہیں کیا اور اس مسئلہ کے پہلے منکر یہی حافظ ابن تیمیہ ہیں۔

(تسکین الصدور، ص ۳۹۹)

علامہ شامی کا ابن تیمیہ پر رد:

علامہ تقی الدین سبکی کا قول علامہ شامی نقل کرنے کے بعد حافظ ابن تیمیہ پر انکار توسل کے سلسلے میں رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال السبکی یحسن التوسل بالنبی ﷺ الی ربه ولم ینکره احد من السلف والخلف الاابن تیمیه فابتدع مالم یقله عالم قبله . (شامی،ص ۳۵۰،جلد پنجم،)

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ ﷺ کا توسل اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحسن ہے۔اس (توسل) کا انکار بغیر ابن تیمیہ کے سلف وخلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔ابن تیمیہ نے اس (انکار توسل کے) بارے میں ایسی بدعت ایجاد کی کہ جس کا قول کسی ماقبل عالم نے نہیں کیا۔

الحاصل یہ کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء واولیاء کا توسل اور وسیلہ جائز اور مستحب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب کلمات الکفر

(کفریہ کلمات کے مسائل)

نماز پڑھنے سے انکار کرنے پر اس کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام بروئے شریعت اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بیٹے اور بیوی نے نماز پڑھنے سے صریحاً انکار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے نہیں پڑھتے نماز آپ کی نہیں ہے۔اس وقت میرے دو بیٹے بہو اور بیٹی موجود تھی۔

بینوا توجروا. المستفتی: غلام حیدر بابو خان، کراچی

الجواب باسم الوھاب

صورت مسئولہ میں بر بنائے صدق سائل اگر کوئی عاقل بالغ مرد عورت نماز کی ادائیگی سے صریحا انکار کرے بغیر عذر شرعی کے قصدا تو ایسا مرد وعورت فاسق وفاجر ہیں اور مرتکب گناہ کبیرہ کی وجہ سے سخت گناہ گار ہیں کیونکہ نماز کا پڑھنا فرض اور نہ پڑھنا حرام وفسق ہے۔مزید یہ کہ صورت مسئولہ میں بیٹے اور بیوی پر تکفیر لازم نہیں آتی ہے کیونکہ بیٹے اور بیوی نے نماز کی ادائیگی سے انکار کیا ہے نہ کہ نماز کی فرضیت سے جو کہ حرام وفسق ہے نہ کہ کفر۔اگر بیٹے اور بیوی نماز کی فرضیت سے انکار کرتے تو کافر ہو جاتے کیونکہ فرضیت نماز قطعی ہے اور ہر قطعی حکم کا انکار کفر ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قوله فالفرض اعم منهما قوله وهو ماقطع بلزومه) ماخوذ من فرض بمعنی قطع تحریر ویسمی فرضا علما وعملا للزوم اعتقاده والعمل به (قوله حتی یکفر)بالبناء للمجهول ای ینسب الی الکفر.

(فتاوی شامی ص۹۴ جلد اول، ایچ ایم سعید کراچی)

صورت مسئولہ میں بیٹے اور بیوی کو چاہئے کہ اپنے رب کے حضور خشوع وخضوع اور صمیم قلب سے اپنے اس قبیح فعل پر توبہ واستغفار کرے۔

والله أعلم باالصواب .

۳ذوالحجہ ١٤٢٦ھ............٤ جنوری ٢٠٠٦ء

علماء کو گالی دینے اور کافر کہنے والے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام وخطیب صاحب نے محفل میلاد شریف میں ایک نابینا حافظ صاحب کی کرامت بیان کی جن کے وصال کو کم وبیش ۴۵ برس ہوگئے کہ حافظ صاحب کے لڑکے سے کسی بنا پر قتل ہوگیا تو انہوں نے ۱۰ حافظ قرآن رات کو بٹھائے اور ان سے کہا کہ میں اللہ کا کلام پڑھتا ہوں اور میرا یقین اور ایمان ہے کہ یہ اللہ کی سچی کتاب ہے چھ سال کی عمر سے لے کر پچاس برس ہوگئے میں اس کی تلاوت کرتا ہوں آج مجھ پر مشکل آئی ہے میں اسے پڑھتا ہوں اور تم سب نے اس میں زیر زبر شد مد کی غلطی بتانی ہے اگر نہ بتاؤ گے تو تمہاری پکڑ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اگر صبح میرا لڑکا رہا نہ ہوا تو میں اس کی تلاوت کرنا چھوڑ دوں گا مگر قرآن اللہ کے کلام کا انکار نہیں کرتا ساتھ ہی فرمایا کہ آج دیکھتے ہیں کہ قرآن ہمارا کتنا ساتھ دیتا ہے۔ قرآن مجید جیسے ہی حافظ صاحب نے مکمل کیا بیٹے کی رہائی کا حکم ملا تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ دیکھا جو قرآن کی سنتا ہے قرآن ان کی سنتا ہے۔ پھر امام صاحب نے فرمایا کہ یہ حافظ صاحب کی کرامت اور قرآن کا اعجاز ہے جو قرآن مجید پڑھتے ہیں اور عمل کرتے ہیں مرنے کے بعد بھی ان کی قبروں پر قرآن مجید کے ترانے گونجتے ہیں۔

اسی بات پر دوسرے دن لیاقت علی نامی شخص جو خو کو قادری عطاری کہلواتا ہے اس نے امام صاحب سے بحث کی اور کہا وہ حافظ جی بھی کافر اور تم بھی کافر، امام صاحب نے بہت سمجھایا لیکن اس نے پھر تمام علماء کو گالی بکواس کی اور کہا کہ مطلقاً تمام علماء ایسے ایسے ہیں ایسے الفاظ کہے کہ میں قلم بند نہیں کرسکتا۔

حافظ صاحب کی کئی کرامات ہیں بزرگوں سے سنا ہے کہ کئی مرتبہ حافظ صاحب کی قبر سے تلاوت کلام پاک کی آواز ہمیں سنائی دی۔

۱۔ ایسے باکرامت ولی اللہ اور علماء کی شان میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۲۔ جناب لیاقت علی صاحب نے جتنی نمازیں امام صاحب کی اقتداء میں پڑھی ہیں ان نمازوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۳۔ ان کے نکاح ان گستاخیوں سے باقی رہا یا نہیں؟

۴۔ اور جب تمام کو گالی دی ہے ان میں تو ان کے پیر مرشد بھی شامل ہوجائیں گے تو ان کی بیعت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شریعت کی رو سے ہماری اصلاح فرمائیں!

فقط آپ کا دعا گو: فصیح اللہ اسلامک سینٹر کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ کے اندر حافظ صاحب کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ ان الفاظ سے ان پر کفر کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ اللہ اپنے نیک بندوں کی قسم کو پوری فرماتا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت انس بن النضر کے حوالے سے ہے کہ انہوں نے قسم کھائی اور اس پر رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان من عباداللّٰہ من لو أقسم علی اللہ لابرہ.

(بخاری ج ۲،ص۶۶۴،کتاب التفسیر،سورۃ المائدہ،نور محمد کراچی)

اب جن امام صاحب نے یہ کہ امت بیان کی ہے تو اس بیان کرنے سے ان پر بھی کفر کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن بہتر یہ ہے کہ امام صاحب ایسی باتیں بیان نہ کریں جن سے فتنہ وفساد کا ڈر ہو۔

جہاں تک امام صاحب کو یا حافظ صاحب کو کافر کہنے والی بات ہے یا جو شخص علماء کو گالیاں دیتا ہے تو اس کے بارے میں فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اس نے کفر کیا۔

والمختار للفتویٰ فی جنس ھذہ المسائل أن القائل بمثل ھذہ المقالات ان کان أرادالشتم ولا یعتقدہ کافرًا لا یکفر وان کان یعتقدہ کافرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ أنہ کافر یکفر.

(فتاوی عالمگیری ص ۲۷۸ جلد دوم مکتبہ رشیدیہ)

اسی طرح علماء کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔

رکعتان من عالم أفضل من سبعین رکعۃ من غیر عالم.

(کنز العمال۔ص۱۵۴،ج،۱۰،مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

أکر موا العلماء فانھم ورثۃ الانبیاء.

(کنز العمال،ج ۱۰،ص ۱۵۰،بیروت)

مفتی وقارالدین قادری لکھتے ہیں:

مسلمان کو کافر کہنا بہت برا ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ گالی کے طور پر کہا جائے اس سے کہنے والا کافر نہیں ہوتا۔دوسرا یہ کہ اسلام سے خارج کے معنی میں کافر کہا جائے تو اس صورت میں کہنے والا کافر ہو جاتا ہے اسے تجدید ایمان کرنا ہوگی،اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی کرنا ہوگی اور جب تک تجدید ایمان نہیں کرے گا اس کی نماز روزہ وغیرہ عبادات قبول نہیں ہوگی۔

(وقار الفتاوی،ج ا،ص ۵۹)

چونکہ بنا بر قول سائل علماء کو گالی دینے والا اور کافر کہنے والے کا تعلق سلسلہ عالیہ قادریہ عطاریہ سے ہے تو عطاری صاحب کو چاہئے کہ اپنی شان قادریت وعطاریت کو دیکھتے ہوئے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔

سلسلہ قادریہ عطاریہ کے پیشوا مولانا محمد الیاس قادری صاحب خود بھی اپنے مریدوں سے فرماتے ہیں:

لہٰذا دعوت اسلامی کے تمام وابستگان بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء اہل سنت سے نہ ٹکرائیں،ان کے ادب واحترام میں کوتاہی نہ کریں۔علماء اہل سنت کی تحقیر سے قطعاً گریز کریں،بلا اجازت شرعی ان کے کردار اور عمل پر تنقید کر کے

غیبت کا گناہ کبیرہ، حرام اور رجہنم میں لے جانے والے کام نہ کریں۔ (مدینہ ڈائری ۲۰۰۷ء، مکتبہ مدینہ)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اگر معاذ اللہ عزوجل کسی نے ماضی میں اپنے قول یا فعل سے عالم دین کی توہین کر ڈالی ہو تو وہ توبہ و تجدید ایمان کر لے اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح اور کسی کا مرید ہو تو تجدید بیعت بھی کر لے۔ (مدینہ ڈائری ۲۰۰۷ء)

واللہ اعلم بالصواب

۳/۵/۲۰۰۷ء.......۱۰، ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

کتاب الحظر والاباحۃ

(جائز اور ناجائز امور کا بیان)

عمامہ میں دو شملے رکھنا

کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کے دور میں ایک ایسا فیشن رائج ہوا ہے کہ امام اور عوام دو شاخہ عمامہ باندھتے ہیں جس کا شملہ بجائے پیٹھ کے آگے کی طرف کر لیتے ہیں اور نماز پڑھتے پڑھاتے ہیں، یا ایک ایسا رکھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں کان اور منہ کے ساتھ لٹکا رہتا ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب باسمہ تعالی

عمامہ باندھنا سنت ہے خصوصا نماز میں کہ جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اس کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن نماز بغیر عمامہ بھی بلا کراہت ہو جاتی ہے۔ عمامہ باندھے تو اس کا شملہ پیٹھ پر دونوں شانوں کے درمیان لٹکانا بھی سنت ہے اور دو شملہ لٹکانا بھی سنت ہے جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے:

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة حدثنا ابو اسامة عن مساور حدثنی جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیه قال کانی انظر الی رسول الله ﷺ وعلیه عمامة سوداء قدارخی طرفها بین کتفیه.

(ابن ماجہ ۲۵۶ کتاب اللباس قدیمی کراچی)

ویرخی لها من جانب الایمن نحو الاذن. (مجمع الزوائد ص ۱۲۰، ج ۵)

واللہ اعلم بالصواب ۲۰، مئی ۲۰۰۶ء.........۲۱، ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

خطبہ جمعہ میں باتیں کرنا

جمعۃ المبارک کے دن خطبہ جمعہ میں کلام کرنا وغیرہ نا جائز ہے مگر کب تک ہے۔ آیا خطبہ ختم ہونے تک یا جمعہ کی نماز کے ختم ہونے تک کلام کرنا مقتدی کا ناجائز ہے؟

المستفتی: محمد رضوان یاسین، کراچی

الجواب بعونہ تعالیٰ

جو چیزیں نماز میں حرام ہیں مثلاً کھانا، پینا اور سلام وجواب وغیرہ یہ سب خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہیں یہاں تک کہ امر بالمعروف بھی لیکن خطیب امر بالمعروف کرسکتا ہے۔ امام جب خطبہ پڑھے تو تمام حاضرین پر سننا اور چپ رہنا فرض ہے۔ جو لوگ امام سے دور ہوں کہ خطیب کی آواز ان تک نہیں پہنچتی انہیں بھی چپ رہنا واجب ہے اگر کسی کو بری بات کرتے دیکھیں تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے منع کر سکتے ہیں زبان سے ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ خطبہ اور جمعہ کی نماز کے درمیان بات کرنا مکروہ ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

أما بعده فالکلام مکروه تحريما بأقسامه........واذا شرع فی الدعاء لایجوز للقوم رفع اليدين ولا تأمين باللسان جهرًا فأن فعلوا ذلک اَثِموا.

(شامی، ص ۱۵۸، ج ۲، باب فی شروط وجوب الجمعہ، ایچ ایم سعید)

اذا قلت لصاحبک يوم الجمعة أنصت والامام يخطب فقد لغوت.

(متفق علیہ بحوالہ شامی ص ۱۶۰ ج ۲ ایضاً)

الحاصل یہ کہ جمعہ کے خطبہ کے شروع سے آخر نماز تک خاموش رہنا چاہئے۔ درمیان میں باتیں کریں گے تو مکروہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ.... ۲۲ فروری ۲۰۰۶ء

اذان اور کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) اذان کے بعد دعا کرنے میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگ اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور بعض لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں۔

(۲) کھانے کے بعد خواہ اپنے گھر میں یا کسی دعوت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہئے یا ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے؟

الجواب بعون اللّٰہ

(۱) صورت مسئولہ میں اذان کے بعد دعا کرنے میں ہاتھ اٹھانے پر نص وارد نہیں ہوئی لہٰذا اگر کوئی شخص ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے تو جائز ہے اور اگر ہاتھ نہ اٹھائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

(۲) کھانے کے بعد اگر کوئی شخص دعوت میں صاحب خانہ کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کھانے کے بعد ہاتھ نہ اٹھائے تو بہتر ہے کہ آپ ﷺ کا یہی عمل تھا۔

علامہ شیخ احمد طحطاوی الحنفی لکھتے ہیں:

انہ ﷺ کان یدعو کثیرا، کما ھو فی الصلوۃ والطواف، وغیرھمامن الدعوات المأثورة دبرالصلوات، وعندالنوم وبعد الاکل، وامثال ذلک ولم یرفع یدیه، ولم یمسح بھما وجھه افاده. فی شرح المشکاۃ وشرح الحصن الحصین وغیرھما.

(الطحطاوی ص ۳۱۸ فصل فی صفۃ الاذکار قدیمی کراچی)

واللہ اعلم بالصواب

۲۲ مئی ۲۰۰۶ء ....۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

روڈ کی توسیع کے لئے قبور کا منہدم کرنا اور مردوں کو منتقل کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ K,D,A والے روڈ کی تعمیر کے سلسلے میں کچھ قبروں کو منہدم کر رہے ہیں تو ان کے اس عمل کا کیا حکم شرعی ہے؟ یہ عمل کیسا ہے؟ اور قبروں سے مردہ افراد کی باقیات کو وہاں سے منتقل کرنا چاہئے یا نہیں؟ آیا روڈ پر چلنے والی گاڑیوں سے کیا نیچے دفن مردوں کی باقیات کی توہین لازم نہیں آئے گی؟

محمد عبداللہ کراچی

الجواب بعون الوھاب

قبرستان وقف میں کوئی تصرف خلاف وقف جائز نہیں۔ مدرسہ ہو خواہ مسجد ہو یا کچھ اور تعمیر کرنا جائز نہیں۔

لا یجوز تغییر الوقف عن ھیئته.

(فتاوی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات ص ۴۹۰ جلد ۲ رشیدیہ کوئٹہ)

مسلمان کی قبر پر بیٹھنا یا چلنا جائز نہیں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

مجھے تلوار پر چلنا مسلمان کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔

(سنن ابن ماجہ.ابواب الجنائز صفحہ ۱۱۳)

فتح القدیر و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

المرور فی سکة حادثه فی المقابر حرام۔

(ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، فصل الاستنجاء ص ۳۴۳ جلد ۱، ایچ ایم سعید)

قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا جائے اس پر چلنا حرام ہے۔

قبر کو اس طرح مسقّف کرنا یعنی قبروں کے اوپر چھت بنانا کہ دیوار یا پایہ عین کسی قبر پر نصب ہو جائز نہیں کہ اس میں میت کی ایذاء ہے جیسا کہ متعدد حدیثیں اس پر ناطق ہیں اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا زندگی میں ہو یا مرنے کے بعد یہ ہر طرح حرام ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: یا صاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر و لا یؤذیک.

(شرح الصدور للامام السیوطی، ص ۱۲۶)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر جا، نہ تو صاحب قبر کو نقصان پہنچا اور نہ وہ تجھے ایذا پہنچائے۔

اور اگر قبور کے باہر باہر دیواریں یا ستون قائم کر کے مسقّف بنایا جائے تو جائز ہے اور اس چھت پر چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا وغیرہ افعال کی بھی اجازت ہے کہ یہ سقف مکان ہے سقف قبر نہیں۔ مسلمانوں کا عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور اس میں سوائے دفن کے اور کسی تصرف کی اجازت نہیں، اسے تجارت گاہ بنانا یا اس پر کھیتی باڑی کرنا حرام ہے۔ اور مسلمان کی قبر کو کھودنا تو نہایت شدید جرم ہے، اسلامی سلطنت ہو تو ایسا شخص تعزیر کا مستحق ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے"

(فتاوی ہندیہ اردو: الفصل السادس ص ۲۶۳ ج ۲)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ا لمیت یؤذیه فی قبره مایؤذیه فی بیته"

(الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۵۷، بیروت، ج ا ص ۱۹۹)

میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اسی بات سے ایذا پاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

یہ اظہر من الشّمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنایا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقیناً اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے، جو کہ ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے.........جب قبر پر تکیہ لگانے سے اہل قبور کی اہانت اور ان کی توہین اور ان کی ترک تعظیم ہوتی ہے تو اس پر کھیتی کرنے سے اور اس پر مکان بنانے سے تو بطریق اولی ان کی توہین ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ جدید، ص ۴۳۶، ۴۳۷، ج ۹، رضا فاؤنڈیشن)

میت کو قبر میں دفنانے کے بعد بغیر ضرورت شرعیہ کے قبر سے نکالنا حرام ہے، شرعی ضرورت سے مراد وہ امور ہیں جن کی ادائیگی کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے بغیر اجازت کے کسی کی زمین میں میت کو دفن کرنا، دفن کرتے وقت کسی کی کوئی قیمتی چیز قبر میں گر گئی ہو تو ان صورتوں میں قبر کو کھولنا جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۲ جون ۲۰۰۶.........۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

قدم شناسی کے تجربے کی بناء پر کسی پر حد قائم کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بابت اس شرعی مسئلے کے کہ ایک خاندان کے کچھ افراد کی ایک خصوصیت ہے کہ وہ لوگ اگر کسی شخص کے پاؤں کے نشانات دیکھ لیں تو وہ اس شخص کی چال ڈھال اس کا خاندان اس کا نسب ونسل یہاں تک کہ اگر وہ شخص ہزاروں کے اجتماع میں اپنے پاؤں کے نشانات چھوڑے تو وہ افراد اس کو دوبارہ پہچان لیتے ہیں اور عام طور پر ہمارے علاقے میں کسی چور کو پکڑنے کیلئے ان سے مدد لی جاتی ہے اور اکثر بلکہ ہر دفعہ ان کی بات صحیح ثابت ہوئی اور چور کو بھی اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس قدم شناس کی شہادت کی بناء پر سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں بالفرض دو قدم شناس ایک بات پر اتفاق کر لیتے ہیں اور وہ عادل و بالغ و مسلمان ہوں کیا ان کی گواہی شرعی گواہی کہلائے گی قطع ید کے لزوم یا عدم لزوم کی صورت میں؟ جواب کو دلائل صحیحہ و براہین قاطعہ سے مزین فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔ المستفتی: محمد خالد بلوچستان

الجواب باسم الوھاب

شہادت کا لغوی معنی:

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔ (ابن اثیر الجزری، لسان العرب)

بصیرت یا آنکھوں کیساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

شہادت کا اصطلاحی معنی:

اخبار صدق لا ثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء.

(الدر المختار ص ۴۶۱ ج ۵ کتاب الشہادات، ایچ ایم سعید)

وقال ابن نجیم: هی اخبار عن مشاهدة وعیان لا عن تخمین وحسبان. (البحر الرائق ص ۹۳ ج ۷ کتاب الشہادات، رشیدیہ کوئٹہ)

عینی شہادت:

ولا یجوز للشاهد ان یشهد بشیء لم یعاینه الا النسب والموت والنکاح والدخول. (الہدایہ کتاب الشہادۃ ص ۱۵۹ کلام کمپنی کراچی)

یہی شہادت فیصلہ کن ہوتی ہے۔

سمعی شہادت:

جن امور کا تعلق مسموعات سے ہو ان میں سمعی شہادت معتبر ہے، قرآن وحدیث میں کثیر مقامات پر شہادت دینے کا ذکر آیا ہے۔

شرائط شہادت:

۱۔ مدعی یا اس کے نائب کی جانب سے شہادت دی جائے۔

۲۔ شہادت دعوی کے موافق ہو۔

۳۔ حدود میں گواہی دینے والے مرد اور مسلمان ہوں۔

۴۔ شاہدوں کا عدد نصاب کے مطابق ہو۔

۵۔ جب مدعی علیہ مسلمان ہو تو گواہ بھی مسلمان ہو۔

۶۔ مشہود بہ معلوم ہو کسی مجہول چیز کی شہادت دینا جائز نہیں ہے۔

(شرح صحیح مسلم،ص،ج۵)

حدود میں کم از کم دو مسلمان عاقل، بالغ مردوں کا گواہ ہونا ضروری ہے۔اور حد زنا میں چار مردوں کا ہونا ضروری ہے۔

ایسے لوگ جو کسی کے ہاتھوں کے نشانات سے اس کا خاندان وغیرہ بتاتے ہیں ان کو قیافہ شناس (قدم شناس) کہتے ہیں۔چنانچہ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

القائف الذی یتبع ویعرف شبه الرجل با خیه وابیه.

اگر اس کے ذریعے سے لوگوں پر ظلم وستم کیا جائے تو شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث مبارکہ میں رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"ادرء واالحدود بالشبهات"

(بدایۃ المجتہد،ص۲۹۷ کتاب الجنایات،القول فی شروط القاتل،فاران اکیڈمی لاہور)

صورت مسئولہ میں بر بنائے صدق سائل قیافہ شناس کی گواہی پر اس کی قیافہ شناسی کی وجہ سے قطع ید نہیں کیا جائے گا اگر چہ عادل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر اس کی شہادت معتبر نہیں۔

۱۔ اس پر شہادت کی تعریف لغوی ہو یا اصطلاحی صادق نہیں آتی کیونکہ اس نے چوری کے وقت چور کو دیکھا نہیں جبکہ مشاہدہ ومعاینہ ضروری ہے۔

۲. قال علیه الصلوة والسلام اذا علمت مثل الشمس فا شهد والا فدع،ولا یتم العلم مثل الشمس الابالمعاینة .

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۸ص۶۰۳۱ رشیدیہ کوئٹہ)

اور مثل الشّمس علم معاینہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ بعض شرائط شہادت کے فقدان کی وجہ سے مثلاً مشہود بہ کا معلوم نہ ہونا جبکہ مجہول چیز کے سلسلے میں شہادت معتبر نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

۴۔ شبہ کی وجہ سے کیونکہ اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: شبہات کے ذریعے حدود کو دور کرو۔

۵. لقوله علیه السلام البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔

(مشکوٰۃ ص ۳۲۶)

یعنی چور کی چوری ثابت کرنے کیلئے ان کے پاس گواہ نہیں اور مدعی کیلئے گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں محض پاؤں کے نشانات کی نشاندہی کی وجہ سے قطع ید نہیں کیا جائے گا۔

واللہ اعلم بالصواب...۲۰۰۵ء۔۱۲۔۳۰........۲۷ذی القعدہ۱٤۲٦ھ

حقوق طباعت کو محفوظ کرنے کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ copy right یعنی حقوق الطبعہ کی شرعی، قانونی واخلاقی حیثیت کیا ہے؟ آج کل مختلف کتب دینیہ ودنیویہ میں اسی طرح مختلف soft wares کی سی ڈیز وغیرہ میں مختلف ادارے اسے استعمال کرتے ہیں ۔کیا ان کا اسے استعمال کرنا درست ہے؟ مستفتی: حامد علی العلیمی کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں کسی بھی شخص کو کسی دوسرے کی محنت سے بلا اجازت اپنے لئے نفع حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ جس نے کوئی نئی چیز بنوائی اب اس کو حق ہے کہ دوسروں کو اس کی نقل کرنے سے روک دے تا کہ اس کے تجارتی فائدے ایجاد کرنے والے ہی کو ملیں دوسرے آدمی ایجاد کرنے والے کو نہ نقصان پہنچا سکیں نہ خود نفع حاصل کرسکیں ۔مثلاً کسی نے دوا بنالی یا کتاب لکھی یا فن ایجاد کرلیا تو اس کو ہی نفع اٹھانے کا حق ہونا چاہیئے کیونکہ بیچارے ایجاد کرنے والے نے مرمر کر بہت مال خرچ کر کے دردسری کر کے ایک چیز تیار کی وہ بھی پہلی مرتبہ، کچھ اس کی خوبی ہے کچھ نقصان کچھ محنت میں زیادتی، یاروں (تاجروں) کو مفت کا نمونہ مل گیا اور لوگوں کا رجحان دیکھ کر ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر سستا فروخت کرنے لگے، اب جس نے ابتدائی مصارف برداشت کئے، مشقتیں اٹھائیں ابھی پہلے کی مصیبت ٹلی نہ تھی کہ بعد میں خسارہ ونقصان سر پر آ کھڑا ہوگیا، اب عمر بھر کے لئے کان پکڑے رہ گئے، اگر حق محفوض کرنے کی ڈھال سامنے نہ ہو تو کوئی بھی شخص (تصنیف کا شوق رکھنے والا) میدان میں نہیں آئے گا اور ایجاد میں قدم نہیں رکھے گا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حکمت شرعی اور مصلحت الٰہی ایسے خسارے ونقصان کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو دوسری قوموں کے مقابلے میں انتہائی درجہ کی ناکامی اٹھانا پڑے۔لہٰذا عام مصلحت اور حکمت فقہ اسلامی پر نظر کرتے ہوئے حق امتناع کو جائز سمجھا جائے گا۔ مذکورہ تحقیق سے درج ذیل مسائل کا استنباط ہوگا۔

۱۔ زید کو اختیار ہے کہ کوئی کتاب تصنیف کر کے اس کی طباعت سے دوسروں کو روک دے۔ نہ کوئی اس کو بنائیں نہ شائع کریں نہ اسے دوسری صورت میں تبدیل کریں تا کہ اس کا فائدہ زید ہی کے لئے مخصوص رہے۔

۲۔ زید کے بعد زید کے ورثہ کو بھی منع کرنے کا حق ہوگا۔

۳۔ زید نے عمرو کو معاوضہ لے کر اشاعت کی اجازت دی یہ حق کی بیع ہے زید اس سے رجوع نہیں کرسکتا۔

۴۔ زید کا بلاعوض وتخصیص یہ کہنا کہ تم فلاں کتاب چھاپ سکتے ہو عام اجازت کی حد میں بھی آسکتا ہے۔یعنی دوسروں کے حق میں بھی

اجازت ہوسکتی ہے اور اگر خاص کر کے یا عوض لے کر اجازت دے تو دوسروں کے لئے اشاعت کی اجازت نہ ہوگی۔

۵۔ اگر زید کی طرف سے ممانعت کے باوجود کسی اور نے شائع کر دی تو زید کو حق ہوگا کہ اس سے اپنے نقصان کا معاوضہ لے لے یا اس مال کو اس طرح ضائع کر دیں کہ زید کے حق میں نقصان دہ نہ رہ سکے۔ اس کے نظائر فقہ کی ان جزئیات سے نکل سکتے ہیں جن جزئیات میں مالک اپنی ملک میں ایسے تصرف سے روکا گیا جو دوسروں کے حق میں نقصان دہ ہو جیسے اپنی دیوار میں سوراخ کرنا یا اپنے کھیت کو اس قدر سیراب کرنا کہ دوسروں کی زمین تک پانی پہنچے یا گرتا ہوا مکان کو منہدم یا مستحکم نہ کرنا یا لوہار کا اپنی دکان میں گرم لوہا اس طرح کوٹنا (پیٹنا) کہ قریب والوں کو جلنے کا خوف ہو یا اس کی مثل دوسری وجہ، لاضرر فی الاسلام۔ حق تالیف، حق طباعت اور حق ایجاد کی خرید وفروخت آئینی طور پر بھی درست قرار دی گئی ہے اور پوری دنیا میں اس نے ایک عام عرف کی حیثیت بھی اختیار کر لی ہے۔ ابوداود شریف کی ایک روایت سے اس کی اصل شرعی ثابت ہوتی ہے کہ جو مسلمان پہل کر کے جس چیز کو حاصل کر لے وہ اس کی ملکیت ہے۔ **من سبق الی ما لم یسبقه مسلم فهو له.**

(ابوداوٗد ص ۴۳۷ جلد دوم فی الخراج قبیل احیاء الموات، حقانیہ پشاور)

حقیقت یہ ہے کہ یہ حقوق شرعا مباح بھی ہیں قابل انتفاع بھی ہیں اور عرف میں بھی ان کی خرید وفروخت جاری ہے لہذا ان کی خرید وفروخت درست ہے۔۔۔۔۔ کتاب یا سامان کی ملکیت سے انسان کو اس شے میں ہر طرح کے استفادہ کی گنجائش ہے مگر اسی طرح کی دوسری اشیاء کی پیدائش اور اس کی نقل جو اصل بائع کیلئے مضر ہو جائز نہ ہوگی چنانچہ خاص شخص یا ادارہ کی مہر یا حکومت کے پوسٹل یا ریلوے ٹکٹ کی طباعت کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ یہ موجب ضرر ہے۔ اب یہ حق مال کے حکم میں ہو گیا مؤلف ومؤجد اور ناشر وصانع کیلئے اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی اور جو شخص استحقاق کے بغیر ایسا عمل کرے گا وہ دراصل ایک "حق مال" کا غاصب ہوگا اور چونکہ یہ غصب کی ایسی صورت ہے کہ یہاں غاصب کو اس کے غاصبانہ تصرف سے روکنا آسان نہیں اور ایسی صورت میں علاوہ دوسرے فقہاء کے خود فقہاء احناف بھی مال مغصوب سے انتفاع کو قابل ضمان قرار دیتے ہیں جیسا کہ اموال یتامی اور اوقاف کے غاصب کو ضامن قرار دیا گیا۔

(جامع الفصولین، ص ۱۳۲، ج ۱، الفصل الثالث عشر فی دعویٰ الوقف والشہادۃ علیہ، اسلامی کتب خانہ کراچی) (طحطاوی علی الدر ص ۵۵۳ جلد ۲)

اس لئے ایسے لوگوں پر ضمان عائد کرنا بھی درست ہوگا۔

(ماخوذ از، عطر ہدایہ، حق تصنیف محفوظ کرنے کا حکم ص ۳۴۳ مطبوعہ زمزم کراچی)

(جدید فقہی مسائل، حق تالیف وایجاد وحق طباعت ۳۲۲ ج ۲ پروگریسو بکس لاہور) الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں جب تک اصل مؤجد، مصنف، مؤلف اور صانع سے اس کی اشاعت کی اجازت نہ لی جائے (خواہ عوضاً ہو یا بلاعوض) اس وقت تک کسی اور کو اس کی نقل جائز نہ ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب ... ۲۱ جون ۲۰۰۶ء........ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

گانے اور فلموں کی وڈیو سی ڈیز اور کیسٹوں کی خرید وفروخت

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ گانوں ،فلموں کی وڈیو سی ڈیز، کیسٹ وغیرہ کی خرید وفروخت کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا اس کی کمائی حلال ہے؟ اور کیبل اور ڈش وغیرہ جو کہ زیادہ تر بے حیائی اور فحاشی کے پروگرام نشر کر رہا ہے،اس کی خرید وفروخت اور کیبل سپلائرز کا کام شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟ مستفتی: محمد عبداللہ کراچی

الجواب بعون الوهاب

پہلا مسئلہ یہ کہ گانوں ،فلموں وغیرہ کی وڈیو سی ڈیز، کیسٹ وغیرہ کی خرید وفروخت کا حکم تو یہ ہے کہ یہ قطعی حرام ہے کہ حرام چیز کی خرید وفروخت بالعموم حرام ہی ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کی کمائی بھی حرام ہی کے زمرے میں ہوگی ۔اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"ان الذین یحبون ان تشیع الفا حشة فی الذین امنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا و الاخرة"

(سورۃالنور پ۱۸ ،آیت،۱۹)

بیشک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں براچرچا (فحاشی) پھیلے ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں ۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں چونکہ گانوں ،فلموں وغیرہ کی سی ڈیز، کیسٹ وغیرہ بذات خود جو کہ فحش کام پر مبنی ہے لہذا ان کی خرید وفروخت حرام ہے ۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیبل اور ڈش وغیرہ جو بے حیائی اور فحاشی کے پروگرام نشر کرنے کا سبب ہیں تو ان کی خرید وفروخت مطلقا حرام نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے دینی امور پر مبنی پروگرامز کے علاوہ تفریحی ،تربیتی ،سائنسی موضوعات پر مبنی پروگرامز بھی مختلف چینلز پر نشر ہوتے ہیں ۔جس طرح ٹی وی کی خرید وفروخت نفس امر میں حرام نہیں کہ اس پر دینی پروگرامز بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور فحش بھی، لہذا ایسی چیزیں بذات خود تو حرام نہیں لیکن ان کا غلط استعمال ممنوع ہے ۔جس طرح پستول (pistol) حفاظت کے لئے بھی خریدی جا سکتی ہے اور کسی کو قتل کرنے یا ڈاکہ ڈالنے کے لئے بھی ،تو نفس امر میں اس کی خریداری حرام نہیں کیونکہ یہ چیز جائز وناجائز دونوں کاموں کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے،اسی طرح ٹی وی ،وی سی آر ،سی ڈیز اور کیسٹ پلیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ ہے ان کے ذریعے دینی امور وجائز علمی امور پر مبنی پروگرامز دیکھنا جائز ہے لیکن ان کے ذریعے فحاشی اور بے حیائی پر مبنی پروگرامز دیکھنا قطعا حرام ہیں لہذا حکم استعمال کرنے کی کیفیت پر موقوف ہے ۔اچھے جائز امور پر مبنی پروگرامز دیکھنا احسن ہے اور برے پروگرامز کا دیکھنا بہر حال گناہ کا موجب ہے ۔جہاں تک کیبل سپلائرز کی آمدنی کا تعلق ہے تو وہ مخلوط آمدنی ہے کہ اس cable کے ذریعے اچھے اور برے دونوں قسم کے پروگرامز نشر ہوتے ہیں ۔چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:

فمن اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه؛

(بخاری کتاب الایمان ص۱۳ جلد اول باب من استبرأ لدینہ،نور محمد کراچی)

جو شخص شبہات سے بچا اس نے یقیناً اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا۔

لہذا ایسے کاموں سے جو کہ حرام ہونے کے معاملے میں واضح نہ ہو اور ان کا حکم مشتبہ ہو تو ان سے بچنا ہی مناسب واولی ہے ۔اور واضح حلال

کام کو اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔ البتہ کیبل سپلائرز اور اس جیسے دوسرے کاموں میں مشغول افراد کو واضح حلال کام کی جستجو میں لگے رہنا چاہیئے اور جیسے ہی ان کو حلال کام میسر آئے اس مشتبہ اور مخلوط آمدنی والے کام کو چھوڑ دینا چاہیئے اور حلال ہی کو اختیار کرنا چاہیئے کہ اسی میں دین و آبرو کی حفاظت اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارے کا سامان ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۲جون ۲۰۰٦ء..........۱۵ جمادی الثانی ۱٤۲۷ھ

گائے وبکری کے دودھ کو آپس میں کمی وزیادتی کے ساتھ بیچنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام بابت اس مسئلہ کے کہ کیا گائے کا دودھ بکری کے دودھ کے بدلے میں کمی یا زیادتی کے ساتھ بیچا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن سنت کی روشنی میں وضاحت کردیجئے۔ المستفتی: محمد عمران کراچی

الجواب بعون الوھاب

احناف کے نزدیک علت ربا دو چیزیں ہیں۔ ایک قدر اور دوم جنس۔ بیع میں اگر دونوں وصف یعنی قدر اور جنس معدوم ہوں تو یہ بیع حلال ہے ،خواہ تفاضل کے ساتھ ہو یا بغیر تفاضل کے ادھار ہو یا نقد۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

واذا عدم الوصفان : الجنس و المعنی المضموم الیہ حل التفاضل و النساء لعدم العلۃالمحرمۃ.

(ہدایہ، باب الربو،ص۷۹ ج۳ کلام کمپنی کراچی)

اسی طرح گائے اور بکری کے دودھ میں بھی اختلاف جنس ہے، لہذا صورت مسئولہ میں ایک کا دودھ دوسرے کے دودھ کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

یجوز بیع اللحمان المختلفۃ بعضھما ببعض متفاضلا و مرادہ لحم الابل و البقر و الغنم ،فاما البقر و الجوامیس جنس واحد و کذاالمعز مع الضأن و کذا العراب مع البخاتی و کذلک البان البقر و الغنم.

(ہدایہ باب الربو ،ص۸۵ ج۳ کلام کمپنی کراچی)

واللہ أعلم باالصواب

۲ذوالحجہ ۱٤۲٦ھ.......۳ جنوری ۲۰۰٦ء

چھپکلی کو مارنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ وزغہ نامی کوئی جانور نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر آگ کو پھونک مار کر سلگانے کی کوشش کی تھی۔ اس جانور کو مارنے میں ثواب ہے۔ ہمارے عرف میں اس وزغۃ نامی جانور کا کیا نام ہے۔ تاکہ ہم اسے مار کر ثواب حاصل کرسکیں؟

المستفتی مولانا محمد فرید ضیاء کالونی کراچی

الجواب باسمه تعالی

وزغة نامی جانور (حیوان) کو مارنے کا آپ ﷺ نے امر فرمایا اور اس کو فاسق بھی فرمایا ہے۔ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے وزغہ کو پہلے وار سے مارنے والے کے لئے زیادہ نیکیوں اور دوسرے تیسرے وار سے مارنے والے کے لئے اس سے کم نیکیوں کی بشارت دی۔دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وزغہ کو مارنے کے لئے باقاعدہ گھر میں نیزہ رکھتی تھی اور پوچھنے پر فرماتی کہ یہ وزغہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر آگ بھڑکانے کے لئے پھونک مارتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس کو مارنے کا امر فرمایا۔امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن عائشة زوج النبی ﷺ ان رسول الله ﷺ قال للوزغ فویسق .

(بخاری ص ۲۴۷ جلد اول ابواب العمرة، باب ما یقتل المحرم من الدواب۔قدیمی کتب خانہ)

امام نسائی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن ام شریک قالت امرنی رسول الله ﷺ بقتل الوزغ.

(نسائی شریف ص ۳۲ جلد دوم۔کتاب مناسک الحج۔نور محمد کراچی)

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عـن ابی هریره عن رسول الله ﷺ قال من قتل وزغا فی اول ضربة فله کذا و کذا حسنة ومن قتلها فی الثـانیة فـله کذا و کذا ادنی من الاولیٰ ومن قتلها فی الضربة الثالثة فله کذ ا و کذا حسنة ادنی من الذی ذکر فی المرة الثانیة.

(ابن ماجہ ص ۲۴۰، ابواب الصید، باب قتل الوزغ، مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور)

عن نافع عن سائبة مولاة الفاکه بن المغیرة انهادخلت علی عائشة فرأت فی بیتها رمحا موضوعا فقالت یـاام الـمـؤمنین ماتصنعین بهذا قالت نقتل به هذه الاوزاغ فان نبی الله ﷺ اخبرنا ان ابراهیم لما القی فـی الـنـار لـم تـکـن فـی الارض دابة الا اطـفأت النار غیر الوزغ فانها کانت تنفخ علیه فامر رسول الله بقتله. (حواله مذکوره)

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وزغہ نامی حیوان کو قتل کرنے کا امر فرمایا جس کی کئی وجوہات احادیث میں بیان کی گئی۔

اب ہم وزغہ کی تحقیق کرتے ہیں کہ وزغہ کا مصداق کونسا حیوان ہے اور ہمارے عرف میں وزغہ کسے کہتے ہیں۔

۱) وزغۃ ج وزغ واوزاغ۔بڑی چھپکلی، (فیروز اللغات ص ۸۲۹)

۲) الوزغۃ۔ج وزغ واوزاغ۔چھپکلی،گرگٹ،(المعجم الاعظم،ص۳۱۱۰۔الجزء الخامس)

۳)الوزغۃ۔سام ابرص،للذکروالانثی اوالوزغۃ لانثی وللذکر الوزغ،ج،وزغ واوزاغ۔

(المعجم الوسط ص۱۰۲۹۔الجزء الثانی۔مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

۴) الوزغۃ،ج وزغ واوزاغ،چھپکلی،گرگٹ۔

(المعجم الاعظمی ص۲۴۴۸،جلد دوم اعظمیہ کراچی)

۵) الوزغۃ،چھپکلی۔ج وزغ واوزاغ۔

(مصباح اللغات ص۹۳۱۔ناشر مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی)

۶)شیخ محمد محدث تھانوی لکھتے ہیں:

"وقال ابن الاثیر وھی التی یقال لھا سام ابرص قلت ھذا ھو الصحیح وھی التی تکون فی الجدران والسقوف ولھا صوت تصیح بہ. (حاشیہ علی النسائی ص۳۲ جلد دوم نور محمد کراچی)

۷)الوزغ جمع وزغۃ بالحرکۃ وھی ما یقال لہ سام ابرص.

(انجاح الحاجۃ علی ابن ماجہ ص۲۴۰،ابواب الصید)

۸)وفی القاموس الوزغۃ محرکۃ سام ابرص سمیت بھا لخفتھا وسرعۃ حرکتھا انتھی قال العینی ھذا ھو الصحیح وھی التی تکون فی الجدران والسقوف ولھاصوت تصیح بہ.

(حاشیہ بخاری ص۲۴۷،جلد اول کتاب مناسک الحج،نور محمد کراچی)

مندرجہ بالا لغت کی کتابوں سے معلوم ہوا کہ وزغہ چھپکلی اور گرگٹ دونوں کو مستعمل ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:

"لغت عربی وفارسی وہندی کی عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں وزغہ اور فارسی میں چلپاسہ لفظ عام ہے دونوں قسم پر صادق آتا ہے یعنی گرگٹ اور چھپکلی دونوں پر۔

(امداد المفتین ص۲۲۹۔کتاب ما یتعلق بالحدیث والسنۃ۔مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

الحاصل یہ کہ وزغہ گرگٹ اور چھپکلی دونوں کو کہتے ہیں۔دونوں کو قتل کرنا اور مارنا جائز اور کار ثواب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

یکم جولائی ۲۰۰۶.............٤ جمادی الثانی ۱٤۲۷ھ

جانوروں کے چھوٹے بچوں کی خرید وفروخت اور ذبح کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ہاں دودھ کے لئے گائے بھینس رکھنے والے حضرات کے ہاں جب گائے بھینس بچہ دیتی

ہے تو وہ لوگ دودھ بچانے کے لئے اس کو یعنی بچوں کو قصائی حضرات پر فروخت کرتے ہیں اور پھر قصائی لوگ اس کو ذبح کر کے فروخت کرتے ہیں تو آیا یہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

مستفتی: غلام وہاب فرنٹیئر ۳ سیوڑی بابا کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

اگر گائے بھینس رکھنے والے دودھ فروش دودھ کو بچانے کے لئے بچھڑوں کو ذبح کر کے پھینک دیتے ہیں تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں حلال مال کو فضول ضائع کرنا ہے اور اگر بچھڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت اور چمڑا استعمال میں لاتے ہیں تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی قصائی کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اپنی ملکیت اور مال میں جائز تصرف جائز اور درست ہے۔ اس کے بعد اگر قصائی حضرات ان بچھڑوں کو ذبح کر کے گوشت فروخت کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ جس جانور کا گوشت کھانے کے قابل ہو تو ذبح کرنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن اگر ان بچھڑوں کے ذبح کرنے کی وجہ سے انقطاع نسل کا اندیشہ ہو تو پھر اس کام سے احتراز کرنا (بچنا) چاہیئے۔

واللہ اعلم بالصواب...٦ جولائی ٢٠٠٦..........٩ جمادی الثانی ١٤٢٧ھ

سر کے پیچھے سے بال نکال کر آگے کی طرف میں لگانا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے سر کے پیچھے کی طرف سے بال نکال کر آگے کی طرف لگانا چاہتا ہے ازروئے شریعت یہ اس کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ فقط۔ المستفتی قاری عبدالکمال سیوڑھی بابا فرنٹیئر کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کو اپنے بال نکال کر دوسری جگہ بغیر کسی شرعی عذر کے صرف اور صرف زیب و زینت کے لئے لگانا جائز نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک عورت آئی اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور اسے کوئی بیماری لگی جس کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے اور اس کا شوہر اس کے بالوں کو پسند کرتا ہے تو کیا میں اپنی بیٹی کے سر پر بال لگا سکتی ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسی عورت پر لعنت ہے جو عورتوں کو بال دینے والی اور دوسری عورتوں کے بالوں کو اپنے بالوں سے ملانے والی ہو۔

عن اسماء بنت ابی بکر ان امرأة جاءت الی رسول الله ﷺ فقالت انی انکحت ابنتی ثم اصابها شکوٰی فتمرق رأسها وزوجها یستَحِثُّنی بها افاصل راسها فسب رسول الله ﷺ الواصلة والمستوصلة.

(بخاری شریف ص ۸۷۹ جلد دوم، باب الوصل فی الشعر، نور محمد کراچی)

(مسلم شریف ص ۲۰۴ جلد دوم، باب تحریم فعل الواصلة، نور محمد کراچی)

مذکورہ حدیث کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں:

قالوا ان وصلت شعرها بشعر آدمی فهو حرام بلاخلاف سواء کان شعر رجل او امراة وسواء

شعر المحرم والزوج وغيرهما بلاخلاف لعموم الاحاديث. ولانه يحرم الانتفاع بشعر الآدمی وسائر اجزاءہ لکرامته بل یدفن شعرہ وظفرہ وسائر اجزاءہ.

(نووی شرح مسلم ص۲۰۴ جلد دوم)

علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے بالوں کے ساتھ کسی بھی انسان (خواہ مرد ہو یا عورت، محرم ہو یا زوج) کے بال لگائیں گے تو یہ احادیث کی عموم کی وجہ سے بالاتفاق حرام ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کے بال اور تمام اجزاء سے نفع لینا اس کی کرامت کی وجہ سے حرام ہے۔ بلکہ انسان کے بال، ناخن اور تمام اجزاء کو دفن کیا جائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الادمی حرام سواء کان شعرها او شعر غیرها.

(عالمگیری ص۳۵۸ ج۵، کتاب الکراہیۃ، الباب التاسع عشر، رشیدیہ کوئٹہ)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں بال نکال کر دوسری جگہ لگانا ناجائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ............۱۶ جون ۲۰۰۶ء

عیسائی اور شیعہ پڑوسی کے ساتھ تعلقات رکھنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک سرکاری ہسپتال کے مکانوں میں رہائش پذیر ہوں۔ اور میرے پڑوس میں میرے ساتھ کام کرنے والے ایک عیسائی اور ایک شیعہ فرقے سے تعلق رکھنے والی دو فیملیاں رہائش پذیر ہیں، محلّہ دار کی حیثیت سے اور ساتھ کام کرنے سے ہمارے تعلقات قریبی ہو گئے ہیں اور وہ ہمارے گھر آتے جاتے ہیں۔ اور کھانے بھی ایک دوسرے کے گھر بھیج دیتے ہیں۔ مجھے ایک اسلامی بھائی نے بتایا ہے کہ ان کے گھر کا کھانا حرام ہے۔ جب سے میں پریشان ہوں آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ محلّہ دار ہونے کی حیثیت سے میں ان کے گھر کا پکا ہوا کھانا استعمال کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اپنے گھر پر جو نیاز فاتحہ کرتا ہوں اس کا کھانا وغیرہ ان کے گھر بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟ اسلام میں ان سے روابط کہاں تک رکھنے کا حکم ہے؟ المستفتی: معرفت مولانا عبداللہ نورانی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کا تعلق دو افراد سے ہے جن میں ایک عیسائی اور دوسرا شیعہ ہے۔ عیسائی جو اہل کتاب ہے اور دین سماوی کے ماننے والا ہے اگرچہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہی کیوں نہ کہتا ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز ہے۔ اس طرح ان کے کھانوں کو بھی حلال بتایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وطَعَام الذین اوتو الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لهم والمحصنت من المُؤمنات والمحصنٰت من الذین اوتو الکتٰب من قبلکم. (سورة المائدہ: ۵)

ازروئے شریعت عیسائی کا کھانا اس وقت جائز ہے جب کہ حلال کھانا ہو، مردار گوشت یا خنزیر کا گوشت نہ ہو۔ اسی طرح دلی اور باطنی دوستی

کی بناء پر نہ ہو، اور نہ مستقل طور پر ان کی دعوتوں کا اہتمام ہو۔ ضرورت کی بناء پر اور کبھی کبھی یوں ہو جائے تو جائز ہے اسی طرح شیعہ حضرات سے بھی دوستی اور دلی تعلقات ناجائز ہیں، مگر اس شرط پر ان کی چیزیں کھا سکتے ہیں کہ حرام اور ناپاک نہ ہو۔

الحاصل یہ کہ شریعت نے مسلم اور غیر مسلم کے مابین جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں کہ غیر مسلموں سے دلی دوستی رکھنا، ان کی شکل، وضع اختیار کرنا اور ان کے اطوار وعادات کو اپنانا، لیکن اگر ان کے ہاتھ اور کھانا نجس نہیں ہیں تو ان کے ساتھ کھالینا بھی جائز ہے بلکہ شریعت نے تو مطلق انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم کا جھوٹا پانی بھی پاک بتایا ہے کہ اس کو مسلمان پی بھی پی سکتا ہے اور اس سے وضو اور غسل بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ تمام فقہاء کی عبارات سے معلوم ہے۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وسؤر الآدمی والفرس وما یؤکل لحمه طاهرٌ ....ولافرق بین الجنب والطاهر والحائض والنفساء والصغیر والکبیر والمسلم والکافر والذکر والانثی.

(البحر الرائق ص۲۲۲ ج۱، کتاب الطہارۃ، رشیدیہ کوئٹہ)

والله اعلم بالصواب

۱۰ مئی ۲۰۰۶ء

خلاف شرع کام کرنے والے نائی وغیرہ کو دکان کرایہ پر دینا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نائی (حجام) جو لوگوں کے بال انگریزی طرز پر بناتے ہیں اور لوگوں کی داڑھیاں منڈواتے ہیں اس کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسا ہی ایک نائی کسی کے مکان میں کرائے پر رہتا ہے تو آیا اس کا کرایہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر نائی کی آمدنی سے کرایہ ناجائز ہے تو آیا اس نائی کو اس مکان سے نکال دینا چاہیے یا نہیں؟ جبکہ اس نے مکان میں کافی خرچہ اس کی تعمیر وغیرہ پر کیا ہے۔ اس کا کیا ہوگا؟ المستفتی: معرفت پیر سید احمد علی شاہ صاحب سیفی کراچی

الجواب باسمهٖ تعالیٰ

چونکہ داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور تقریباً ستر احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم آیا ہے اس لیے داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ قریب من الواجب اور محققین کے نزدیک واجب ہے اور اس کی مخالفت کرنا حرام ہے۔ اور ہر حرام کی آمدنی بھی حرام ہے۔

مفتی وقار الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

داڑھی مونڈنا حرام ہے یہ کام کرنا بھی حرام ہے، کسی سے کروانا بھی حرام اور اس کی اجرت بھی حرام ہے۔ (وقار الفتاویٰ ص۲۵۹ ج اول)

مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی لکھتے ہیں:

داڑھی منڈوانا حرام ہے اور صرف داڑھی مونڈنے کی اجرت بھی حرام ہے۔

(عطر ہدایہ ص ۲۶۱، باب استیجار علی المعصیۃ، زمزم پبلشرز)

دار العلوم حقانیہ نوشہرہ کے مفتیان کرام نے صورت مسئولہ پر بہترین تحقیق فرماتے ہوئے لکھا:

حجامت کا پیشہ ایک ضروری عمل ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن اس میں شرعی حدود وقیود کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، اگر اس میں خلاف شرع عمل کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اس کام (حجامت وغیرہ) کے لیے دکان یا مکان کرایہ پر دینا بھی تعاون علی المعصیۃ ہے جو بنص قرآنی حرام ہے۔ لہذا خلاف شرع حجامت بنانے والے نائی (حجام) کو مکان یا دکان کرایہ پر دینا صحیح نہیں اور نہ اس کی آمدنی درست ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ص ۲۷۷، جلد ششم)

الحاصل یہ کہ تمام مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ اس دور کے خلاف شرع عمل کرنے والے نائیوں کی آمدنی حرام ہے اور ان کو مکان یا دکان کرائے پر دینا گناہ پر تعاون ہے جو حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان. (المائدہ ۲)

صورت مسئولہ میں نائی کو دکان یا مکان سے نکال دینا چاہیئے کیونکہ اس کی آمدنی حرام ہے اور حرام لینا کرایہ میں بھی جائز نہیں ہے۔ اب اگر اس نائی نے مالک مکان کی اجازت سے اس مکان میں کچھ پیسے خرچ کئے تو وہ اپنے روپیہ مالک مکان سے طلب کرے۔ اور اگر مالک مکان نے کام کرنے سے منع کیا تھا اور اس نائی نے پھر بھی مکان میں خرچہ کیا تو اب وہ اس کو طلب نہیں کرسکتا۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۰ اپریل ۲۰۰٦ .... ۲ ربیع الثانی ۱٤۲۷ھ

جی پی فنڈ کی شرعی حیثیت

میں محمد ندیم ایک سرکاری ملازم ہوں (تقریباً ۲۳ سال سے) میں جی پی فنڈ کا ممبر ہوں، جو ماہانہ ہماری تنخواہ سے کاٹ لیا جاتا ہے۔ جس کا ریٹ مختلف ہوتا ہے۔ طریقہ کار کچھ یوں ہے کہ جولائی سے جون کا سال لگتا ہے، اب اگر ہماری تنخواہ سے جولائی کے مہینے میں ۱۰۰ روپے کٹے تو اس طرح جون تک ۱۲۰۰ (بارہ سو) روپے اس مد یعنی جی پی فنڈ میں کٹے۔ اب ہمارا ادارہ اس ۱۲۰۰ روپے پر جو بھی شرح مقرر کی گئی اس کے حساب سے منافع شامل کرتا ہے۔ مثلاً ۱۲۰۰ روپے پر سالانہ ۱٦۸ روپے منافع دیتا ہے، یعنی سال کے اختتام پر اور نئے سال کے شروع ہونے پر ہمارا جی پی فنڈ کا بیلنس ۱۳٦۸ روپے ہوا، اب اس ۱۳٦۸ روپوں پر آنے والے سال کے بھی ۱۰۰ روپے مہینہ کے حساب سے ۱۲۰۰ روپے جمع ہوئے یہ کل ہوئے ۲۵٦۸ روپے۔ اب اس ہمیں پھر منافع دیا گیا سولہ فیصد کے حساب سے، وہ بنے ۳۵۹ روپے، اس طرح یہ رقم ہوئی ۲۹۲۷ روپے۔ اس طرح ہمیں پوری سروس مختلف شرح سے ہمارے بیلنس میں اضافہ ہوتا رہا۔ آیا یہ رقم جو اصل کے علاوہ ہمیں دی جارہی ہے، وہ ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لئے آپ سے فتویٰ چاہیئے۔ عین نوازش ہوگی۔ جی پی فنڈ سے مراد (اس

کے ساتھ ایک شیٹ منسلک ہے)۔ سائل: محمد ندیم کراچی

الجواب باسمه تعالی

صورت مسئولہ میں آپ کو مذکورہ منافع لینا جائز ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

علماء کا خیال ہے کہ یہ سود نہیں ہے بلکہ حکومت کی طرف سے ایک طرح کا انعام ہے اس لئے اس کا لینا جائز ہوگا۔

(جدید فقہی مسائل ص ۲۵۰ جلد اول)

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی پراویڈنٹ فنڈ کے بارے میں لکھتے ہیں:

پراویڈنٹ فنڈ اور اس پر جو سود (منافع۔راقم) ملتا ہے، لینا اور اپنے صرف میں لانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ حقیقتاً سود کے حکم میں نہیں ہے۔

(کفایت المفتی ص ۹۳ جلد ہشتم)

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی بریلوی رقمطراز ہیں:

پراویڈنٹ فنڈ (PROVIDENT FUND) وہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کر لی جاتی ہے اور ملازمت کے خاتمہ پر اسے واپس ملتی ہے، یہ گورمنٹی محکموں میں ہوتا ہے۔ ملازمت کے خاتمہ پر یہ رقم اضافہ کے ساتھ گورنمنٹ سود کہہ کر دیتی ہے لیکن چونکہ سود کا تحقق اموال محذورہ میں ہوتا ہے اور گورنمنٹ کی یہ اضافی رقم مال محذورہ نہیں لہذا یہ حقیقتاً سود نہیں اس لئے مال مباح سمجھ کر اسے لینا جائز اور حلال ہے۔

(برحاشیہ فتاوٰی امجدیہ، ص ۲۲۵، جلد سوم)

الحاصل یہ کہ مذکورہ فنڈ اور اس پر منافع لینا جائز ہے۔

واللہ أعلم باالصواب .

۱۸ جنوری ٢٠٠٦ء.........۱۷ ذی الحجہ ١٤٢٦ھ

بغیر تکبر کے بڑی بڑی مونچھیں رکھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام شرح اس مسئلہ کے کہ زید کی مونچھیں عام حالت سے کچھ زیادہ ہیں لیکن کھاتے پیتے وقت کھانے پینے کی اشیاء سے نہیں ٹکراتی اور نہ ہی تکبر کی نیت ہے۔ اس صورت میں زید کا بڑی مونچھیں رکھنا کیسا ہے؟ مستفتی: محمد علی بدر کراچی

الجواب بعون الوھاب

زید کا اتنی بڑی مونچھیں رکھنا کہ جن کو چالیس دن کے اندر اندر نہ کاٹا گیا ہو از روئے حدیث منع ہے۔ جیسا کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ:

وقت لنا رسول الله ﷺ فی قص الشارب وتقليم الاظفار وحلق العانة ونتف الابط أن لا نترک اکثر من اربعين يومًا.

(جامع الترمذی،ص۱۰۰ جلددوم باب ماجاء فی توقیت تقلیم الاظفار،مجتبائی پاکستان)

زیادہ بڑی مونچھیں رکھنا مشرکین اور مجوسیوں کا طریقہ کار ہے اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے طریقہ کار کی مخالفت کا حکم دیا، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"خالفوا المشرکین ،وفرو اللحیٰ واحفوا الشوارب"

(صحیح البخاری،ص۸۷۵ ج۲،باب تقلیم الاظفار،نور محمد کراچی)

جبکہ ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

جزوا الشوارب وأر خوا اللحی خالفوا المجوس. (صحیح مسلم،ص۱۲۹)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مونچھوں کو کاٹ کر کم کیا جائے حتی کہ وہ بھنوؤں کی طرح ہو جائیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

مونچھوں کو کاٹ کرا تنا کم کرنا کہ وہ اوپر والے ہونٹ کے کنارے کے برابر ہو جائیں بالا جماع سنت ہے۔

(بحوالہ شرح صحیح مسلم،علامہ غلام رسول سعیدی صفحہ ۹۲۳۔جلد اول)

واللہ اعلم بالصواب

تعلیم ، بیماری، تجارت اور نعت خوانی میں عورت کی آواز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلے میں کہ "عورت کی آواز بھی عورت ہے" کیا یہ قاعدہ مطلق ہے یا مقید؟ کیا استاد و شاگرد دینی ہوں یا دنیوی، اسی طرح مستفتیہ اور مفتی، تجارتی معاملات مثلاً بیع و شراء، اسی طرح نعت و تقاریر کی محافل خواتین کی اس سے مستثنیٰ ہیں یا ان پر کوئی وعید ہے؟ برائے کرم شرعی و مدلل جواب دے کر لاکھوں لوگوں کی اصلاح فرمائیں۔

حامد علی علیمی کراچی

الجواب باسمہ تعالی

"عورت کی آواز بھی عورت ہے" اس لئے اجنبی آدمی کو بلاضرورت شرعی اپنی آواز نہیں سنا سکتی ہے۔ضرورت شرعی کا مطلب یہ ہے کہ شہادت وغیرہ میں اپنی آواز سنا سکے گی اسی طرح شاگرد لڑکی اپنے دینی یا دنیوی استاد سے یا مستفتیہ کسی شرعی مسئلے کی وضاحت کے لئے کسی مفتی صاحب سے یا ضروت کی بناء پر بیع و شراء (خرید وفروخت) کرنا چاہے تو یہ مذکورہ امور اگر پردے میں رہ کر پورے کریں تو جائز ہے کیونکہ یہ ضرورت شرعی میں داخل ہیں۔ بلکہ ضرورت کے تحت تو اجنبی عورت اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی دکھا سکتی ہے۔جیسا کہ کسی مقدمے

میں گواہی دینا ہو، اسی طرح آپریشن اور علاج کے لئے اگر لیڈی ڈاکٹر نہ ہو تو مرد ڈاکٹر سے باقاعدہ علاج اور آپریشن بھی جائز ہے۔امام ابوالبرکات لکھتے ہیں:

ولا ينظر من اشتهى الى وجهها الا الحاكم والشاهد وينظر الطبيب الى موضع مرضها.

(کنزالدقائق ص ۴۲۴ کتاب الکراہیۃ فصل فی النظر واللمس، مطبوعہ قدیمی کراچی)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

لان المرأة لا بد لها من الخروج للمعاملة مع الاجانب فلا بد لها من ابداء الوجه لتعرف ...... ولا بد من ابداء الكف للاخذو العطاء .... والاصل انه لايجوز ان ينظر الى وجه الاجنبية بشهوة لما روينا الاللضرورة.

(البحرالرائق ص ۳۵۱،۳۵۲ جلد ۸، کتاب الکراہیۃ فصل فی النظر واللمس۔مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

لیکن عورتوں کی ایسی محافل جن میں وہ تقریر یا نعت خوانی کرتیں ہیں اور ان کی آواز غیر محرم افراد سنتے ہیں تو یہ محفلیں جائز نہیں، ہاں اگر بہت بڑا مکان ہو اور اس میں عورتیں تقریر یا نعت خوانی کریں اور ان کی آواز باہر نہ جائے تو پھر جائز ہے اور مائیک سے پڑھنا اور آواز باہر کے لوگوں کو سنانا جائز نہیں ہے۔

والله اعلم بالصواب.

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱٤۲٦ھ.......... ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

سیاہ خضاب لگانے کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کیا مرد وعورت کے لئے سیاہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی سیاہ خضاب لگائے تو کیا اس کا وضو اور غسل ہو جائے گا یا نہیں؟ برائے کرم تفصیلا جواب عنایت فرمائیں۔

الجوب بعون الوهاب

صورت مسئولہ میں مرد وعورت کے لئے سیاہ خضاب صرف اور صرف جہاد کی صورت میں دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے جائز ہے جہاد کے علاوہ بالاتفاق مکروہ ہے۔اگرچہ بعض علماء نے اس کو جائز بھی کہا ہے لیکن ان کے اقوال اس صریح حدیث کے مقابلے میں کمزور ہیں جس میں سیاہ خضاب لگانے پر وعیدیں آئی ہیں۔جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن جابر بن عبدالله رضى الله عنه قال أتى بابى قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضا فقال رسول الله ﷺ غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد.

(ابوداود کتاب الترجل ص ۵۷۸ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

ویکرہ بالسواد۔ (الدرالمختار ص۴۲۲ ج۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

(ویکرہ بالسواد)ای لغیر الحرب قال فی الذخیرۃ اما الخضاب بالسواد للغزولیکون اھیب فی عین العدو فھو محمودبالاتفاق وان لیزن نفسہ للنساء فمکروہ وعلیہ عامۃ المشائخ.

(شامی، ص۴۲۲ ج۶، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

چونکہ بالوں پرخضاب لگانے سے کوئی تہہ نہیں بنتی اس لئے رنگ کی موجودگی میں وضواورغسل پرکوئی فرق نہیں پڑ تا یعنی وضواورغسل ہوجائے گا جیسا کہ رنگریز کے ہاتھوں پرکپڑے کورنگ دیتے وقت رنگ کا لگ جانا مانع وضواورغسل نہیں ہے۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

ولایمنع ما علی ظفر صباغ ولاطعام بین اسنانہ او فی سنہ المجوف بہ یفتی وھو الاصح.

(الدرالمختار ص۱۵۴ ج۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

ولا ما علی ظفرالصباغ من صبغ للضرورۃ وعلیہ الفتویٰ۔

(مراقی الفلاح ص۶۳ تمام احکام الوضوء۔مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

واللہ اعلم بالصواب

الکحل ملے پرفیوم واسپرے کا استعمال

پرفیوم اوراسپرے وغیرہ کا کیاحکم ہے؟ جن کپڑوں پر پرفیوم وغیرہ لگا ہوتو ان کپڑوں میں نماز کا کیاحکم ہے؟ ایسے کپڑوں، اسپرےاور پرفیوم وغیرہ کا استعمال عام حالات (نماز کےعلاوہ) کیسا ہے؟ مستفتی:عبدالقدوس کراچی

الجواب بعون الوھاب

آج کل جو پرفیوم اوراسپرے وغیرہ بازار میں دستیاب ہیں ان میں الکحل Alcohol کی قلیل مقدار ملی ہوئی ہوتی ہے،اس لئے پہلے ہم الکحل کی قلیل مقدار کے استعمال کاحکم جان لیں پھراس مسئلہ کو بیان کیاجائے گا۔

الکحل کی شرعی حیثیت:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

الکحل کھجوراورانگور سےنہیں بنائی جاتی بلکہ شہد،شیرہ،مختلف دانے، جو،اناس،گندم،ادرک کی جڑ اور دیگرنشاستہ دار اشیاء سے بنائی جاتی ہے۔ جب کہ خمر کے لئے صرف انگور سے بنایا جانا کافی نہیں بلکہ انگور کا کچا شیرہ جو پڑے رہنے سے جھاگ چھوڑ دے وہ خمر کہلاتا ہے اس لئے الکحل پرخمر کی تعریف صادق نہیں آتی اورامام اعظم اورامام ابویوسف (رحمہما اللہ) کےنزدیک خمر کےعلاوہ دیگرشرابوں کی قلیل مقدار

جونشہ آور نہ ہو وہ جائز ہے۔لہذا الکحل کی وہ مقدار جو حد نشہ تک نہ پہنچے وہ جائز ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ قلیل اور غیر نشہ آور مقدار میں الکحل اور اسپرٹ کا استعمال جائز ہے سینٹ لگانا جائز ہے جن کپڑوں پر پرفیوم یا سینٹ وغیرہ لگے ہوئے ہوانہیں پاک ہی متصور کیا جائے گا لہذا ایسے کپڑوں کا عام حالات میں بھی اور نماز کی حالت میں بھی پہننا جائز ہے اور ایسی نمازوں میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(شرح صحیح مسلم جلد۴ص ۳۲۲۔۳۲۳)

اگر چہ فقیہ عصر نے اقوال ائمہ احناف کے حوالے سے الکحل (alcohal) کے جواز کا فتویٰ دیا ہے،لیکن پھر بھی پرفیوم اور سینٹ وغیرہ کا استعمال نہ کرنا بہتر واولی ہوگا۔چونکہ خوبصورت ودلکش عطریات جب موجود ہیں تو الکحل وغیرہ کے استعمال کو ترک کرنا کوئی مضر نہیں۔اور پھر ایسی چیز جس میں اختلاف بین الفقہاء ہو اور دل میں شکوک وشبہات بھی پیدا ہوں تو بہتر یہ ہے کے انہیں استعمال نہ کیا جائے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"دع مایر یبک الی مالا یر یبک"

(ترمذی۔حدیث:۲۵۱۸)

جو چیزیں تمہیں شک میں مبتلا کریں انہیں چھوڑ کر وہ عمل اختیار کرو جو شکوک وشبہات سے پاک ہو۔

جب غیر مشکوک دلنشین عطریات موجود ہیں تو مشکوک پرفیوم وسینٹ کا استعمال نہ کرنا ہی اولی ہے تاہم ان کے جواز کا فتویٰ اپنی جگہ برقرار ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

١٦ مارچ ٢٠٠٦ء...........١٥ صفر ١٤٢٧ھ

کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام بیچ اس مسئلے کے کہ آج کل پلاسٹک منی یا کریڈٹ کارڈ کا استعمال کرنا کیسا ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی:محمد عمران جھنگوی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

کریڈٹ کارڈ کا استعمال مطلق حرام ہے کیونکہ یہ سودی کاروبار کا ایک جز ہے اور اس سودی کاروبار کو ترقی دینے کا ذریعہ ہے اور اس کو مطلق حرام قرار دینے کے اسباب درج ذیل ہیں،

(۱) آج کل کریڈٹ کارڈ کے ذریعے لوگ بینک سے قرضہ لے سکتے ہیں اور بینک اس قرضہ کے دینے کے وقت ہی ۳ فیصد رقم اس پر کاٹ لیتا ہے۔مثلاً اگر آپ نے ۵۰۰۰۰

ہزار روپے قرضہ لیا تو بینک آپ کو 48500 روپے ادا کرے گا جبکہ آپ نے پورا 50000 واپس کرنا ہے وہ بھی چالیس دن کے اندر۔ اگر آپ چالیس دن کے اندر یہ کام نہ کرسکے تو اس رقم پر سود لگنا شروع ہو جائے گا۔

(۲) آج کل اکثر Transactions (لین دین) جو کہ کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ ہوتی ہیں ان پر دکان والے ۲ فیصد، کہیں ڈھائی فیصد اور کہیں ۳ فیصد رقم اضافی لیتے ہیں یہ بھی ایک استحصالی صورت حال ہے۔ اور اگر آپ نے 40 دن کے اندر یہ رقم واپس نہ کی تو اس پر بھی سود لگنا شروع ہو جائے گا۔

(۳) کریڈٹ کارڈ لے کر اکثر لوگ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اور جب بل آتا ہے سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر سود در سود کے چنگل میں پھنستے چلے جاتے ہیں، مثلاً اگر کسی شخص کی تنخواہ 15000 ہزار روپے ہے تو بینک اسے 60000 ہزار یا ایک لاکھ تک کی ویلیو کا کریڈٹ کارڈ جاری کرتا ہے۔ اب اس نے اس کارڈ سے 50000 کی خریداری اگر کرلی تو ظاہری بات ہے کہ یہ 40 دن میں یہ رقم واپس نہیں کرسکتا لہذا یہ اس کی قسطیں کروائے گا اور سود دیتا رہے گا۔ اور کریڈٹ کارڈ بھی ایک طرح سے قرض ہی دیتا ہے خریداری کے لئے اور اس پر نفع لیتا ہے تو یہ ربوٰ کی تعریف میں ہی آتا ہے جیسا کہ اصول ہے:

کل دین جَرّ به نَفْعاً فَهُو رِبوا: (بحوالہ وقار الفتاوی: ص۳۰۶ ج۳)

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"أحل الله البيع وحرم الرّبوٰا" (البقرہ ۲۷۵)

"یاا یها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الرّبوٰا" (البقرہ ۲۷۸)

الحاصل یہ کہ پلاسٹک منی یعنی کریڈٹ کارڈ کو استعمال کرنا ایک طرح سودی کاروبار کو فروغ دینے کے مترادف ہے اور اگر کسی نے یہ چیز لے لی ہے تو اسے اس چیز سے جان چھڑا لینی چاہئے کیونکہ قرآن مجید میں سود کو مطلق حرام قرار دیا گیا ہے اور مذکورہ آخری آیت میں اللہ نے اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا ہے اور بقیہ سود لینے سے منع کر دیا ہے۔ جب سود لینے سے اپنے مال پر منع کر دیا ہے تو سود دینا کہاں سے جائز ہے۔ لہذا اس چیز سے جان چھڑا لی جائے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب ....۱۸ مئی ۲۰۰۶ء

محافل میلاد وغیرہ میں مووی بنانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ مووی بنانا اور بنوانا کیسا ہے؟ بہت سے علمائے کرام سے اس کے بارے میں سنا تھا کہ یہ ناجائز ہے لیکن اس وقت کثیر تعداد میں علماء ٹی وی پر آتے ہیں۔ یا اپنے جلسوں، محفلوں، نعت خوانیوں کی مووی بنواتے ہیں اور یہ موویز بازار میں عام ملتی ہیں؟ المستفتی: حامد علی علیمی کراچی

الجواب بتوفیق العلام الوهاب

ٹی وی، ویڈیو کے مسئلے میں علمائے کرام کی آراء میں اختلاف ہے چنانچہ بعض نے اسے تصویر پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے اور

بعض نے تصویر نہ ہونے اور اسے آئینہ کے عکس کی مثل قرار دیتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ کہ جیسے آئینہ میں نظر آنے والا عکس تصویر کے حکم میں نہیں بلکہ وہاں اصلاً تصویر ہی نہیں تو یہاں بھی یہی حکم ہے چنانچہ ٹی وی اسکرین پر شعاعوں سے بننے والے عکس پر تصویر کا حکم دیا جانا غلط ہے۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والا عکس تصویر ہی ہے تو از روئے قیاس اس پر حکم حرمت ہی ہوگا اور اگر اس کے برعکس تصویر ثابت نہ ہو تو صرف جائز امور کی فلم جائز ہوگی۔

اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

سئلت عمن صلی وامامه مراٰة فاجبت بالجواز اخذا مما ههنا اذ المرآة لم تعبد ولا الشبح المنطبع فيها ولا هو من صنيع الكفار نعم ان كان بحيث يبدوله فيه صورته وافعاله ركوعا وسجودا وقياما وقعودا وظن ان ذلک يشغله فاذن لا ينبغی قطعا . (جدالممتار ص ۳۱۱، ۳۱۲، جلد ۱، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی)

مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے آئینے کے سامنے نماز پڑھی تو میں نے یہاں بیان کردہ (شرح منیہ کے) قول سے اخذ کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ نہ تو آئینے کی عبادت کی جاتی ہے اور نہ اس میں کوئی صورت چھپی ہوتی ہے۔ اور نہ یہ کفار کی مصنوعات (یعنی کفار کے شعائر) سے ہے ہاں اگر نماز پڑھنے کے دوران اسے اپنی حرکات مثل رکوع و سجود و قیام و قعود نظر آتی ہو اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اسے نماز سے مشغول اور غافل کر دیں گے تو اسے آئینے کے سامنے ہرگز نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

اسی طرح جب مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اسی قسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت نہیں ہے کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینے کا رکھنا بھی مثل تصویر ناجائز ہو جائے، حالانکہ بالاجماع جائز ہے۔ اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صقالت کی وجہ سے لوٹ کر چہرے پر آتے ہیں گویا یہ شخص اپنے آپ کو دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اس کی صورت چھپتی ہے"۔ (فتاویٰ امجدیہ، ص ۱۸۴، ج ۱، مکتبہ رضویہ کراچی)

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے یہ بالکل واضح ہے کہ شعاعوں سے بننے والے عکوس تصویر نہیں ہیں لہٰذا ٹی وی اور ویڈیو فلم کا استعمال جائز امور کے لئے جائز ہوا کہ ان میں نظر آنے والے پیکر بھی شعاعوں ہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ موبائل فون پر وڈیو فلم اور تصویر کا بھی یہی حکم ہے یعنی جائز امور کی وڈیو فلم اور تصویر کا استعمال جائز ہے کہ اس میں شعاعوں سے بننے والے عکس تصویر نہیں ہیں۔

مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ کے فتویٰ سے مندرجہ ذیل امور خصوصاً ظاہر ہے۔

۱۔ آئینے میں نظر آنے والا عکس تصویر کے حکم میں نہیں بلکہ وہاں اصلاً تصویر ہی نہیں۔

۲۔ شعاعوں سے بننے والے پیکر کا نام تصویر نہیں ہے بلکہ عکس ہے۔اگرچہ وہ ظاہری طور پر تصویر کے مثل ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ جب شعاعوں سے بننے والا پیکر تصویر نہیں تو خواہ آئینے میں ایسا پیکر بنے یا خارج آئینہ کسی اور چیز پر وہ تصویر نہیں کیونکہ آئینے میں بننے والے پیکر سے تصویر کی نفی آئینہ کی وجہ سے نہیں بلکہ شعاع ہونے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ پانی پر اور چمکدار شے مثلاً اسٹیل اور پالش کئے ہوئے فرش پر بننے والے واضح عکس کو نہ تو تصویر سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی اس پر تصویر کا اطلاق کر کے اسے حرام کہا جاتا ہے بلکہ اسے آئینے کے عکس کے مثل سمجھا جاتا ہے۔

دور حاضر میں ویڈیو کا مسئلہ اتنا عام ہو چکا ہے کہ اگر کسی بڑے اسٹور میں سامان خریدنے کے لئے جانا پڑے تو ویڈیو کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اسی طرح تقریباً ہر حساس جگہ پر حفاظت کے پیش نظر وڈیو کیمرے نصب کئے جاتے ہیں اور آنے جانے والے کو کئی زاویوں سے دیکھنے کے لیے ایک سے زائد ویڈیو کیمرے نصب کئے جاتے ہیں۔سرکاری تنصیبات پر خصوصی انتظام کیا جاتا ہے یونہی ہوائی جہاز سے سفر کیا جائے تو ہوائی اڈے میں داخل ہونے سے لے کر ہوائی جہاز میں بیٹھنے تک اور اسی طرح جہاز میں بیٹھنے کے بعد سے ہوائی جہاز سے اترنے تک بلکہ اس کے بعد بھی ائر پورٹ سے نکلنے تک مسلسل وڈیو کیمرے چلتے رہتے ہیں اور آدمی کی وڈیو فلم بنتی رہتی ہے یونہی زیارت حرمین شریفین کے لئے مسجدین کریمین میں داخل ہونے کے بعد سے نکلنے تک مسلسل کیمرے کے ذریعے سے کئی اطراف سے نگاہوں میں رکھا جاتا ہے۔

آج کل کفار بد اطوار اسلحے کی جنگ کے ساتھ ساتھ ٹی وی اور وڈیو کے ذریعہ سے مسلمانوں کے گھروں میں پہنچ کر اسلام کے خلاف زہر اگل رہے ہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اپنے باطل دلائل کے ذریعے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بے عیب شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں یونہی تمام اقسام کے گمراہ مذاہب نے ٹی وی اور وڈیو کو اپنے عقائد باطلہ کی ترویج کا ذریعہ بنالیا ہے جس کا جو دل چاہے بکتا ہے ٹی وی اور وڈیو معاشرے کے افراد کے لئے تفریح کا سامان بھی ہے اور حصول معلومات کا عمومی ذریعہ بھی ہے یہ حقیقت ہے کہ لوگ جو کچھ ٹی وی پر دیکھتے ہیں اچھا یا برا اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اسے اپنا لیتے ہیں اور تہذیب کا حصہ سمجھنے لگتے ہیں کتب فقہ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے راجح اقوال کو چھوڑ کر مرجوح پر بھی فتوئے دیئے جیسا کہ تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا فتویٰ قرآن کے ضیاع کے خوف سے اور دیہاتوں میں اجرت پر وعظ کرنے کے جواز کا فتویٰ لوگوں کی حاجت اور دیہاتیوں کی جہالت کی وجہ سے،

(رسائل ابن عابدین ج اصفحہ سہیل اکیڈمی لاہور)

الحاصل یہ کہ ٹی وی اور وڈیو فلم کے جواز کا حکم صرف اور صرف جائز وحلال پروگراموں کے بارے میں ہے جیسے علمائے اہلسنت کے بیانات تلاوت قرآن اور نعت کی مووی، اور شادی کے موقع پر جو عورتوں کی بے پردہ موویاں یونہی فلموں ڈراموں گانوں باجوں کی موویاں بنائی جاتی ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں، اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے

واللہ اعلم بالصواب

۱۱ مارچ ۲۰۰۶ء.......... ۱۰ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

مرد کے لئے کون سی اور کتنی مقدار کی انگوٹھی جائز ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مرد کے لئے کون سی انگوٹھی اور کتنی مقدار میں پہننا جائز ہے؟ اور اگر کسی شخص نے نماز میں ایک سے زائد انگوٹھیاں پہنی ہوں تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ المستفتی محمد سعید عباسی کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

چونکہ سوال میں صرف مرد ہی کے انگوٹھی پہننے کا حکم پوچھا گیا ہے اس لئے ہم ذرا وضاحت کر دیتے ہیں۔ سونے کا استعمال صرف عورتوں کے لئے جائز ہے مردوں کے لئے نہیں کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے ایک دن ریشم کو دائیں ہاتھ میں اور سونے کو بائیں ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔

ان نبی اللہ ﷺ اخذ حریرا فجعله فی یمینه و اخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذین حرام علی ذکور امتی.

(ابوداؤد شریف ص ۵۶۱، کتاب اللباس، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ)

چاندی کی انگوٹھی مردوں کیلئے جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ کی پوری انگوٹھی چاندی کی تھی۔

کان خاتم النبی من فضة کله فصه منه

(ابوداؤد شریف ۵۷۹، کتاب اللباس، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ)

عورتوں کے لئے سونے اور چاندی اور مردوں کیلئے صرف چاندی کے علاوہ دیگر دھات مثلاً لوہے پیتل وغیرہ کی انگوٹھی مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے جس کی پیتل کی انگوٹھی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں تو اس نے انگوٹھی گرادی وہ دوسری مرتبہ پھر آئے اور اس کی لوہے کی انگوٹھی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھ پر دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں تو اس نے انگوٹھی گرادی الخ۔

ان رجلا جاء الی النبی ﷺ وعلیه خاتم من شبه فقال له مالی اجد منک ریح الاصنام فطرحه ثم جاء وعلیه خاتم من حدید فقال مالی اری علیک حلة اهل النار فطرحه.

(ابوداؤد شریف ص ۵۸۰ کتاب الخاتم، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ)

علامہ شامی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ سونے، پیتل اور لوہے کی انگوٹھی حرام ہے جوھرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لوہے، پیتل، تانبے اور سیسے کی انگوٹھی مردوزن کے لئے مکروہ ہے۔ الحاصل یہ کہ مردوں کے لئے ازروئے حدیث چاندی حلال ہے اور سونا، لوہا اور پیتل حرام ہے۔

فعلم ان التختم بالذهب والحدید والصفر حرام الی قوله والتختم بالحدید والصفر والنحاس

والـرصـاص مـكـروه للرجال والنساء .... فالحاصل ان التختم بالفضة حلال للرجال بالحديث و بالذهب والحديد والصفر حرام عليهم .

(شامی ص ۳۰۹، جلد سادس، فصل فی اللبس، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

ویکـره لـلـرجـال التـختـم بـمـا سـوی الفضة ،والتختم بالذهب حرام وفی الخجندی التختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروه للرجال و النساء جمیعا .

(عالمگیری ص ۳۳۵، جلد خامس، باب الکراہیۃ مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

عورتوں کے لئے سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا درست نہیں۔

مذکورہ حرام اشیاء کے ساتھ نماز پڑھنے کے بارے میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

چونکہ وہ دونوں نجس نہیں ہیں اس لئے نماز ہوگئی۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۴۷ جلد رابع)

الحاصل یہ کہ مردوں اور عورتوں کے لئے جو چیزیں حرام ہیں وہ ہر حالت میں حرام ہیں خاص کر نماز کے وقت اس سے بچنا چاہئے کہ عبادت میں بھی حرام کا مرتکب ہونا ہے جو قرب ورضا سے محرومی ہے لیکن چونکہ مذکورہ مکروہ اور ناجائز اشیاء نجس نہیں اس لئے نماز کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

حکیم ابوالعلا محمد امجد علی صاحب لکھتے ہیں:

انگوٹھی صرف چاندی ہی کی پہنی جاسکتی ہے دوسری دھات کی انگوٹھی پہننا حرام ہے مثلاً لوہا، پیتل، تانبا اور جست وغیرہا ان دھاتوں کی انگوٹھیاں مرد وعورت دونوں کے لئے ناجائز ہیں فرق اتنا ہے کہ عورت سونا بھی پہن سکتی ہے اور مرد نہیں پہن سکتا ۔حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں پیتل کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا فرمایا کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آئی ہے انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی پھر دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا فرمایا کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں انہوں نے اس کو بھی اتار دیا۔اور عرض کی یارسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں فرمایا کہ چاندی کی اور اس کو ایک مثقال پورا نہ کرنا۔(بہار شریعت، ص ۶۲ حصہ ۱۶، باب انگوٹھی اور زیور کا بیان)

واللہ اعلم بالصواب .....۱۰/٤/۲۰۰۷ء.....۲۱ ربیع الاول ۱٤۲۸ھ

ضعیف اور ناقابل تلاوت قرآن مجید کو جلانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجد میں بہت سے قرآن مجید پرانے ہو چکے ہیں یعنی بوسیدہ اور پھٹ گئے ہیں۔ہم قرآن مجید کے ان نسخوں کو جلا دیں یا نہ؟ اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ یاد رہے کہ اس طرح قرآن مجید ہمارے ہاں کثیر تعداد میں ہے۔

فقط۔عبداللہ کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

بوسیدہ اور پرانے قرآن مجید کے نسخوں کو جلانے کا جواز بخاری شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب جمع القرآن'' میں نقل فرمایا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو قریش کی زبان پر مرتب فرمایا تو بقیہ نسخے جن میں دیگر لغت کی قرائتیں موجود تھیں ان کو جلا دیا۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر نے ابن بطال کا قول نقل فرمایا کہ اس حدیث میں ان کتابوں کو جلانے کا جواز ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ ہوں۔

''وامر بما سوی من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق. (بخاری شریف ص ۷۴۶ جلد دوم)

قال ابن بطال فی ھذاالحدیث جواز تحریق الکتب التی فیھا اسم اللہ بالنار وان ذلک اکرام لھا وصون عن وطیھا بالاقدام وقد اخرج عبد الرزاق من طریق طاؤس انه کان یحرق الرسائل التی فیھا البسملة اذا اجتمعت.

(بخاری، ص ۷۴۶، ج ۲، حاشیہ ۷، نور محمد کراچی)

حضرت امام طاؤس وہ رسالے جمع فرماتے تھے جن میں تسمیہ (بسم اللہ) لکھا ہوتا اور پھر اس کو جلاتے تھے۔

شیخ اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

یہ صورت سہل (آسان) ہے کہ ان ردیات کو جمع کرتے رہیں جب معتدبہ ذخیرہ ہو جائے تو دفن کرا دے اور احراق (جلانا) کی صورت میں اس کی خاکستر (راکھ) بناء بر قاعدہ قلب ماہیت کے واجب الاحترام تو نہیں ہے لیکن اگر اس کو جداگانہ کسی ظرف (برتن) میں جلا کر اس خاکستر کو پانی میں گھول کر دریا میں بہا دیا جائے تو اور بھی زیادہ اقرب الی الادب ہے۔

(امداد الفتاویٰ، ص ۵۶، جلد چہارم، دار العلوم کراچی)

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

دفن کرنا جائز ہے فقہاء نے ناقابل تلاوت قرآن مجید کے اوراق کے لئے بھی دفن کرنے کی صورت بہتر تجویز فرمائی ہے کما فی الشامیة وغیرہ۔ اور دفن کرنے کے بعد اوپر آگ جلانا بھی کوئی بے حرمتی نہیں اس لئے جائز ہے۔

(امداد المفتین، ص ۲۳۸، دار الاشاعت کراچی)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

مقدس اوراق کو بہتر یہ ہے کہ دریا میں یا کسی غیر آباد کنویں میں ڈال دیا جائے یا زمین میں دفن کر دیا جائے اور بصورت مجبوری ان کو جلا کر خاکستر (راکھ) میں پانی ملا کر کسی پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑے ہوں ڈال دیا جائے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۹۵ جلد ۳)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی قادری لکھتے ہیں:

مسئلہ: قرآن مجید پرانا بوسیدہ ہوگیا اس قابل نہ رہا کہ اس میں تلاوت کی جائے اور یہ اندیشہ ہے کہ اس کے اوراق منتشر ہو کر ضائع ہوں گے تو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر احتیاط کی جگہ دفن کر دیا جائے اور دفن کرنے میں اس کے لئے لحد بنائی جائے تا کہ اس پر مٹی نہ پڑے یا اس پر تختہ لگا کر چھت بنا کر مٹی ڈالیں تا کہ اس پر مٹی نہ پڑے۔ (بہار شریعت ص ۱۱۸ حصہ شانزدھم)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں قرآن مجید کے بوسیدہ نسخوں کے بارے میں شریعت نے اختیار دیا ہے کہ ان کو جلانا، دفن کرنا یا دریا و کنوئیں میں ڈالنا سب جائز ہے پس جس علاقے میں مذکورہ صورتوں میں جس صورت میں قرآن مجید کی زیادہ تعظیم ہوتی ہو اس پر عمل کیا جائے

واللہ الموفق ....۲۰۰۷ء۔۴۔۱۷........۲۸ ربیع الاول ۱٤۲۸ھ

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ خدا کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تبارک وتعالی کے لئے لفظ خدا کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں بعض لوگ انکار کرتے ہیں؟ مستفتی: محمد الیاس کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

خدا فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ لفظ اللہ کے قائم مقام ہے اور شرعا اللہ تعالی کے لئے کسی بھی زبان کا ہر وہ لفظ استعمال کرنا جائز ہے جو واجب الوجود القدیم کے مترادف ہو۔

علامہ عبدالعزیز پرھاروی لکھتے ہیں:

واذا ورد الشرع باطلاق اسم بلغة كلفظ الله فهو اذن باطلاق مايرادفه من تلك اللغة كالواجب والقديم او من لغة اخرى كاسم خدا بالفارسية. (النبراس ص ۱۱۲ صفات اللہ تعالی)

مصنف حسن اللغات لفظ خدا کے بارے میں لکھتے ہیں:

خدا یہ لفظ خود اور آ یعنی آئندہ سے مرکب ہے اور یہ ترجمہ ہے واجب الوجود کا، صاحب، مالک، اللہ تعالی۔ (حسن اللغات، ص ۳۳۲)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

اللہ تعالی کے لئے لفظ خدا کا استعمال جائز ہے اور صدیوں سے اکابرین اس کو استعمال کرتے آئے ہیں اور کبھی کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۳۸۴)

مفتی محمد وقار الدین قادری لکھتے ہیں:

اس کے بارے متکلمین کے دو مسلک ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالی کے لئے صرف وہ الفاظ بولے جاسکتے ہیں جو قرآن وحدیث میں

آئے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی لفظ جائز نہیں اس مذہب پر تو لفظ خدا کا استعمال بھی جائز نہیں ہے دوسرا مذہب جو مذہب مختار ہے وہ یہ ہے کہ منقول اسماء کے علاوہ ہر ایسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا جائز ہے جس میں کسی خراب معنیٰ کا احتمال نہ ہو لہذا لفظ خدا بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (وقار الفتاویٰ ٦٦ جلد اول)

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۸/٤/۲۰۰۷ء............٢٩ ربیع الاول ١٤٢٨ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے ٧٨٦ لکھنا

علماء دین کیا فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے ٧٨٦ لکھنا کیا ہندوؤں کی رسم ہے یا اس کا لکھنا جائز ہے؟

مستفتی: محمد عبداللہ سوات

الجواب باسمه تعالی

صورت مسئولہ میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے بجائے اپنی تحریرات میں ٧٨٦ لکھنا جائز ہے کیونکہ یہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کی بے ادبی سے بچنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ مفتی محمد وقار الدین رضوی لکھتے ہیں:

احادیث میں فرمایا جو کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للہ سے شروع نہ کیا جائے وہ نامکمل رہتا ہے اور خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے اس حدیث پر عمل کرنے کے لئے ہر جائز کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرنا چاہیئے ان کا لکھنا ضروری نہیں ہے لیکن لکھنا بھی باعث برکت ہے چونکہ عام طور پر کاغذات کو احتیاط سے نہیں رکھا جاتا تو اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہونے کی صورت میں اس کی بے ادبی ہے اس لئے لوگوں نے اعداد لکھنا شروع کر دیئے۔ (وقار الفتاویٰ ص٢٤٢ جلد سوم)

مفتی یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

٧٨٦ بسم اللہ شریف کے عدد ہیں بزرگوں سے اس کے لکھنے کا معمول چلا آرہا ہے غالباً اس کو رواج اس لئے ہوا کہ خطوط عام طور پر پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں جس سے بسم اللہ شریف کی بے ادبی ہوتی ہے بے ادبی سے بچانے کے لئے غالباً بزرگوں نے بسم اللہ کے اعداد لکھنے شروع کئے اس کو ہندوؤں (غیر مسلم) کی طرف منسوب کرنا تو غلط ہے البتہ اگر بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو تو بسم اللہ شریف ہی کا لکھنا بہتر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ص٣٤٨، ج٨)

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۸/٤/۲۰۰۷ء..............٢٩ ربیع الاول ١٤٢٨

دولہا کو سہرا باندھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں آج کل ہمارے مسلمان معاشرے میں شادی کے موقع پر دولہا کو جو سہرا باندھتے ہیں

آیااس کی شریعت میں اجازت ہے یا کسی غیر مسلموں کی رسم ہے؟

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں شادی کے موقع پر دولہا کو جو پھولوں کا سہرا باندھتے ہیں اگر یہ اس علاقے میں کسی غیر مسلم کی ایسی رسم ہو کہ وہ ان کے مذہبی رسومات میں شامل ہو کہ دیکھنے والا یہی سمجھے کہ یہ کسی غیر مسلم گھرانے کی شادی ہے تو وہاں مسلمان سہرا باندھنے سے اجتناب کریں تا کہ غیر مسلموں کے ساتھ تشبیہ نہ آئے۔اور اگر کسی علاقے یا عرف میں یہ کسی بھی مذہب کے مذہبی رسومات میں شامل نہ ہو بلکہ اس معاشرے میں تمام لوگ (مسلم اور غیر مسلم) شادی کے موقع پر اس کو صرف خوشی کے طور پر استعمال کرتے ہو تو پھر جائز ہے کوئی قباحت اور کراہت نہیں کیونکہ اصل میں ہر چیز مباح (جائز) ہے۔اگر کوئی کسی چیز پر حرام،مکروہ،فرض،واجب،سنت یا مستحب کا حکم لگاتا ہے تو اس کے موافق دلیل لانا اس کے ذمہ ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۴/۴/۲۰۰۷ء............٦،ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

سول ڈیفنس سیونگ سرٹیفیکیٹ کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ سول ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ وغیرہ کا مقصد ملک کو چلانا اور بڑے منصوبے شروع کرنا ہے سیونگ سرٹیفکیٹ میں روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی:محمد انور صاحب نارتھ کراچی

الجواب باسمه تعالی

سیونگ سرٹیفکیٹ کے ذریعہ حکومت روپیہ اکھٹا کر کے ملک کو چلاتی ہے یا کوئی منصوبہ شروع کرتی ہے لیکن حکومت جو منافع دیتی ہے وہ سود سے پاک نہیں ہوتا اس لئے سیونگ سرٹیفکیٹ میں روپیہ لگانا جائز نہیں:

مفتی وقارالدین لکھتے ہیں:

اس اس کیم میں روپیہ لگانا حرام ہے کیونکہ یہ سود کی قسم ہے اور قرآن کریم میں سود کو مطلقا حرام قرار دیا ہے اس لئے اس کی تمام نوع حرام ہوگئیں کسی شخص کو اس میں استثناء کرنے کا حق نہیں ہے اور سود کی حرمت خنزیر و شراب کی طرح ہے جیسا اللہ فرماتا ہے:

یاایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربٰوا ان کنتم مؤمنین. فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ.

(البقرہ ۲۷۹،۲۷۸)

لہٰذا ایسے حرام کو حلال بنانا سخت گمراہی ہے۔ (وقارالفتاویٰ صفحہ۳۰۵ جلد۳)

مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

رقم پر مقرر شدہ منافع شرعا سود ہے اور حکومت بھی اس کو سود ہی سمجھتی ہے۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل ص ۲۹۵ جلد ۶ مکتبہ لدھیانوی)

مفتی منیب الرحمٰن صدیقی ہزاروی لکھتے ہیں:

قومی بچت اس کیموں پر منافع کے نام سے ملنے والی رقم سود ہے۔

(تفہیم المسائل صفحہ ۳۳۸ جلد اول مکتبہ ضیاء القران)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۵/٤/۲۰۰۷ء..................۷، ربیع الثانی ١٤٢٨ھ

حکومت کی طرف سے روزگار اسکیم کے تحت رکشہ یا قرضہ لینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدر پاکستان کی روزگار اسکیم کے تحت رکشہ یا قرض بینک سے جو گورنمنٹ دے رہی ہے لے سکتے ہیں؟ المستفتی: ارشاد حبیب

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں اگر حکومت کسی کو رکشہ قسطوں پر دیتی ہے تو جائز ہے۔ فی زمانا اگر رکشہ کو نقد رقم پر خریدیں گے تو سستے داموں خریدا جائے گا اور ادھار (قسطوں پر) خریدیں گے تو مہنگے داموں، از روئے شریعت یہ جائز ہے کہ اگر کوئی چیز ہاتھوں ہاتھ بیچی جائے تو سستی ہو اور ادھار پر (قسطوں پر) بیچی جائے تو مہنگی ہو (فروخت کی جائے)۔

علامہ مرغینانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الا یری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل.

(ہدایہ، ص ۷۴، جلد سوم، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ)

علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ولو اشتری بألف نسیئة وباع بربح مائة ولم یبین خیر المشتری لان للاجل شبهابالمبیع الاتری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل.

(البحر الرائق ص ۱۹۰ جلد ۶ باب المرابحۃ والتولیۃ رشیدیہ کوئٹہ)

لیکن اگر بینک نقد رقم قرض کے طور پر دے کر اس رقم کی واپسی کے ساتھ مقروض سے منافع بھی لیتا ہے تو پھر وہ سود ہو گا اور ناجائز ہو گا۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۸، ربیع الثانی ١٤٢٨ھ........۲٦/٤/۲۰۰۷ء

قبر کے اندر پھول رکھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ قبر کے اندر گلاب کے پھول ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: ارشاد حبیب کراچی

الجواب بعون الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً اس بات کو جانیں کہ قبر کے اوپر پھولوں کا رکھنا یا ڈالنا صحیح ہے، جیسا کہ حدیث مبارک میں وارد ہوا ہے !

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو قبروں پر سے گزرے تو فرمایا ان کو گناہ کبیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا ہے بلکہ ان میں سے ایک پیشاب کے (چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی میں مبتلا رہتا تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہری ٹہنی طلب فرمائی اور اسے دو حصوں میں تقسیم کرکے دونوں قبروں پر رکھ دیا۔ پھر ارشاد فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں گی ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہوگی (کیونکہ تر ٹہنیاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہیں)

(بخاری، ص۳۴، ج۱، کتاب الوضوء، قدیمی کراچی)

(رواہ البخاری، ص۸۹۴، ج۲، کتاب الآداب، باب الغیبۃ، قدیمی کراچی)

(رواہ مسلم ص۱۴۱ ج۱ کتاب الطہارۃ باب الدلیل علی نجاسۃ البول ووجوب الاستبراء منہ)

(رواہ النسائی، ص۱۲، ۱۳، ج۱، کتاب الطہارۃ، باب التنزہ عن البول، قدیمی کراچی)

اسی حدیث مبارکہ سے علمائے دین اور مفتیان شرع نے اس بات کی استنباط کی ہے کہ قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنا ثواب کی نیت سے جائز ہے۔

علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وقد افتی بعض الائمة من متأخری اصحابنا بأن ما اعتید من وضع الریحان ،والجرید سنة لهذا الحدیث ،واذا کان یرجی التخفیف عن المیت بتسبیح الجریدة فتلاوة القران اعظم برکة . (حاشیۃ الطحطاوی: ص۶۲۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ویوخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ، ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه.....وقد ذکر البخاری (رحمه الله تعالیٰ)أن بریده بن الخصیب رضی الله عنه اوصی بان یجعل فی قبره جرید تان .

(فتاوی شامی ص۲۴۵ ج۲ باب صلوٰۃ الجنائز: مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور)

اسی طرح کی عبارات مختلف فقہاء نے اپنی کتب میں نقل کی ہیں اور قبر پر پھول، پتیاں وغیرہ ڈالنا جائز قرار دیا ہے۔ اسی مسئلے پر قیاس کرتے ہوئے قبر میں پھول ڈالنا جائز ہے، لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے اجتناب کرنا چاہئے کہ آنے والے وقت میں لوگ اس عمل کو جہالت کی بناء پر انتہائی ضروری نہ سمجھ بیٹھیں اور ایسا نہ ہو کہ باقاعدہ میت کے نیچے پھولوں کی ڈالیاں رکھ دی جائیں یا پھولوں کی سیج سجائی جائیں، اسی لئے بہتر

یہی ہے کہ اس عمل سے پرہیز کیا جائے۔

واللہ اعلم بالصواب.....۲۷/٤/۲۰۰۷ء........۹/ربیع الثانی ۱٤۲۸ھ

موئے زیرناف کی شرعی حد اور صاف کرنے کے لئے بال صفا اور اُسترا (بلیڈ) استعمال کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ موئے زیرناف کی شرعاً کوئی حد ہے یا نہیں کہ یہ کہاں تک صاف کرنا چاہیئے۔اور اس کے صاف کرنے کے لئے استرا استعمال کرنا چاہیئے یا چونا (بال صفا) بھی جائز ہے؟ اور اس میں مرد و عورت کے لئے کوئی تخصیص ہے یا دونوں دونوں طریقے سے صاف کر سکتے ہیں؟ فقط۔

المستفتی: مولانا زاہد الحق کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں موئے زیرناف کے لئے کوئی حد شرعاً ایسی مقرر نہیں کہ اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا بلکہ جہاں تک بھی غیر ضروری بال ہو اس کا ازالہ جائز ہے ناف تک صاف کرنا لازمی نہیں ہے۔غیر ضروری بالوں کے ازالہ کے لئے کسی بھی دوائی (چونا، بال صفا) یا آلہ (بلیڈ، استرا) کا استعمال جائز ہے لیکن خواتین کے لئے بہتر ہے کہ وہ یا تو غیر ضروری بال (موئے زیرناف) انگلیوں سے نکالیں (اکھاڑیں) یا کسی اور طریقے سے صاف کریں، استرا استعمال نہ کریں کیونکہ عورتوں میں مردوں کے مقابلے میں شھوت زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ عورتوں کو ننانوے فیصد اور مردوں کو ایک فیصد شھوت دی گئی اور استرا استعمال کرنے سے شہوت اور بڑھ جاتی ہے اور اکھاڑنے سے کم ہو جاتی ہے، اس لئے عورت موئے زیرناف بال نکالے تا کہ ان کی شہوت کم ہو جائے اور مرد حضرات استرا استعمال کریں تا کہ شہوت بڑھ جائے اور عورتوں کے موئے زیرناف نکالنے سے ان کے شوہروں کو بال کے نوک چبھنے کی تکلیف بھی نہ ہوگی۔امام نووی لکھتے ہیں:

> **والا فضل فیہ الحلق ویجوز بالقص والنتف والنورۃ ....المراد بالعانۃ الشعر الذی فوق ذکر الرجل وحوالیہ وکذلک الشعر الذی حوالی فرج المرأۃ ....فیحصل من مجموع ھذا استحباب حلق جمیع ما علی القبل والدبر وحولھما.**
>
> (شرح صحیح مسلم للنووی ص ۱۲۸ جلد اول باب خصال الفطرۃ۔قدیمی کراچی)

شارح مشکوٰۃ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

> **قالوا الاولیٰ للمرأۃ النتف لانہ انظف وابعد لنفرۃ الحلیل من بقایا اثر الحلق ولان شھوۃ المرأۃ اضعاف شھوۃ الرجل اذ جاء ان لھا تسعا وتسعین جزء منھا وللرجل جزٔ والنتف یضعفھا والحلق یقویھافأمر کل منھما بما ھو الانسب بہ.**

(مرقاۃ شرح المشکوٰۃ ص۵ جلد۲۔ باب السواک۔امدادیہ ملتان)

عالمگیری میں ہے: **ویبتدئ فی حلق العانة من تحت السرة ولو عالج بالنورة فی العانة یجوز.**

(عالمگیری ص ۳۵۸ جلد۵ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر۔رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم بالصواب.....۴/۵/۲۰۰۷ء..........۱۶/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

میوزک کی طرز پر نعت پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ایک خاص طریق پر نعت خواں نعتیں پڑھ رہے ہیں۔ساتھ اپنے منہ سے اللہ اللہ کی آوازیں اس طرح نکالتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید کوئی میوزک چل رہا ہے۔دوسری بات یہ کہ اس کی طرز گانے کی طرح بھی ہوتی ہے۔اس طرح کی نعتیں سننا،سنانا،ایسے پروگرام منعقد کرنا اور کروانا کیسا ہے؟ نیز علماء کیا اس عمل سے عوام کو منع کر سکتے ہیں؟
المستفتی: عمیر محمود صدیقی کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

نعت شریف پڑھنا اپنی جگہ خود ایک عظیم سعادت اور مستحسن عمل ہے مگر قرآن اور نعت خوانی کو دنیاوی لالچ کی بناء پر پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔

"لو قرأطمعافی الدنیا فی المجالس یکرہ.

(فتاویٰ عالمگیری ص ۳۱۶ ج ۵ باب فی الصلوٰۃ والتسبیح وقراۃ القرآن مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک "اللہ" جو ایک حیثیت سے قرآن مجید کا حصہ بھی ہے کو اگر اس انداز سے پڑھیں گے کہ لوگ اسے میوزک سے تشبیہ دے جو اپنی جگہ ناجائز ہے تو اس میں اسم جلالت کی توہین ہوگی حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو تمام نقائص سے پاک ماننا ضروری ہے یونہی اس کے تمام ناموں کو بھی تمام نقائص سے پاک کرنا (رکھنا) واجب ہے۔
تفسیر خازن میں ہے:

"کما یجب تنزیه الله عن جمیع النقائص فکذلک یجب تنزیه اسمائه ایضا. (تفسیر خازن ص ۱۶۳ ج ۲ بحوالہ ریاض الفتاویٰ)

اور اگر لوگ اللہ تعالیٰ کے نام کو مذکورہ صورت میں پڑھنے سے میوزک سے تشبیہ نہ بھی دے لیکن خود پڑھنے والا موسیقی کی رعایت کے ساتھ بہ تکلف پڑھتا ہے تو بھی مکروہ ہے اور اگر اس انداز میں قرآن یا اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت میں تغییر آتا ہو تو حرام ہے۔
شیخ محقق دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اما التکلف برعایة الموسیقی فمکروہ واذاادی الی تغییر القرآن فحرام بلا شبھة. (اشعۃ اللمعات برحاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۹۰)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کو اس انداز سے پڑھنا جائز نہیں جس کی وجہ سے لوگ اسے میوزک خیال کریں یا پڑھنے والا خود موسیقی کی رعایت کرے یا دنیاوی اغراض ومقاصد کیلئے پڑھے۔اور اگر کوئی نعت شریف اس انداز سے پڑھتا ہے کہ وہ کسی گانے کی طرز پر ہوتا ہے تو اگر نیت میں گانے کا تصور نہ ہو تو جائز ہے ورنہ سادہ انداز سے پڑھے تاکہ گانے کی طرز ختم ہو جائے۔

کسی بھی جائز اور شرعی محفل میں اگر خلاف شرع کام ہوتا ہو تو علماء اس محفل کو فوراً اور بالکل بند نہ کریں بلکہ علماء کو ایسی محافل میں جا کر نا جائز اور مکروہ افعال کی نشاندہی کرا کر اس کی اصلاح کرنی چاہیئے۔اب اگر کسی بھی مکروہ عمل کی وجہ سے تبلیغی ،اصلاحی پروگراموں کو منع کیا جائے تو عوام الناس خیر کثیر اور دینی معلومات کے حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/اپریل ۲۰۰۶ء /ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

کونڈوں کی شرعی حیثیت اور چند شکوک شبہات

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ

۱) بعض سنی حضرات ماہ رجب المرجب میں کونڈے کرتے ہیں، کیا ان کا ایسا کرنا صحیح ہے؟

۲) بعض حضرات کو کونڈے کرنے پر اعتراض ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ عمل یا رسم روافض نے سیدنا امیر معاویہ کی وفات کی خوشی میں ایجاد کی ہے اور وہ اپنے گھروں میں کونڈے بنا کر ایک دوسرے کو بطور مٹھائی کھلاتے ہیں۔لہذا یہ رسم امیر معاویہ سے بغض کا اظہار ہے اور ان کی گستاخی کے زمرے میں آتی ہے۔جو کوئی سنی کونڈے کرتا ہے تو صحابی رسول امیر معاویہ سے بغض کا اظہار کرتا ہے اور یہ گمراہی ہے۔کیا ان حضرات کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط ہے؟

۳) اگر کوئی سنی خالص ایصال ثواب (برائے امیر معاویہؓ اور جعفر صادق) کی نیت سے کونڈے کرتا ہے تو اس پر کیا حکم لگے گا؟

محمد آصف ظہیر، سرجانی ٹاؤن، کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص کونڈے اس نیت سے کرتا ہے کہ اس کا ثواب مسلمان مردوں کو پہنچ جائے تو یہ شرعًا جائز ہے۔جیسا کہ علامہ وھبۃ الزحیلی اس پر علماء کا اجماع نقل کرتے ہیں:

"اجمع العلماء علی انتفاع المیت بالدعاء والاستغفار بنحو "اللّٰھُمَّ اغفر لہ "اللھم ارحمہ "والصدقۃ ،واداء الواجبات البدنیۃ المالیۃ التی تد خلھا النیابۃ کالحج،لقولہ تعالیٰ والذین جاء وا من بعد ھم یقولون :ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان. (الحشر ۱۰/۵۹)

وسأل رجل النبیﷺ ،فقال یا رسول اللّٰہ ،ان امی ماتت،فینفعھا ان تصدقت عنھا ؟قال نعم .

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ص۱۵۷۹ ج دوم،القرأۃ علی المیت واھداء الثواب لہ،رشیدیہ کوئٹہ)

مسئلہ ہذا میں سوال کی نوعیت فروعی ہے اس لئے ہمیں مسئلے کی اصل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔علماء کرام کونڈوں کو نذر و نیاز کی اقسام سے ایک قسم قرار دیتے ہیں اور نذر و نیاز علماء کے نزدیک جائز ومقبول ہے جیسا کہ علامہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب نذر کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ نذر عرفی کو ہی فارسی میں نیاز کہتے ہیں اور اس کا مطلب ہے کہ کوئی ادنیٰ شخص کسی اعلیٰ شخص کی خدمت میں کوئی شے پہنچائے اور عوام المسلمین جب یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو اس قدر نذر حضرت غوث اعظم کی دوں گا تو اس سے اس کی مراد معنیٰ عرفی ہوتی ہے شرعی نہیں۔(کیوں کہ نذر شرعی عبادت ہے اور خاص ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے اور غیر کی نذر اسی معنیٰ سے شرک اور حرام ہے ۔)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ مرحوم فرماتے ہیں اس نذر عرفی کے معنیٰ یہی ہیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ میت کی روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے یا مال خرچ کرنے کا ثواب ہدیہ کیا جائے اور یہ عمل احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں ام سعد کا حال مروی ہے وہ اس نذر کو مستلزم ہے۔پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ فلاں بزرگ کی روح کو اسقدر ثواب ہدیہ کرتا ہوں اور ولی بزرگ کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ عمل منذور کی تعین ہوجائے نہ اس لئے کہ وہ ولی مصرف ہے طعام یا مال کا بلکہ مصرف اس طعام یا مال کا اس ولی کے اقرباء، خادم وہم طریقت ہوتے ہیں۔اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفا واجب ہے۔(فتاویٰ عزیزی)

(علمی وتحقیقی مجلّہ فقہ اسلامی، صفہ ۷۱، محرم الحرام ۱۴۲۲ھ)

ایصال ثواب برائے اموات کے استحباب میں کوئی تأمل نہیں، بلا قیود رسوم مخترعہ کے ایصال ثواب الی الاموات جائز ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیآء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذافی البدائع.

(شامی، باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی القرأۃ للمیت واھد اءثوابھا لہ ص ۲۴۳ ج ۲، ایچ، ایم سعید)

اصل کے جواز کے علم کے بعد ہمیں اس کی فروعات کا بھی ادراک کرنا چاہیئے اور انہی فروعات میں کونڈوں کا مسئلہ بھی سر فہرست ہے اور فرع اپنی اصل کے تابع ہوتی ہے۔

صدر الشریعہ ابو العلاء محمد امجد علی صاحب فرماتے ہیں:

ماہ رجب میں حضرت جلال بخاریؒ کے کونڈے ہوتے ہیں یہ بھی جائز ہے اور مذموم بات یہ ہے کہ جہاں کونڈے بھرے جاتے ہیں وہاں سے ہٹتے نہیں یہ ایک لغو حرکت ہے اور کونڈوں سے متعلق ایک کتاب بھی ہے جسکا نام ''معجزہ مصحف ناطق حضرت امام جعفر صادق'' اس کا کوئی ثبوت نہیں۔فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کریں، اسی کتاب میں فاتحہ کورے کونڈوں میں دلانا لکھا ہے یہ بھی بلاوجہ ہے، گھر کے برتنوں میں بھی ہوسکتی ہے۔

(بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۲۴۴)

دین متین میں اعمال کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اس لئے نیت کا درست ہونا ضروری ہے ورنہ مستحسن عمل بھی مردود ہوجاتا ہے۔خالص ایصال ثواب کی نیت ہو تو یہ عمل جائز ومقبول ہے خواہ وہ امیر معاویہ کے لئے ہو یا امام جعفر صادق کے لئے ہو،تاریخ خواہ ۲۲ رجب المرجب ہو یا ۳۰،تاریخ طعام کا تعین عرفی ہے شرعی نہیں۔

نذر و نیاز کے مسئلے میں بہت سی بدعات رائج ہوچکی ہیں مثلاً فاتحہ کے ساتھ کونڈوں کی تخصیص اور مخصوص جگہ کا لزوم یا پھر مخصوص طعام کی شرط اور ان جیسی کوئی اور اختراعات،عوام الناس کو ان تمام بدعات سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور اخلاص کا پہلو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔

واللہ اعلم بالصواب

۲۳ اگست ۲۰۰۶ء..........۲۷ رجب ۱٤۲۷ھ

مرغیوں کو نجس اور حرام خوراک دینے کے بعد ان کا کھانا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل مرغیوں کی خوراک (Feed) میں خنزیر اور مردار جانوروں کا گوشت شامل کیا جاتا ہے جس سے وہ بہت جلد فربہ ہوجاتی ہیں کیا ایسی مرغیوں کا گوشت حلال ہے اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ بیان فرما کر اس مسئلہ کا حل عطا فرمائیں،اللہ تبارک وتعالی جزاء خیر عطا فرمائے۔محمد محسن صدیقی

الجواب بعون اللّٰہ تعالیٰ

ماکول اللحم (یعنی جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے یا جو عرف عام میں حلال جانور کہلاتے ہیں) کی خوراک میں اگرچہ مردار یا خنزیر کا گوشت استعمال ہوتا ہے ان کا گوشت حلال ہے۔دیہاتوں میں مرغیاں گلی کوچوں میں پھرتی ہیں اور نجاست بھی کھاتی رہتی ہیں۔فقہی اصطلاح میں گندگی کھانے والے جانور کو ''جلالہ'' کہتے ہیں۔اگر نجاست کھانے سے جانور کا گوشت بدبودار ہوجائے تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔لہذا ذبح سے پہلے ایسے جانوروں کو اتنی مدت کے لئے تھان پر باندھ کر رکھا جائے تا کہ بدبو کا ازالہ ہوجائے،فقہاء نے ان کو باندھنے کی مدت یوں بیان فرمائی ہے،مرغی کو تین دن تک،بکری کو چار دن تک اور اونٹ،گائے وغیرہ کو دس دن تک رکھا جائے۔لیکن اگر ان جانوروں کے گوشت میں ناپاک اشیاء کی بدبو سرایت نہ کرے اور اثر انداز نہ ہو تو ان کا کھانا مطلقاً حلال ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص و كونه يتغذى بالنجاسة لا يمنع حله ،وأشا ربهذا الى الابل والبقر الجلالة والد جاجة ....لاتكره الدجاجة المخلاة وان أكلت النجاسة.

(شامی ص۳۰٦،ص٦،کتاب الذبائح،ایچ ایم سعید کراچی)

واللہ اعلم بالصواب ....۲۳ نومبر ۲۰۰٦ء... ...یکم ذی القعدہ۱٤۲۷ھ

پیشانی کے بال نکالنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ پیشانی کے درمیان سے بال نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اس میں

کوئی گناہ نہیں ۔تو کیا واقعی اس میں کوئی گناہ نہیں؟ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں؟ مستفتی: خالد انوار مینگورہ سوات

الجواب باسمه تعالیٰ

اگر چہرے سے بلاضرورت بال نوچے اور اکھاڑے اور اس سے ارادہ اپنے آپ کو سنوارنا ہو تو اس صورت میں بال نوچنے والی اور نوچوانے والی پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔اور اگر کسی عورت کے چہرے (پیشانی وغیرہ) پر بال اگ آئے ہیں جو بدصورتی کا سبب ہو یا شوہر کی نفرت کا سبب بنتا ہو تو اس صورت میں چہرے سے بال صاف کرسکتی ہے۔

نهی رسول اللهﷺعن عشر عن الوشر والو شم والنتف.

(مشکوٰۃ شریف ۳۷۶، کتاب اللباس، الفصل الثانی، قدیمی کراچی)

علامہ ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

النتف هو نتف النساء الشعور عن وجوههن (مرقات تحت هذا الحديث)لا بأس باخذالحاجبين وشعروجهه مالم يشبه بالمخنث.

(ہندیہ ص ۳۵۸ ج ۵، کتاب الکراہیۃ، الباب التاسع عشر، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

لو كان في وجهها شعر ينفرزوجها عنها بسببه ففي تحريم ازالته بعد لان الزينة للنساء مطلوبة للتحسين.

(شامی ص ۳۷۳ ج ۶، کتاب الکراہیۃ، فصل فی النظر المس، ایچ ایم سعید)

اگر عورت کے چہرے پر غیر متعاد بال اگ آئیں تو ان کے صاف کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۲۹ ج ۷)

الحاصل یہ کہ اگر کسی عورت کے چہرے پر بال اس طرح اگ آئیں کہ چہرہ بدصورت نظر آتا ہو تو اس بالوں کو صاف کرنا جائز ہے مگر زینت وحسن زیادہ کرنے کی نیت سے چہرہ نہیں بگاڑنا چاہئے۔

واللہ اعلم بالصواب

تعویذ بنانا اور باندھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تعویذ بنانا اور باندھنا کیسا ہے۔؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب باسمه تعالیٰ

کسی بھی بیماری کے علاج کیلئے تعویذ بنانا اور بدن پر لٹکانا (باندھنا) جائز ہے جبکہ اس میں کوئی خلاف شریعت کلام نہ ہو۔اگر تعویذ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء یا قرآن کا کچھ حصہ ہو تو اس کا تعویذ بنانا یا اس کو کسی بیمار پر پھونکنا جائز ہے مگر یہ احتیاط ہونی چاہئے کہ بیت الخلاء میں جاتے

وقت اور جماع (ہمبستری) کرتے وقت اس کو نکال دیا کریں۔

ولا بأس بتعليق التعويذ ولكن ينزعه عندالخلاء والقربان.

(فتاوی عالمگیری ص ۳۵٦، ج ۵، کتاب الکراہیۃ، الباب الثامن عشر، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ولابأس بالمعاذات اذاكتب فيها القران اواسماء الله تعالىٰ... واماماكان من القرآن او شيء من الدعوات فلا بأس به ......اختلف في الاستشفاء بالقرآن بان يقرء على المريض اوالملدوغ الفاتحة او يكتب في ورق ويعلق عليه او في طست و يغسل ويسقي وعن النبي ﷺ انه كان يعوذ نفسه........ ولا بأس بأن يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد اذاكانت ملفوفة .

(شامی ص ۳٦۳، ج ٦، کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس، ایچ ایم سعید)

الحاصل یہ کہ بیماری کیلئے تعویذ اور جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے آپ پر دم کیا کرتے تھے اگر تعویذ کسی محفوظ چیز میں باندھا ہوا ہو تو جنب وغیرہ کے لئے اس کا باندھنا جائز ہے، ورنہ بغیر طہارت کے یا بیت الخلاء جاتے وقت کھولنا چاہئے۔

والله اعلم بالصواب

صریح حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کی آمدنی صریح حرام ہو اور وہ خود بھی اقرار کرتا ہو تو ایسے شخص کی دعوت میں شرکت کرنا جائز ہے یا ناجائز، مستفتی: محمد الیاس سوات

الجواب باسمه تعالىٰ

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کی دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں، کیونکہ جن لوگوں کی غالب کمائی حرام کی ہو تو ان کا کھانا جائز نہیں۔

فان كان الغالب (ماله) هوالحرام ينبغي ان لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام. (ہندیہ ص ۳۴۳ ج ۵، کتاب الکراہیۃ، رشیدیہ کوئٹہ)

جن لوگوں کی غالب کمائی حرام کی ہو ان کا کھانا جائز نہیں۔

الحاصل یہ کہ ہر اس شخص کی دعوت کو قبول نہیں کرنی چاہئے جن کی آمدنی حرام کی ہو ایسے لوگوں کی دعوت میں عوام وخواص سب کا جانا ناجائز ہے

واللہ اعلم بالصواب

ایام حج ورمضان میں حیض بند کرنے والی دوا کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رمضان المبارک یا ایام حج میں خواتین کے لئے ممسک حیض دوا کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

مستفتی: محمد عالم سوات مینگورہ

الجواب باسمه تعالیٰ

حج کے ایام میں تمام افعال حج کو معمول اور اپنے مقررہ اوقات پر انجام دینے کے لئے اگر خواتین ایسی ادویہ استعمال کریں جو وقتی طور پر حیض کے خون کو روک دیں تو کوئی قباحت نہیں۔

(جدید فقہی مسائل ص۱۳۰ ج۱، پروگریسو بکس لاہور)

مفتی منیب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

خواتین چاہیں تو ایام حج وعمرہ میں ''مانع حیض'' دوائیں استعمال کرسکتی ہیں بشرطیکہ طبی اور جسمانی لحاظ سے ان کے لئے مضر صحت نہ ہوں اور کسی بڑے جسمانی عارضے کا سبب نہ بنیں۔

(تفہیم المسائل ص۲۲۷ ج۱۔ضیأ القرآن پبلی کیشنز)

الحاصل یہ کہ جس طرح مذکورہ عبارات سے حیض کو روکنے والی دوائیں ایام حج میں استعمال کرنے کا جواز ثابت ہوا تو اسی طرح رمضان کے مہینے میں بھی اگر کوئی عورت مانع حیض ادویہ استعمال کریں تو یہ جائز ہے اور روزے رکھنا صحیح اور درست ہیں دوبارہ روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

جمعۃ الوداع میں مروجہ قضاء عمری کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے کے آخری جمعہ (جمعۃ الوداع) کے دن جمعہ کی نماز کے بعد باقاعدہ قضائے عمری کی نماز ادا کی جاتی ہے، جس کا طریقہ درج ذیل ہے۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد باقاعدہ ایک شخص اذان واقامت ادا کرکے پہلے فجر کی دو رکعت فرض کی نیت کرکے جہراً جماعت ادا کی جاتی ہے۔ پھر اقامت کرنے کے بعد سراً ظہر کی چار رکعت فرض باجماعت ادا کی جاتی ہیں۔ پھر اقامت کے بعد سراً عصر کی چار رکعت فرض باجماعت ادا کی جاتی ہیں۔ پھر اقامت کرنے کے بعد باقاعدہ مغرب کی نماز باجماعت اس طریقے پر ادا کی جاتی ہے کہ تیسری رکعت پر آخری قعدہ کرکے تشہد کے بعد چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور چوتھی رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ اس کے بعد عشاء کی چار رکعت بطریق مذکور ادا کی جاتی ہے، اس کے بعد وتر کی نماز باجماعت بطریقہ مغرب کی نماز کے ادا کی جاتی ہے۔ اس کو قضاء عمری کہتے ہیں۔ پوچھنے پر مجوزین درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ من قضی اخر الجمعة فی شهر رمضان خمس صلوٰت ویختم بالوتر کان کمن صلی صلوة سبعین سنة ومن سراج المنیر من صلی قضاء خمس صلوة اخر شهر رمضان فی یوم الجمعة بعد الظهر ویوذن لکل وقت یسقط عن رقبته مافات فی سنة. (نہایہ بحوالہ شمس المعارف، فتاوی

نورالھدی)

اسناد این نماز از حضرت رسالت پناہ ﷺ منقول است ہر کہ را نماز ہا قضا شدہ باشد و نداند عدد او کہ چند است باید کہ روز جمعہ چہار رکعت نفل بیک سلام بگزارد و بخواند در ہر رکعتے بعد فاتحہ آیۃ الکرسی ہفت بار وانا اعطینا پانزدہ بار امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ گفت کہ از پیغمبر ﷺ شنیدم اگر ہفت صد سال نماز وی قضا شدہ باشد کفارت شود یاران گفتند یارسول اللہ عمر آدمی از ہفتاد یا ہشتاد بیش نیست چندیں صفت چیست فرمودند نماز او نماز مادر و پدر ان ونماز فرزندان کہ قضا شدہ باشد ہمہ قبول افتد ونیت نماز اینست ''نویت ان اصلی للہ تعالیٰ اربع رکعات تقصیراًو تکفیراًلقضاء مافاتت منی فی جمیع عمری صلوۃ النفل متوجھا. (نورالھدیٰ)

الحاصل یہ کہ مجوزین قضاءعمری اپنے اس فعل پر احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جس نے قضاءعمری کی نماز ادا کی تو گویا ستر سال کی نماز پڑھی اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے ذمہ جتنی قضاءنمازیں ہیں وہ اس سے ساقط ہو جائیں گی۔تیسری حدیث سے ثابت ہوا کہ چار رکعت نماز نفل جمعہ کے دن بطریق مذکور پڑھنے سے سات سو سال کی قضاءشدہ نمازوں کا کفارہ ہو جائے گا اور اگر اتنی عمر اس کی نہیں تو اس پڑھنے والے کے والدین (آباواجداد) اور بچوں (اہل وعیال) کی قضاشدہ نمازیں بھی قبول ہو جائیں گی۔

جناب مفتی صاحب مذکورہ دلائل مجوزین قضائے عمری کے ہیں اس بابت یہ معلوم کرنا ہے کہ:

۱) آیا یہ احادیث مذکورہ واقعی صحیح اور قابل استدلال ہیں؟

۲) کیا ایک نماز قضاءشدہ نمازوں بلکہ والدین اور اولاد کی قضاءشدہ نمازوں کے لئے کافی ہیں؟

۳) اگر یہ قضائے عمری فرض کی نیت سے ادا کی جاتی ہے تو امام اور مقتدیوں کی نمازیں صحیح ہوگی؟ جبکہ امام ومقتدی کی فرض کی تعیین کا علم نہیں؟

۴) اگر یہ نفل نماز ہے تو کیا نفل کی جماعت جائز ہے؟

محترم جناب مدلل باحوالہ مع مختلف مسالک کے مفتیان کے اقوال کے ساتھ جواب عنایت فرما کر ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کی اصلاح فرمائیے۔کیونکہ ہمارے علاقوں میں اس مسئلہ پر مناظرہ ہو کر ایک دوسرے کی تکفیر،تضلیل اور تفسیق کرتے ہیں (العیاذ باللہ)

نوٹ: صوبہ سرحد کے علاقے میں قضاءعمری کے مجوزین دیوبندی کہلاتے ہیں اور مانعین پنجپیری کہلاتے ہیں۔جبکہ دیگر صوبہ جات میں مجوزین بریلوی کہلاتے ہیں اور مانعین دیوبندی کہلاتے ہیں۔اس لئے آپ حضرات مسلک دیوبند اور بریلوی کے مفتیان اور علماء کے فتاوی بھی نقل فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: اہلیان فرنٹیر کالونی کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

سب سے پہلے ہم صورت مسئولہ میں ذکر شدہ احادیث قضاءعمری پر بحث کرتے ہیں،اس کے بعد مروجہ قضاءعمری میں فساد وکراہت کے

جتنے بھی احتمالات پائے جاتے ہیں ہم اس کی نشاندہی کریں گے۔ ملاعلی القاری رحمہ الباری لکھتے ہیں:

حدیث: من قضی صلٰوۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من شھر رمضان کان ذالک جابراً لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ باطل قطعا لانہ منا قض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات لا یقوم مقام فائتۃ سنوات ثم لا عبرۃ بنقل النھایہ ولا ببقیۃ شراح الھدایہ فانھم لیسوامن المحدثین ولا اسندوا الحدیث الی احد من المخرجین.

(الموضوعات الکبریٰ،ص۲۴۲،رقم الحدیث،۹۵۳،قدیمی کراچی)

حدیث: جس نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے دن قضاء شدہ فرائض میں سے فرض نماز پڑھ لی تو یہ اس شخص کے ستر سال کے فوت شدہ نمازوں کے لئے جبیرہ (کفارہ) ہو جائے گا۔ قطعی باطل ہے کیونکہ یہ اس اجماع کے مناقض (مخالف) ہے کہ عبادات میں سے کوئی عبادت سالہا سال کی فوت شدہ کا قائم مقام نہیں ہوسکتا (مذکورہ حدیث کو اگر نہایہ نے ذکر کیا تو) نہایہ کے نقل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ ہدایہ کے کسی دیگر شروح کا، کیونکہ شراح ہدایہ محدثین نہیں ہیں اور نہ انہوں نے اس حدیث کو اصل کتب حدیث سے ثابت کیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

پنجم آنکہ مخالف مقتضی عقل و شرع باشد و قواعد شرعیہ آنرا تکذیب نمایند مثل قضاء عمری و مانند آن۔

(عجالہ نافعہ،ص۲۴،نور محمد کراچی)

"الخامس ان یکون الحدیث مخالفا لمقتضی العقل والنقل وتکذبہ القواعد الشرعیۃ مثل حدیث قضاء العمری ونحوہ.

(العجالۃ النافعۃ ص۳۰ بیان قرائن وضع الحدیث۔ بحوالہ فتاویٰ فریدیہ)

پانچویں بات یہ کہ حدیث عقل و نقل کے تقاضا کے مخالف ہو اور قواعد شرعیہ اس کی تکذیب کرتے ہو، جیسے قضاء عمری کی حدیث۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں:

"وذکرہ الشو کانی فی الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ بلفظ من صلی فی آخر جمعۃ من رمضان خمس الصلوات المفروضۃ فی الیوم واللیلۃ قضت عنہ مااخل بہ من صلوات سنۃ وقال ھذا موضوع بلاشک ولم اجدہ فی شئ من الکتب التی جمع مصنفوھا فیھا الاحادیث الموضوعۃ ولکن اشتھر عند جماعۃ من المتفقھۃ بمدینۃ صنعاء فی عصرنا ھذاو صار کثیر منھم یفعلون ذلک لا ادری من وضع لھم فقبح اللّٰہ الکذابین انتھی.

(مجموعہ سبع رسائل، ص۵۲، الاثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، بحوالہ، فتاویٰ فریدیہ)

شیخ شوکانی نے فوائد مجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں ذکر کیا ہے کہ حدیث: جس نے جمعۃ الوداع کو پانچ فرض نمازیں ادا کی تو اس کی ایک سال کی نمازیں ادا ہو جائے گی، یہ حدیث بلا شک وشبہ موضوع ہے، اور میں نے اس کو ان کتابوں میں نہیں دیکھا جن میں ان کے مصنفین نے احادیث موضوعہ جمع کی ہیں، لیکن ہمارے دور میں یہ صنعاء علاقے میں ان لوگوں میں مشہور ہے جو تکلف سے فقہاء بنے ہوئے ہیں، اور یہ (قضاء عمری کا) عمل ان میں اکثر لوگ کر رہے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ یہ عمل کس نے ایجاد کیا ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹوں کو تباہ کرے۔

علماء بریلوی کے امام اعلحضرت مولانا احمد رضا خان افغانی قندھاری لکھتے ہیں:

''علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری در موضوعات کبیر گوید، **حدیث: من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان كان ذالک جابراًلكل صلوٰۃ فائتة فی عمره الی سبعین سنة باطل قطعا لانه منا قض للاجماع علی ان شيئاً من العبادات لا يقوم مقام فائتة سنوات الخ** امام حجر مکی در تحفہ شرح منہاج الامام النووی باز علامہ زرقانی در شرح مواھب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ فرمایند،

ا قبح من ذلک ما اعتيد فی بعض البلاد من صلوٰۃ الخمس فی هذه الجمعة عقب صلاتها زاعمين انها تكفر صلوات العام او العمر المتروكة وذلک حرام لوجوه لاتخفی.

(فتاویٰ رضویہ، ص۲۶۱، جلد سوم۔ المجدد احمد رضا اکیڈمی طبع اول)

ملا علی قاری کی عبارت کا ترجمہ گزشتہ صفحات پر گزر چکا ہے، آگے لکھتے ہیں:

سب سے زیادہ قبیح وہ عمل ہے جو بعض شہروں میں نماز جمعہ کے بعد پانچ نمازیں اس نیت سے ادا کرتے ہیں کہ یہ ایک سال یا ساری عمر کی قضاء شدہ (متروک) نمازوں کا کفارہ ہو جائیں، یہ کئی وجوہ سے حرام ہے، جو (گہری نظر رکھنے والے علماء سے) پوشیدہ نہیں۔

عظیم محدث ومفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب مذکورہ حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس قضاء عمری کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے: **من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان كان ذالک جابراًلكل صلوٰۃ فائتة فی عمره الی سبعين سنة.** یہ حدیث باطل محض موضوع ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ ص۲۷۲ جلد اول)

ہمارے ہم عصر علماء دیوبند کے استاذ العلماء والمشائخ مفتی محمد فرید صدیقی نقشبندی لکھتے ہیں:

''هذا موضوع والموضوع لا يصح الاستدلال به لافی الفضائل ولا فی غيره''

(فتاویٰ فریدیہ ص۶۲۲ جلد دوم)

یہ حدیث موضوع ہے اور موضوع حدیث فضائل وغیرہ میں قابل استدلال نہیں ہوتی۔

مندرجہ بالا عبارات محدثین وفقہاء سے معلوم ہوا کہ مروجہ قضاء عمری کے بارے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہے وہ موضوع، باطل محض (من گھڑت) ہیں۔

قارئین کرام: اب ہم ذرا موضوع حدیث سے متعلق کچھ سطور لکھنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

الشیخ الدکتور محمد طحان لکھتے ہیں:

الموضوع تعریفه لغتا هو اسم مفعول من وضع الشئ ای حطه سمی بذلک لا نحطاط رتبته اصطلاحا هو الکذب المختلق المصنوع المنسوب الی رسول اللهﷺ رتبته هو شر الاحادیث الضعیفة واقبحها وبعض العلماء یعتبره قسما مستقلا لکن لیس نوعا من انواع الاحادیث الضعیفة .

حکم روایته: اجمع العلماء علی انه لا تحل روایته لا حد علم حاله فی ای معنی کان الامع بیان وضعه لحدیث مسلم من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین.

(تیسیر مصطلح الحدیث،ص۸۸+۸۹قدیمی کراچی)

موضوع کی لغوی تعریف:

یہ وضع الشئ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی گرا ہوا۔ موضوع کو موضوع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا رتبہ گرا ہوا ہوتا ہے۔

موضوع کی اصطلاحی تعریف:

یہ وہ من گھڑت جھوٹ ہے جس کو آپﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

موضوع حدیث کا رتبہ:

یہ ضعیف احادیث سے شریر اور قبیح ترین ہے۔ بعض علماء نے اس کو ایک الگ مستقل قسم (حدیث) مانا ہے لیکن یہ ضعیف احادیث کی قسموں میں سے نہیں ہے

موضوع حدیث کی روایت اور بیان کرنے کا شرعی حکم:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی کے لئے بھی موضوع احادیث کی روایت جائز نہیں، چاہے جس معنی میں بھی ہو۔ ہاں اگر اس کی وجہء موضوعیت بیان کررہا ہوں تو پھر جائز ہے کیونکہ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ آپﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ سے حدیث بیان کی اور اسے معلوم بھی ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں ایک جھوٹا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

’واتفقوا علی تحریم روایة الموضوع الامقرونا ببیانه لقولهﷺ من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین اخرجه مسلم. (شرح نخبۃ الفکر ص۷۳ فاروقی کتب خانہ ملتان)

فضیلۃ العلامہ السید الشریف علی الجرجانی لکھتے ہیں:

ولا یحل روایۃ الموضوع للعالم بحالہ فی ای معنی کان الامقرونا ببیان الوضع ویعرف باقرار واضعہ اور کاکۃ الفاظۃ اوبالوقف علی غلطہ (رسالۃ اصول الحدیث، مقدمہ ترمذی شریف)

امام ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشہر زوری المعروف با بن الصلاح م ۶۴۲ھ لکھتے ہیں:

معرفۃ الموضوع وھو المختلق المصنوع: اعلم ان الحدیث الموضوع شر الاحادیث الضعیفۃ لا تحل روایتہ لا حد علم حالہ فی ای معنی کان الامقرونا ببیان وضعہ .... والواضعون للحدیث اصناف واعظمھم ضرراً قوم من المنسوبین الی الزھد وضعوا الحدیث احتساباً فیما زعموا فتقبل الناس موضو عاتھم.

(مقدمہ ابن الصلاح ،ص ۴۷۔اسلامی اکادمی لاہور)

ابن صلاح موضوع حدیث کی تعریف اور حکم ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

من گھڑت (موضوعی) احادیث گھڑنے والوں کی کئی قسمیں ہیں۔سب سے زیادہ ضرر رسان گروہ (قسم) وہ عباد، زہاد (جعلی صوفیاء اور پیران) ہیں جو ثواب کے لئے اپنے (فاسد) ذہن سے احادیث گھڑ لیتے ہیں، اور پھر لوگ (ان کی بزرگی اور تصوف کو دیکھ کر) ان کی من گھڑت احادیث قبول کر لیتے ہیں (اور عمل شروع کر دیتے ہیں)۔

علامہ ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

قد فصلت الکلام علی ھذا الحدیث الموضو ع وما یتعلق بہ فی رسالتی ردع الاخوان عما احد ثوہ فی آخر جمعۃ رمضان .

(مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ،ص ۱۳،امدادیہ ملتان)

قضائے عمری سے متعلق موضوع حدیث اور اس کے متعلق میں نے اپنے رسالے ''ردع الاخوان عما احدثوہ فی آخر جمعۃ رمضان'' میں تفصیل بیان کی ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح (لبنان) لکھتے ہیں:

موضوع وہ حدیث ہے جو خود گھڑ کر آنحضورﷺ یا صحابہ کی طرف منسوب کر دی جائے۔ہم نے موضوع کو حدیث کی قسموں میں اس لئے شمار نہیں کیا کہ موضوع نفس الامر اور واقع میں حدیث نہیں ہوتی، البتہ اس کا واضع اس کو حدیث کے حکم میں شامل کرتا ہے ....جب حدیث موضوع کا لفظ پڑھا یا سنا جائے تو اس میں حدیث کا لفظ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی نقل وروایت حرام ہے۔ (علوم الحدیث (مترجم) ص ۱۸۴ ملک سنز فیصل آباد)

اب ہم قضاء عمری میں ان علل اور وجوہ کو ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے مروجہ قضاء عمری باطل یا فاسد ہے۔(ادا کرنا ناجائز ہے)

۱) مروجہ قضاء عمری اگر فی نفسہ جائز بھی ہو جائے تو پھر بھی مسجد میں علی الاعلان لوگوں کے سامنے اپنی قضاء نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ نماز قضاء کرنا گناہ اور معصیت ہے۔ اور معصیت کا اظہار کرنا ناجائز ہے۔ علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وینبغی ان لا یطلع غیرہ علی قضاءہ لان التاخیر معصیة فلایظھرھا.

(الدر المختار، ص ۶۵۰، جلد دوم، قبیل باب سجود السہو، مکتبہ حقانیہ پشاور)

قضاء نماز پڑھتے وقت کسی کو اطلاع نہیں دینی چاہیئے، کیونکہ نماز میں تاخیر گناہ ہے، اس لئے اس کو ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

قولہ (وینبغی ....الخ) تقدم فی باب الاذان، انہ یکرہ قضاء الفائتة فی المسجد وعللہ الشارح بماھنا من ان التاخیر معصیة فلایظھرھا وظاھرہ ان الممنوع ھو القضاء مع الاطلاع علیہ سواء کان فی المسجد او غیرہ کما افادہ فی المنح. قلت والظاھر ان ینبغی ھنا للوجوب وان الکراھة تحریمیة لان اظھار المعصیة معصیة.

(شامی، ص ۶۵۰، جلد دوم، قبیل باب سجود السہو، مکتبہ حقانیہ پشاور)

قضاء نماز مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، اس کی علت یہ ہے کہ نماز میں تاخیر معصیت (گناہ) ہے، اس لئے ظاہر نہ کرنا چاہیئے، ظاہر یہ ہے کہ کسی کو اطلاع دیتے ہوئے قضاء نماز پڑھنا ممنوع ہے خواہ مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ، (علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں (لفظ) ینبغی یہاں وجوب کے لئے ہے، اور کراہت سے مراد تحریمی ہے، کیونکہ گناہ کا اظہار بھی گناہ ہے۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

ان الفائتة لاتقضی فی المسجد لمافیہ من اظھار التکاسل فی اخراج الصلوٰة عن وقتھا فالواجب الاخفاء.

(البحر الرائق، ص ۴۵۵، جلد اول، باب الاذان، رشیدیہ کوئٹہ)

فوت شدہ (قضاء) نمازیں مسجد میں نہ پڑھی جائیں، کیونکہ اس میں نماز میں سستی کا اظہار ہے، اس لئے چھپ کر پڑھنا واجب ہے۔

علامہ طاہر بن عبدالرشید لکھتے ہیں:

اذا فاتتہ صلوات عن وقتھا ینبغی ان یقضیھا فی بیتہ ولایقضیھا فی المسجد.

(خلاصۃ الفتاوی، ص ۱۹۲، جلد اول، فصل فی قضاء الفوائت، رشیدیہ کوئٹہ)

جب کسی کی نماز فوت ہو جائے تو چاہیئے کہ وہ اس کی قضاء گھر میں کرے نہ کہ مسجد میں۔

علامہ ملا خسرو حنفی لکھتے ہیں:

وفی مجمع الفتاوی اذا قضی الفائتة ینبغی ان یقضیها فی بیته لا فی المسجد حتی لایقف الناس علی ذلک لان تاخیر الصلوة عن الوقت معصیة فلا ینبغی ان یطلع علیه غیره.

(الدررالحکام فی شرح غررالاحکام،ص۱۲۷،جلداول،مطبوعہ میر محمد کراچی)

جب کوئی شخص اپنی فوت شدہ نماز ادا کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ گھر میں نماز پڑھے نہ کہ مسجد میں، تاکہ لوگوں کو اس کے نماز چھوڑنے کے گناہ کا پتہ نہ چلے کیونکہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنا گناہ ہے اور اپنے گناہ کا اظہار کرنا مناسب نہیں۔

عبارات فقہاء احناف سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مروجہ قضاء عمری ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں وہ اپنے اس عمل سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اس میں اپنے گناہ کا برملا اظہار کرتے ہیں جو گناہ اور ناجائز ہے۔

۲) مروجہ قضاء عمری میں امام اور مقتدیوں کی نیت میں تضاد ہوتا ہے، کیونکہ قضاء عمری کی نماز پڑھاتے ہوئے امام کی نیت یا تو نفل نماز کی ہوگی، یا فرض کی، اگر امام نے قضاء شدہ فرض نماز کی نیت کی، تو اس صورت میں یا تو امام نے معین ظہر کی نیت کی ہوگی، یا مطلق ظہر کی۔ اگر مطلق ظہر کی نیت کی تو اس صورت میں فرض ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ قضاء میں تعیین نماز کی نیت شرط ہے، مثلاً فلان دن کی فلان نماز کی نیت کرتا ہوں۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

ولا بد من التعیین عند النیة لفرض انه ظهر او عصر قرنه بالیوم او الوقت اولا هو الاصح ولو الفرض قضاء لکنه یعین ظهر یوم کذا علی المعتمد. (الدرالمختار،ص۴۱۸،جلداول،مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

معلوم ہوا کہ جب امام کی فرض نماز ادا نہ ہوئی تو مقتدی کی تو بدرجہ اولیٰ ادا نہ ہوئی، کیونکہ قضاء عمری پڑھاتے ہوئے امام پہلے سے مقتدیوں کو یہ بتاتے ہیں کہ آپ لوگ نیت یوں کریں۔ ''نیت کی میں نے اس نماز کی جو نماز ہمارے امام صاحب ادا کرتے ہیں الخ'' اور اگر امام نے کسی معین ظہر یا عصر وغیرہ کی قضاء کی نیت کی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی نماز مقتدی کی بھی قضاء ہوئی ہو، تو اس سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں نے فرض نماز ظہر یا عصر وغیرہ کی نیت تو کی لیکن امام صاحب نے کسی اور وقت کی قضاء نماز کی نیت کی ہے اور مقتدیوں نے اپنے اپنے حساب سے کسی اور قضاء کی نیت کی، تو اس صورت میں بھی یہ نماز ادا نہ ہوئی کیونکہ با جماعت نماز کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ مقتدی اور امام کی نماز ایک ہی ہو، یہ نہ ہو کہ امام کسی دوسرے دن کی ظہر وغیرہ کی نیت کرے اور مقتدی کسی دوسرے دن کی ظہر وغیرہ کی نیت کرے۔ امام ابوالبرکات النسفی لکھتے ہیں:

وفسد اقتداء رجل بامرأة......وبمفترض آخر.

(کنزالدقائق،ص۲۹،باب الامامۃ،مطبوعہ قدیمی کراچی)

اگر کوئی کسی ایسے امام کی اقتداء کرے جو کوئی اور فرض پڑھ رہا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

اوبامام یصلی فرضا غیر فرض المقتدی.......فلا بد من الاتحاد وھو المعدوم.

(البحر الرائق،ص۶۳۱،جلداول،باب الامامۃ،رشیدیہ کوئٹہ)

اگرکوئی ایسے امام کی اقتداء کرے جوکوئی اورفرض پڑھ رہا ہوتواس کی نماز فاسد ہوجائے گی،کیونکہ امام اورمقتدی کی نماز میں اتحاد ضروری ہے،اوروہ یہاں معدوم ہے۔

امام مرغینانی لکھتے ہیں:

قال ولا من یصلی فرضا خلف من یصلی فرضا آخر لان الاقتداء شرکۃ وموافقۃ فلا بد من الاتحاد.

(ہدایہ،ص۱۲۷،جلداول،باب الامامۃ،مطبوعۃ شرکت علمیہ ملتان)

فرض پڑھنے والے کی نمازاس امام کے پیچھے نہ ہوگی جوکوئی اورفرض پڑھ رہا ہو،کیونکہ اقتداءشرکت اورموافقت کا نام ہے،اس لئے اس میں اتحادلازمی ہے۔

امام حدادیمنی لکھتے ہیں:

(قولہ ولامن یصلی فرضا خلف من یصلی فرضا آخر)لان الاقتداء شرکۃ وموافقۃ فلابد من الاتحاد وسواء تغایرا الفرضان اسما اوصفۃ کمن صلی ظھر امس خلف من یصلی ظھر الیوم فانہ لا یجوز.

(الجوہرۃ النیرۃ،ص۷۳،جلداول،مطبوعہ امدادیہ ملتان)

امام اورمقتدی کی نمازوں میں اتحادضروری ہے،اس لئے اگرکوئی گزشتہ دن کی ظہر کی نماز آج کی ظہر کی نماز پڑھنے والے امام کی اقتداء میں پڑھے گا تونماز نہ ہوگی۔(جائزنہیں)

امام عبیداللہ بن مسعودبن تاج الشریعۃ لکھتے ہیں:

ومفترض فرضا آخر لان الاقتداء شرکۃ فیجب الاتحاد.

(شرح الوقایۃ،ص۱۷۷،جلداول،فصل فی الجماعۃ،مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شرنبلالی الحنفی لکھتے ہیں:

وان لا یکون الاما م مصلیا فرضا غیر فرضہ ای فرض الماموم کظھر وعصر وظھرین من یومین للمشارکۃ ولابد فیھا من الاتحاد.

(مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی،ص۱۵۸،باب الامامۃ،میرمحمد کتب کراچی)

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

(للمشارکۃ)ای لان المقتدی مشارک للامام فلا بد من الاتحاد لتکون صلوٰۃ الامام متضمنۃ لصلوٰۃ المقتدی.

(طحطاوی،ص ۱۵۸، میر محمد)

مندرجہ بالاعبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی نماز اس وقت صحیح ہوگی جب امام اور مقتدی کی نیت ایک ہی نماز کی ہو، کیونکہ دونوں کی نیتوں میں اتحاد شرط ہے لیکن یہ اتحاد نیت و نماز مروجہ قضاء عمری میں ناپید ہے کیونکہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ امام نے کس دن کی ظہر کی نیت کی، اور امام کی نیت پر مقتدی کی نیت ہوتی ہے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ اس دن کی ظہر کی نماز مقتدی کی بھی قضاء ہوئی یا نہیں، حالانکہ مقتدی نے امام کی اسی معین ظہر کی نماز کی نیت کی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ قضاء عمری کی نماز ادا کرتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اگر امام پر نفس الامر میں کوئی قضاء نماز فرض ہو تو یہ پانچ نمازیں امام کی فرض نماز ہوگی، ورنہ خود بخود نفل ہو جائے گی، جیسا کہ قضاء عمری کے مثبتین (جائز ماننے والوں) میں سے ایک عالم دین مولانا سید احمد شاہ المعروف میاں صاحب اخون کلے سوات لکھتے ہیں:

حاصل یہ کہ اگر نماز پڑھنے والے پر نفس الامر میں قضاء نمازیں فرض ہوں تو یہ پانچ نمازیں جو رمضان المبارک کے آخری جمعے کے دن پڑھی جاتی ہیں، یہ فرض عین نماز ہے اور اگر نفس الامر میں اس شخص پر قضاء نماز نہ ہو تو یہ نماز نفل ہو جائے گی۔

(شمس المعارف ص ۴۸)

معلوم ہوا کہ نیت کرتے وقت امام کی نیت فرض کی ہوتی ہے اور مقتدیوں کو بھی اعلان کر دیتے ہیں کہ اب ہم فجر کی دو رکعت فرض پڑھ رہے ہیں، پھر اعلان ہوتا ہے کہ اب ہم ظہر کی چار رکعت فرض نماز پڑھیں گے۔ علی ہذا القیاس پانچوں نمازیں وتر سمیت میں یہ اعلان ہوتا ہے اور امام اور مقتدی باقاعدہ ہر نماز میں فرض کی نیت کرتے ہیں حالانکہ صاحب شمس المعارف کے قول سے معلوم ہوا کہ کبھی امام کی نماز نفل بھی بن جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ امام کی نماز نفل بن گئی ہوتی ہے، اور مقتدی حضرات فرض نماز کی نیت کئے ہوتے ہیں، تو امام متنفل (نفل پڑھنے والا) اور مقتدی مفترض (فرض پڑھنے والے) بن گئے۔ حالانکہ ایسی صورت میں نماز نہیں ہوتی، کیونکہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مقتدیوں کی نماز تب ہوگی کہ امام ان سے اعلیٰ حالت میں ہو، مگر یہاں معاملہ الٹا ہو گیا کہ امام ادنی حالت (نفل) میں ہے اور مقتدی اعلیٰ حالت (فرض) میں ہیں، اس لئے یہ نماز صحیح نہ ہوئی۔

امام ابوالبرکات النسفی لکھتے ہیں:

وفسد اقتداء رجل بامرأة ....ومفترض بمتنفل.

(کنز الدقائق ص ۲۹۔ باب الامامۃ مطبوعہ حقانیہ ملتان)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

ای وفسد اقتداء المفترض بامام متنفل.

(البحر الرائق ص ۶۳۱، جلد اول، باب الامامۃ، رشیدی کوئٹہ)

فرض پڑھنے والے مقتدی کی نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

امام مرغینانی لکھتے ہیں:

ولايصلي المفترض خلف المتنفل لان الاقتداء بناء ووصف الفرضية معدوم في حق الامام فلايتحقق البناء على المعدوم.

(ہدایہ،ص۱۲۷،جلداول، باب الامامۃ،مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا، کیونکہ فرضیت کا وصف امام میں معدوم ہے،اور معدوم کی اقتداء نہیں کی جاسکتی۔

امام عبیداللہ بن مسعود تاج الشریعۃ لکھتے ہیں:

ومفترض بمتنفل لان بناء القوى على الضعيف لايجوز.

(شرح الوقایۃ،ص۱۷۷،جلداول،فصل فی الجماعۃ،مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا، کیونکہ قوی کیلئے ضعیف کی اقتداء جائز نہیں۔

امام حدادیمنی لکھتے ہیں:

(قوله لا يصلي المفترض خلف المتنفل)لان الاقتداء بناء ووصف الفرضية معدوم في حق الامام فلايتحقق البناء على المعدوم. (الجوہرۃ النیرۃ،ص۷۳،جلداول،مطبوعہ امدادیہ ملتان)

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

ان لا يكون الامام ادنیٰ حالا من الماموم كافتراضه وتنفل الامام. (مراقی الفلاح،ص۱۵۸، باب الامامۃ، میر محمد کراچی)

امام مقتدی سے ادنیٰ حالت میں نہیں ہوگا، کہ مقتدی فرض پڑھ رہا ہو،اور امام نفل پڑھ رہا ہو۔

مندرجہ بالا عبارات فقہاء کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدیوں اور امام کی نماز کی صحت (صحیح ہونے) کے لئے یہ شرط ہے کہ امام مقتدی سے اعلیٰ حالت میں ہو، یعنی اگر امام فرض نماز میں ہو، مثلاً ظہر یا عشاء کی نماز پڑھا رہا ہو اور کوئی شخص نفل کی نیت سے اقتداء کرے تو نماز ہو جائے گی، اور اگر امام نفل نماز میں ہو اور مقتدی فرض کی نیت کر کے اقتداء کریں، تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ جیسا کہ مروجہ قضاء عمری میں ہے۔

۴) اگر مروجہ قضاء عمری میں امام اور مقتدی سب کی نیت شروع ہی سے نفل نماز کی ہو تو اس صورت میں بھی نماز بقول فقہاء مکروہ ہے، کیونکہ یہ نفل باجماعت ادا کی جاتی ہے، اور نفل بالجماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے، اور تداعی کا معنی اگر بلانا کیا جائے تو یہ (بلانا اور دعوت دینا) مروجہ قضاء عمری میں بڑے اہتمام کے ساتھ رائج ہے، کیونکہ پورے سال اس نماز کا انتظار کیا جاتا ہے، اور جب جمعۃ الوداع قریب آتا جاتا ہے تو اس سے پہلے پہلے قدیم وجدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اطلاع دی جاتی ہے کہ فلاں مسجد میں فلاں امام صاحب قضاء عمری کی نماز ادا کریں گے، تمام معتقدین ومتوسلین جوق در جوق شرکت فرما کر اپنی قضاء شدہ نمازوں کی تلافی کیجئے۔ اور پھر پٹھانوں کے علاقوں میں تو العیاذ باللہ مثبتین قضاء عمری جمعۃ الوداع جیسے عظیم دن کے موقع پر منبر رسول اللہ ﷺ پر ان کتابوں اور رسالوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، جوان

کے ہم خیال علماء نے اس مسئلے کی اثبات میں لکھی ہوتی ہیں، اور با قاعدہ اس جمعۃ الوداع کی تقریر صرف اور صرف اس موضوع پر ہوتی ہے کہ آج ہم قضاء عمری کی نماز پڑھیں گے، اس عمل میں اتنے سالوں کی نمازوں کی تلافی ہوگی یا جو خامیاں نمازوں میں رہ چکی ہیں، ان کی معافی ہوجائے گی، اور یہ مروجہ قضاء عمری مستحب ہے۔ اور بقول صاحب شمس المعارف مروجہ قضاء عمری کے اثبات میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے اس کے بموجب مروجہ قضاء عمری واجب ہے جیسا کہ موصوف خود لکھتے ہیں:

نہایہ کی حدیث پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کا ترک کرنا معصیت ہے، کیونکہ نہایہ کا مصنف مجتہد ہے۔

(شمس المعارف ص ۱۵)

کچھ آگے چل کر مروجہ قضاء عمری کے مثبتین کی تقریر کچھ یوں ہوتی ہے کہ:

قضاء عمری مستحب، واجب ہے، اور جو اس کو ادا نہ کرے یا نہ مانے گناہ گار تو کیا وہ ابوجہل کے بچے (پیروکار) ہیں، کیونکہ ابوجہل نے بھی نماز پڑھنے سے لوگوں کو منع کیا تھا اور یہ مانعین قضاء عمری بھی لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ اور دلیل میں آیت قرآنی سے استدلال کرتے ہیں۔

ارایت الذی ینھیٰ. عبدا اذا صلی.(الایة) (العیاذ باللہ)

اور جو شخص مروجہ قضاء عمری نہیں مانتا، اور اس کو بدعت یا ناجائز کہتا ہے وہ وہابی ہے، اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ انتھی۔

اور اگر تداعی سے مراد وہ لیا جائے جو فقہاء لکھتے ہیں کہ نفل نماز میں چار یا اس سے زیادہ افراد مل کر باجماعت نفل پڑھیں گے تو نماز مکروہ ہوگی۔ تو یہ تداعی بھی مروجہ قضاء عمری میں پائی جاتی ہے، کیونکہ اپنے حلقے کے لوگ تو کیا دور دراز علاقوں سے سینکڑوں افراد جمع ہو کر مروجہ قضا عمری میں شریک ہوتے ہیں اور یہ بقول فقہاء کرام مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

التطوع بالجماعة اذاکان علی سبیل التداعی یکرہ .... قال شمس الائمة الحلوانی ان کان سوی الامام ثلاثة لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انه یکرہ.

(فتاویٰ ہندیہ، ۸۳، جلد اول، الباب فی الامامۃ، الفصل الاول، رشیدیہ کوئٹہ)

تداعی کے طور پر نفل کی جماعت مکروہ ہے، شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں، اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوتو بالاتفاق مکروہ نہیں، اور اگر چار افراد ہوتو صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

علامہ طاہر بن عبدالرشید لکھتے ہیں:

وعن شمس الائمة السرخسی ان التطوع بالجماعة انما یکرہ اذاکان علی سبیل التداعی امالو اقتدی واحد او اثنان بواحد لا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقا.

(خلاصۃ الفتاوی، ص ۱۵۳، جلد اول، الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتداء، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں نفل کی جماعت اس وقت مکروہ ہے جب تداعی کے طور پر ہو، اگر دو افراد نے امام کی اقتداء کی تو

جائز ہے، اور اگر چار نے اقتداء کی تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

امام طحطاوی لکھتے ہیں:

واما وتر غيره وتطوعه فمكروهة فيهما على سبيل التداعى قال شمس الائمة الحلوانى ان اقتدى به ثلاثة لا يكون تداعيا فلا يكره اتفاقا وان اقتدى به اربعة فالا صح الكراهة.

(طحطاوی، ص ۱۵۶، باب الامامۃ، مطبوعہ میر محمد کراچی)

مولانا محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

نماز نفل جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے، اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے۔

ولا يصلى الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اى يكره ذلك لو على سبيل التداعى بان يقتدى اربعة بواحد كما فى الدر وفى الاشباه عن البزازيه يكره الاقتداء فى صلوٰة رغائب وبراة وقدر.

ردالمحتار میں ہے: **والنفل بالجماعة غير مستحب لانه لم تفعله الصحابة فى غير رمضان. وهو تعالىٰ اعلم**

(فتاویٰ امجدیہ، ص ۲۴۳، جلد اول، باب الوتر والنوافل)

مفتی جلال الدین امجدی صاحب لکھتے ہیں:

بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی کے معنی ہیں ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا، اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے، جس کی تحدید یوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز، اور تین میں اختلاف، اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ ھکذا فی الفتاویٰ الرضویہ وھوتعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ فیض الرسول، ص ۳۴۲، شبیر برادرز لاہور)

مفتی محمد وقار الدین صاحب لکھتے ہیں:

مذہب حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کر کے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھنا مکروہ ہے۔ (وقار الفتاویٰ، ص ۲۲۶، جلد دوم)

مندرجہ بالا عبارات فقہاء احناف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی نفل نماز جس میں چار یا اس سے زیادہ افراد مل کر جماعت سے پڑھتے ہیں تو یہ احناف کے نزدیک مکروہ ہے، تو اگر مروجہ قضاء عمری کو بہ نیت نفل پڑھتے ہیں تو پھر بھی با جماعت تداعی کی علت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

قارئین حضرات: مروجہ قضاء عمری میں فساد یا کراہت نماز کے جو احتمالات درپیش ہیں، وہ ہم نے ہدیہ قارئین کر دیئے۔ اب ہم اس حدیث کی طرف چلتے ہیں جو استفتاء میں مروجہ قضاء عمری کے ماننے اور ادا کرنے والوں کی طرف سے بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اگر ان روایات پر عمیق نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مروجہ قضاء عمری کے اثبات میں پیش کی جانے والی روایات

میں بھی اختلاف (تضاد) ہے۔اور پھر وہ علماء اور آئمہ جو مروجہ قضاءِ عمری کو با قاعدہ جاری کئے ہوئے ہیں ان کے اقوال میں اس سے بڑھ کر تضاد ہے۔صورت مسئولہ میں مذکورہ احادیث اور جدید علماء کے بیان بازی میں تضاد کا نمونہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

علامہ سغناقی لکھتے ہیں:

من قضی صلٰوۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من شھر رمضان کان ذلک جابرا لکل صلٰوۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ.

(نہایہ شرح ہدایہ)

جس نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو قضاء شدہ فرائض میں سے ایک قضاء شدہ فرض کو ادا کیا تو یہ اس شخص کے ستر (۷۰) سالوں کے فوت (قضاء) شدہ نمازوں کے لئے جبیرہ (کفارہ) ہوجاتا ہے گا۔

فتاویٰ نورالھدیٰ میں مروجہ قضاءِ عمری کے بارے میں متعدد روایتیں کچھ یوں ہیں:

قال رسول اللّٰہ ﷺ من قضی اخر الجمعۃ فی شھر رمضان خمس صلٰوت ویختم بالوتر کان کمن صلی صلٰوۃ سبعین سنۃ ومن سراج المنیر من صلی قضاء خمس صلٰوۃ فی آخر شھر رمضان فی یوم الجمعۃ بعد الظھر ویؤذن لکل وقت یسقط عن رقبتہ مافات فی سنۃ. (فتاویٰ نورالھدیٰ،ص۴۹،مطبوعہ میر محمد کراچی)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو پانچ نمازیں مع وتر پڑھ لی تو گویا کہ اس نے ستر سالوں کی نمازیں پڑھ لی۔اور سراج المنیر میں ہے،جس نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ظہر کے بعد اذان کے ساتھ پانچ قضاء نمازیں پڑھ لی،تو اس شخص سے ایک سال کی فوت شدہ نمازیں ساقط ہوجائے گی۔

فتاویٰ نورالھدیٰ میں کچھ یوں بھی ہے:

''اسناد ای نماز از حضرت رسالت پناہ ﷺ منقول است ہر کہ را نماز ہا قضا شدہ باشد و نداند عدد او کہ چند است باید کہ روز جمعہ چہار رکعت نفل بیک سلام بگزارد و بخواند در ہر رکعتے بعد فاتحہ آیۃ الکرسی ہفت بار و انا اعطینا پانزدہ بار،امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ گفت کہ از پیغمبر ﷺ شنیدم اگر ہفت صد سال نماز وی قضا شدہ باشد کفارت شود، یاران گفتند یا رسول اللہ عمر آدمی از ہفتاد یا ہشتاد بیش نیست چندیں صفت چیست؟ فرمودند نماز او و نماز مادر و پدران و نماز فرزندان کہ قضا شدہ باشد ہمہ قبول افتد،ونیت نماز اینست،

نویت ان اصلی للّٰہ تعالیٰ اربع رکعات تقصیراً وتکفیراً لقضاء مافاتت منی فی جمیع عمری صلٰوۃ النفل متوجھا.

(فتاویٰ نورالھدیٰ ص۴۸)

اس نماز کی سند حضور ﷺ سے منقول ہے۔ جس شخص کی نمازیں قضا ہوئیں اور اس کو معلوم نہیں کہ کتنی نمازیں قضا ہوئیں تو اس کو چاہئے کہ جمعہ کے دن چار رکعت نفل ایک سلام کے ساتھ پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ آیت الکرسی اور پندرہ مرتبہ سورۂ کوثر پڑھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول مقبول ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ اگر کسی سے سات سو (۷۰۰) سال کی نمازیں قضا ہو جائیں تو یہ نماز (مذکورہ) ان سب کا کفارہ ہو جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آدمی کی عمر تو ستر، اسی سال سے زیادہ نہیں ہوتی اس نماز کی اتنی اہمیت کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ صرف اس شخص کی نہیں بلکہ ان کے والدین اور اولاد کی قضاء شدہ نمازیں سب کی سب قبول ہو جائیں گی، اور اس نماز کی نیت یوں ہے۔ میں نے چار رکعت اس نفل نماز کی نیت کی جو میری تمام عمر کی تمام قضاء (فوت) شدہ نمازوں کے کفارہ اور معافی کے لئے ہے الخ۔

قارئین کرام: یہ ہیں وہ دلائل کہ جن کو مروجہ قضاء عمری کے عاملین اور مثبتین پیش کرتے ہیں، آپ نے ان روایات میں تضاد ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ

۱) بعض میں رمضان المبارک اور پھر جمعۃ الوداع کی صراحت کے ساتھ ساتھ پانچ فرائض مع وتر نماز کا حکم ہے۔

۲) اور بعض میں رمضان وجمعۃ الوداع کی صراحت کے ساتھ صرف پانچ نمازوں اور اذان کا بھی حکم ہے۔

۳) اور بعض میں صرف جمعہ کی صراحت ہے نہ کہ رمضان المبارک کی، اور اس میں صرف چار رکعت نفل کا ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔

۴) اور بعض میں قضاء شدہ فرائض میں سے صرف ایک قضاء نماز کا جمعۃ الوداع کے دن پڑھنے کا حکم ہے۔

عزیزان محترم: یہ مذکورہ تضاد تو صرف مروجہ قضائے عمری کی رکعتوں کے درمیان ہے، اب اس تضاد کے ساتھ ساتھ مروجہ قضاء عمری پر جو ثواب اور ثمرہ مرتب ہوتا ہے اس کے درمیان بھی تضاد ملاحظہ فرمائیے۔

۱) بعض روایتوں میں یہ نماز ستر سالوں کی قضاء شدہ نمازوں کے لئے کفارہ (جبیرہ) ہے۔

۲) یہ نماز پڑھنے والا گو یا ستر سال کی قضاء نمازیں ادا کرتا ہے۔

۳) جس نے یہ نماز پڑھی تو اس کے ذمہ سے ایک سال کی قضاء (فوت) شدہ نمازیں ساقط ہو جائیں گی۔

۴) جس نے یہ نماز پڑھی تو خود اس کی اور اس کے والدین اور اولاد کی تمام قضاء شدہ نمازیں قبول ہو جائیں گی۔

اب دور حاضر (اور ماضی قریب) کے علماء (جو مروجہ قضاء عمری کے عاملین ومثبتین ہیں ان) کے اقوال کچھ یوں ہیں۔

۱) جو حضرات مروجہ قضاء عمری سے لوگوں کو منع کرتے ہیں، تو وہ ابوجہل کے پیروکار ہیں، اور اس آیت کے وعید کے تحت داخل ہیں: ارأیت الذی ینهی عبدا اذا صلی (الایة) آپ نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو بندے کو (مروجہ قضاء عمری کی) نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔

۲) جو شخص مروجہ قضاء عمری کو بدعت اور ناجائز کہتا ہے وہ وہابی اور خارجی ہے، اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۳) مروجہ قضاءعمری پرعمل کرنا بقول صاحب نہایہ واجب ہے، اوراس کا ترک کرنا معصیت ہے۔اور مروجہ قضائے عمری کا رد کرنا اصل میں شارع کا رد کرنا ہے، اور شارع کا رد کرنا یہ خواہش پرستی اور حماقت ہے۔

قارئین کرام: یہ ہیں وہ احتمالات جن کو دیکھتے ہوئے قضاءعمری کی مروجہ نماز کو فقہاء کرام نے مکروہ، بدعت، ناجائز اور فاسد قرار دیا ہے۔لیکن تعجب ہے ان مثبتین پر جو قضائے عمری کی مروجہ نماز کے جواز پر مناظروں کے لئے ہروقت تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو وقتی فرض نماز کے اہتمام کے لئے نہ تو یہ علماء سختی سے لوگوں کو تلقین کرتے ہیں، اور نہ فرض نماز کو ترک کرنے والے پر کوئی لعن طعن کرتے ہیں، جیسا کہ مروجہ قضائے عمری کے ترک کرنے والوں اور مروجہ قضائے عمری کو بہت سے احتمالات فساد کی وجہ سے منع کرنے والوں پر لعن طعن کرنے میں شریعت کے حدود کو پار کرکے کوئی ابوجہل کے پیروکار، کوئی وہابی، خارجی، کوئی معصیت کے مرتکب کے فتوے لگا دیتے ہیں۔(العیاذ باللہ)، حالانکہ فقہاء کے مذکورہ اقوال سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو علماء اور عوام اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں، ان کو ایسی نماز مذکورہ وجوہات کی بناء پر پڑھنا ناجائز ہے، اور پھر سب سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ مروجہ قضاءعمری کی نماز پاکستان کے جس کونے میں بھی پڑھی جاتی ہے باجماعت پڑھی جاتی ہے، کہیں بھی نہیں دیکھا گیا ہوگا کہ یہی مروجہ قضائے عمری انفرادی طور پر جمعۃ الوداع کو پڑھی گئی ہو، حالانکہ مثبتین کے جتنے بھی دلائل ہیں ان سب میں جماعت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ مروجہ قضائے عمری باجماعت ادا کی جائے۔

اب ہم ذیل میں برصغیر پاک وہند کے دو مشہور مکاتب فکر دیوبندی اور بریلوی آئمہ، فقہاء ومفتیان کے اقوال ہدیہ قارئین کرتے ہیں، تاکہ مروجہ قضائے عمری کے عاملین (دیوبندی یا بریلوی) کو معلوم ہو جائے کہ ہم مسلک دیوبند یا بریلوی کے نام لیوا ہو کر بھی ایسے اعمال کے مرتکب ہو رہے ہیں جن کو ہمارے اسلاف نے بدعت، من گھڑت، ناجائز اور لغو محض فرمایا ہے۔

علماء اہل سنت (بریلوی اور قضائے عمری)

مسلک بریلوی کے امام اعلیٰ حضرت محدث بریلوی لکھتے ہیں:

> نماز قضائے عمری کہ آخر جمعہ ماہ مبارک رمضان میں اس کا پڑھنا اختراع کیا گیا ہے، اوراس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نماز سے عمر بھر کی اپنی بلکہ ماں باپ کی بھی قضائیں اتر جاتی ہیں محض باطل وبدعت شنیعہ ہے۔کسی کتاب معتبر میں اصلا اس کا نشان نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ص۴۵۹، جلد۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلحضرت موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> این طریقہ کہ بہر تکفیر صلوات فائتہ احداث کردہ اند، بدعتے شنیعہ در دین نہادہ اند، حدیثش موضوع وفعلش ممنوع، واین نیت اعتقاد باطل ومدفوع، اجماع مسلمین بر بطلان این جہالت شنیعہ وضلالت فظیعہ قائم ست، حضور پرنور سید المرسلین ﷺ فرمودہ اند،

من نسی صلوٰۃ فلیصلها اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذلک .

ہر کہ نمازے فراموش کرد چوں یاد آید آن نماز باز گزارد، جز ایں مر اورا کفارہ نیست۔ اخرجہ احمد والبخاری ومسلم واللفظ لہ والترمذی والنسائی وغیرھم عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ (فتاویٰ رضویہ، ص ۶۲۱، جلد سوم)

یہ طریقہ (قضاء عمری) جو نمازوں کے کفارہ کے لئے ایجاد کیا گیا ہے دین میں بہت ہی بری بدعت بنائی گئی ہے، اس کی حدیث موضوع اور یہ ادا کرنا ممنوع ہے، اور اس کا اعتقاد رکھنا باطل اور فضول ہے، اس بدترین جہالت اور بری گمراہی کے بطلان پر مسلمانوں کا اجماع قائم ہے، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص نماز بھول جائے تو جیسے ہی یاد آ جائے تو پڑھ لیں اور یہی اس کا کفارہ ہے۔

مسلک بریلوی کے صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

قضائے عمری کہ شب قدر یا اخیر جمعہ رمضان میں جماعت سے پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عمر بھر کی قضائیں اسی ایک نماز سے ادا ہو گئیں یہ باطل محض ہے۔

(بہار شریعت، ص ۴۶، حصہ چہارم، قضاء نماز کا بیان، مطبوعہ شیخ غلام علی کراچی)

مولانا موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

جتنی نمازیں قضاء ہوئیں ہوں ہر ایک نماز کی جگہ ایک ایک نماز پڑھنا فرض ہے، مثلاً اگر پچاس وقت کی نماز ظہر نہیں پڑھی ہے تو قضاء میں پچاس ظہر پڑھنا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ فقط ایک ظہر سے کل ظہر کی قضاء ادا ہو جائے، اس لئے کہ قضا کے معنی تسلیم مثل الواجب ہیں، اور ظاہر ہے کہ پچاس نمازوں کی مثل ایک نماز نہیں۔ درمختار میں قضاء کی یہ تعریف مذکور ہے، **والقضاء فعل الواجب بعد وقته**، تو ایک نماز پڑھنے میں ایک واجب کا فعل ہوا، تو ایک ہی کی قضاء ہوئی، عمر بھر کی تمام قضاؤں کے عوض میں ایک نماز نہیں ہو سکتی۔ اس تعریف کی بناء پر بھی جتنے واجبات ذمہ میں ہوں سب جب تک نہ پڑھے جائیں سب کی قضاء نہ ہوگی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: **کل صلوٰۃ فائت عن الوقت بعد وجوبها فیه یلزمه قضاء ها لھذا**، یہ خیال محض لغو ہے کہ ایک نماز سے عمر بھر کی نمازوں کی قضاء ادا ہو جائے گی، اور قضائے عمری کی نیت سے جو نماز پڑھی ہے وہ عمر بھر کی قضاؤں کے قائم مقام تو ہوئی نہیں مگر اس سے ایک نماز بھی ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں؟ اگر اس کے ذمہ متعدد قضاء نمازیں ہیں اور قضاء عمری میں یہ نیت کی ہے کہ عمر بھر کی مثلاً ظہر کی قضاء نمازیں پڑھتا ہوں کسی خاص دن کے ظہر کی نیت نہیں کی تو اس نیت سے پڑھنے میں ایک وقت کی بھی قضاء نہ ہوئی، کہ قضاء میں تعیین نماز کی نیت شرط ہے مثلاً فلاں دن کی فلاں نماز، اور مطلق ظہر میں چونکہ تعیین و تخصیص نہیں لہذا فرض ذمہ سے ساقط نہیں۔ درمختار میں ہے۔ **ولا بد من التعیین عند النیة بفرض انه ظهر او عصر قرنه بالیوم اوالوقت اولا هو الاصح ولو الفرض قضاء لکنه یعین ظهر یوم کذا علی المعتمد** ۔ اسی واسطے فقہاء فرماتے ہیں جس کے ذمہ متعدد نمازیں ہوں اور دن یاد نہ ہوں وہ قضاء میں یہ نیت کرے کہ جو سب سے پہلی یا سب میں

پچھلی فلاں نماز جومیرے ذمہ ہے وہ پڑھتا ہوں، کہ اس صورت میں تعیین وتخصیص ہوگئی، ہر نماز میں یہی نیت کرے، کہ جو پڑھ چکا اب اس کے بعدوالی سب میں پہلی یا پچھلی ایک ہی ہوگی۔ درمختار میں ہے۔ **والاسھل نیة اول ظھر علیه او آخر ظھر** . پھر اگر اس نے تعیین کر بھی لی اور یہ نماز جماعت سے ہوتو ہوسکتا ہے کہ امام نے جس خاص دن کی ظہر کی نماز کی نیت کی اس خاص نماز کی نیت اس نے نہیں کی ہے مثلاً اس روز کی نماز اس کے ذمہ باقی ہی نہیں یا ہے مگر اس نے اس کی نیت نہیں کی بلکہ اس نے دوسرے دن کی نماز کی نیت کی ہے تو اگر چہ اس نے خاص نماز کی نیت کی مگر چونکہ اقتداء کے لئے اتحاد نماز شرط ہے اور یہ شرط مفقود ہے لہذا اس کی نماز نہ ہوئی درمختار شرائط اقتداء میں ہے: **واتحاد مکانهما وصلاتهما** . نورالایضاح میں ہے: **وان لا یکون مصلیا فرضا غیر فرضه** . بالجملہ یہ بہت نادر ہوگا کہ قضائے عمری میں امام اور تمام مقتدیوں نے ایک ہی دن کی نماز کی نیت باندھی ہو اور جب ایسا نہ ہوتو یہ نماز نفل ہوگی جس کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور نماز نفل با جماعت تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور تداعی کے معنی یہ ہیں کہ چار یا چار سے زیادہ مقتدی ہو۔ درمختار میں ہے: **یکره ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواجب** . اسی واسطے فقہائے کرام صلوٰۃ الرغائب کہ رجب کی پہلی شب جمعہ میں نوافل باجماعت پڑھتے ہیں مکروہ کہتے یونہی شب برات یا شب قدر میں نوافل باجماعت تداعی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے درمختار میں ہے: **یکره الاقتداء فی صلوٰة الرغائب وبراة وقدر** . ردالمختار میں حموی سے ہے: **وقد صنف العلماء کتبا فی انکارها وذمها وتسفیه فاعلهاولا یغیر بکثرة الفاعلین لها فی کثیر من الامصار** .

(فتاویٰ امجدیہ ص۲۷۳۔۲۷۴ جلد اول۔ باب قضاء الفوائت۔ مکتبہ رضویہ کراچی)

مسلک بریلوی کے عظیم مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب مندرجہ بالا فتویٰ کی تحقیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس قضائے عمری کے ثبوت میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے: **من قضی صلوٰة من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان کان ذالک جابراً لکل صلوٰة فائتة فی عمره الی سبعین سنة** . یہ حدیث باطل محض موضوع ہے۔ ملاعلی قاری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں: **باطل قطعا لانه مناقض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات لا تقوم مقام فائتة سنوات** ۔ یہ حدیث قطعا باطل ہے اس لئے کہ یہ اس اجماع امت کے ناقض ہے کہ کوئی عبادت سالہا سال کی فوت شدہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اقول نیز یہ حدیث مناقض ہے اس صحیح حدیث کے جو صحیحین وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: **من نسی صلوٰة فلیصلها اذا ذکرها لا کفارة لها الاذلک** ۔ جو کسی نماز کو بھول جائے (نہ پڑھی ہو) تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی کفارہ نہیں بناء علیہ علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواھب میں فرماتے ہیں: **اقبح من ذلک ما اعتیدفی بعض البلاد من صلوٰة الخمس فی هذه الجمعة عقب صلاتها زاعمین انها تکفر صلوات العام او العمر المتروکة حرام بوجوه لا تخفی** . اس سے براوہ ہے جس کی بعض جگہ عادت ہے کہ اس جمعہ (جمعۃ الوداع) کو نماز جمعہ کے بعد پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں یہ گمان کرکے کہ سال بھر یا

عمر بھر کی چھوٹی ہوئی نمازوں کا کفارہ ہے یہ حرام ہے متعدد وجوہ سے یہ وجوہ اصل فتوے میں مفصل موجود ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ امجدیہ ص۲۷۲+ ۲۷۳ جلد اول)

مولانا شمس الدین احمد رضوی بریلوی لکھتے ہیں:

بعض لوگ شب قدر یا آخر رمضان میں جو نماز قضائے عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عمر بھر کی قضاؤں کے لئے یہ کافی ہے یہ بالکل غلط اور باطل محض ہے۔

(قانون شریعت ص۱۳۳ حصہ اول مطبوعہ کتاب خانہ حاجی نیاز احمد اندرون بوہڑ گیٹ ملتان)

مفتی محمد وقار الدین رضوی بریلوی لکھتے ہیں:

بعض علاقوں میں جو یہ مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کو چند رکعات نماز قضائے عمری کی نیت سے پڑھتے ہیں اور خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ پوری عمر کی قضا نمازوں کے قائم مقام ہے یہ غلط ہے جتنی بھی نمازیں قضاء ہوئی ہیں ان کو الگ الگ پڑھنا ضروری ہے۔

(وقار الفتاویٰ ص۱۳۴ جلد دوم قضاء نمازوں کا بیان)

دور حاضر کے بریلوی مسلک کے محقق عالم حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

بعض ان پڑھ لوگوں میں مشہور ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کو ایک دن کی پانچ نمازیں وتر سمیت پڑھ لی جائیں تو ساری عمر کی قضا نمازیں ادا ہو جاتی ہیں اور اس کو قضائے عمری کہتے ہیں یہ قطعاً باطل ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص۳۵۲ جلد دوم کتاب المساجد فرید بکسٹال لاہور)

(علماء دیوبند اور قضائے عمری)

مفتی دیوبند مفتی عزیز الرحمان صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

رمضان شریف کے آخر میں قضائے عمری بطریق مخصوص پڑھنا ثابت نہیں ہے شامی میں ہے کہ امام صاحب کی طرف اس کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے اور فخر الاسلام اور قاضی خان سے اس کی کراہت نقل کی ہے لہذا اس کو چھوڑنا چاہئے۔(فتاویٰ دیوبند ص۳۴۵،۳۴۶ ج۴، دار الاشاعت کراچی)

مفتی صاحب موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قضائے عمری عند الحنفیہ مشروع نیست پس التزام آں خصوصا در آخر جمعہ رمضان المبارک کہ چار رکعت نفل بہ نیت قضائے عمری ادا کردہ شود شرعا بے اصل ست و این چنین اعتقاد کردن کہ از چار رکعت نفل قضاء صلوات فائتۂ عمر حاصل شود خلاف نصوص صحیحہ وصریحہ وقواعد شرعیہ ست، **لا یعتقد هذا الاعتقاد الفاسد الاجاهل الذی لا یعرف الدین ولا یمیز الغث عن الثمین.** (عزیز الفتاویٰ ص۲۵۴ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

قضائے عمری کے نام سے جو نماز مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخر میں ایک نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ قضائے عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نماز عمر بھر کی قضا نمازوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے یہ تو بدعت اور بے اصل ہے شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

(کفایت المفتی ص ۳۴۷ جلد سوم حقانیہ ملتان)

مفتی صاحب موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

یہ نماز جس کو قضائے عمری کے نام سے ادا کیا جاتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں رائج ہیں، کہیں پانچ نمازیں اذان واقامت کے ساتھ اور کہیں چار رکعت نفل باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ محض بے اصل اور اختراعی ہے شریعت مقدسہ میں اس کی اصل نہیں نہ کسی حدیث میں آئی نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول یا فعل سے ثابت ہے نہ مجتہدین امت سے منقول..... پس اس مصنوعی قضائے عمری کو ترک کرنا ہی شریعت کے موافق ہے کہ یہ بدعت اور بے اصل اور ناقابل اعتماد اور فساد عقیدہ کو مستلزم ہے انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں اور کوئی نفل نماز فرض کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ (کفایت المفتی ص ۳۴۰، ۳۴۱ ج ۳)

مفتیان دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں:

قضائے عمری جو بعض علاقوں میں متعارف طریقہ سے ادا کی جاتی ہے نہ تو آنحضرت ﷺ کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ حضور ﷺ نے خود یہ نماز پڑھی ہے اور نہ اس کی ترغیب فرمائی ہے اسی طرح یہ نماز آنحضرت ﷺ کے صحابہ، تابعین تبع تابعین (رضی اللہ عنہم) کے قول یا فعل سے بھی ثابت نہیں ائمہ اربعہ کے مذہب کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ذکر اور نام و نشان نہیں اس بناء پر یہ نماز یقینی طور پر بدعت ہے اور اس کا فاعل از روئے شریعت مبتدع ہے کتب حنفیہ کی طرف اس کے جواز وطریقہ کو منسوب کرنا کذب بیانی اور آئمہ دین پر افتراء ہے فقہ حنفی کی کتابوں میں قضاء نمازوں کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ اور ہے اور مروجہ قضائے عمری اور چیز ہے۔ اس میں تو صرف پانچ نمازوں کو رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اذان واقامت کے ساتھ باجماعت پڑھ کر پوری عمر یا ستر، اسی سال کی قضاء شدہ نمازوں کا قائم مقام اور ان کے لئے جبیرہ وکفارہ سمجھا جاتا ہے اور کتب فقہ حنفی میں پوری عمر کی تمام نمازوں کو قضاء کے طور پر پڑھنے کا طریقہ مذکور ہے۔ یعنی اگر پوری عمر کی قضاء نمازوں کی تعداد ہزار ہو تو ہزار نمازیں پڑھی جائیں گی اور اگر لاکھ ہوں تو لاکھ، اور ان دونوں طریقوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے (فتاویٰ حقانیہ ص ۵۷، ۵۸، ج ۲، کتاب البدعۃ والرسوم)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

(ج) لاحول ولاقوۃ الا باللہ! سوال میں جو بعض لوگوں کا خیال ذکر کیا گیا ہے بالکل غلط ہے اور اس میں تین غلطیاں ہیں، شریعت میں قضائے عمری کی کوئی اصطلاح نہیں شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ مسلمان کو نماز قضا ہی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو

شخص ایک فرض جان بوجھ کر قضا کر دے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے بری ہے۔.........اس قضائے عمری کے تصور سے شریعت کا یہ سارا نظام ہی باطل ہوجاتا ہے۔کسی چیز کی فضیلت کے لئے ضروری ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو کیونکہ بغیر وحئ الٰہی کے کسی چیز کی فضیلت اور اس کا ثواب معلوم نہیں ہوسکتا، ماہ رجب کی نماز اور روزوں کے بارے میں اسی طرح جمعۃ الوداع کی نماز اور روزے کے بارے میں جو فضائل بیان کئے جاتے ہیں یہ آنحضرت ﷺ سے قطعا ثابت نہیں، اس لئے ان فضائل کا عقیدہ رکھنا بالکل غلط ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ص۴۹۳، ج۲ مکتبہ لدھیانوی)

مفتی محمد فرید صدیقی دیوبندی لکھتے ہیں:

یہ نماز جو کہ قضائے عمری سے موسوم ہے نہ روایات حدیثیہ سے ثابت ہے اور نہ فقہیہ سے بلکہ قواعد حنفیہ سے متصادم ہے پس یہ نماز بدعت سیئہ ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔(فتاویٰ فریدیہ ص ۲۸۸ جلد اول کتاب السنۃ والبدعۃ)

موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

یہ نماز جو متعبدون کے نزدیک قضائے عمری سے مسمیٰ ہے مکروہ وہ بدعت قبیحہ ہے نہ قرآن سے اس کی مشروعیت ثابت ہے اور نہ حدیث سے ثابت ہے۔

(فتاویٰ فریدیہ ص ۶۱۷ جلد دوم باب قضاء الفوائت)

مولانا غلام مصطفیٰ اخندزادہ حقانی دیوبندی لکھتے ہیں:

نماز قضائے عمری کہ درزاد اللبیب وانیس الواعظین ومفتاح الجنان ومعدن جلالی وفتویٰ حجہ نوشتہ اند کہ در پیشین آخیری جمعہ رمضان گزارند اصلے ندارد واین کتابہا ضعیف اند و درکتب صحیح ہیچ اثر ندارد بلکہ این نماز بدعت است۔

(مفتاح الفتاویٰ من فرائد المصطفیٰ، ص ۵۸ مطبوعہ دینی کتاب خانہ بھاگی بازار لوالائی)

الحاصل یہ کہ مروجہ قضاء عمری جو کہ کئی وجوہات کی بناء پر اور برصغیر پاک وہند کے مشہور مسالک کے علماء کے اقوال کی بناء پر واجب الترک ہے اس لئے اس کو ترک کرنا ہی بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر استقامت نصیب فرمائے۔(آمین)

ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب.

مشت زنی کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین بابت اس مسئلے کے کہ کوئی نوجوان کثرت شہوت کی وجہ سے اپنے ہاتھوں سے انزال کرتا ہے کیونکہ وہ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا، اب اگر وہ اپنے ہاتھ سے اپنی شہوت کو مکمل نہ کرے تو زنا اور دیگر حرام کاریوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے تو کیا اس کو کبھی کبھی شریعت نے مشت زنی کرنے کی اجازت دی ہے بحوالہ نقل فرمائیں۔

المستفتی: عمران خان کراچی

الجواب باسم اللّٰہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں بغیر کسی شرعی عذر کے مشت زنی (ہاتھ سے منی نکالنا) حرام اور ناجائز ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے عمل کرنے والے کو ملعون فرمایا ہے۔لیکن اگر کسی شخص پر شہوت کا اتنا غلبہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہونے کا خوف اور خطرہ زیادہ اور یقینی معلوم ہوتا ہے اور ساتھ میں شادی کرنے کی استعداد بھی نہ ہو یا شادی شدہ ہو مگر بیوی اتنی دور ہے کہ وہ اس کے پاس نہیں جا سکتا ہو تو اس صورت میں اگر کبھی کبھی یہ شخص مشت زنی کرے گا تو امید ہے کہ اس پر گناہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ صرف اور صرف معصیت (گناہ زنا) سے بچنے کی نیت سے کر رہا ہے اور اگر لذت وغیرہ کی نیت سے کرے گا تو گناہ گار ہوگا جیسا کہ فتاوی شامی میں مذکور ہے:

وکذا الاستمناء بالکف وان کرہ تحریما لحدیث ناکح الیدملعون .ولو خاف الزنا یرجیٰ ان لا وبال علیہ".

(شامی،ص۳۹۹،ج۲،باب مایفسد الصوم ومالا یفسد،ایچ ایم سعید کراچی)

واللہ اعلم بالصواب

کتاب الطہارۃ

باب الاستنجاء و الوضوء والغسل

(استنجاء،وضوءاور غسل کے مسائل)

آب زمزم سے استنجاء،وضوءاور غسل کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آب زمزم سے استنجاء و پاخانہ صاف کرنا کیسا ہے؟اس کے علاوہ آب زمزم جیسے مقدس پانی سے وضواور غسل کرنا کیسا ہے؟ مستفتی:عبدالباسط کراچی

الجواب بعون الوھاب

صورت مسئولہ میں آب زمزم سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

اس صورت میں کہ پہلے ناپا کی کوڈھیلے وغیرہ سے صاف کر لیا پھر آب زمزم سے دھویا تو ایسا کرنا ناپسندیدہ عمل ہے اور اگر ڈھیلہ وغیرہ استعمال نہ کیا اور فقط آب زمزم ہی سے دھویا اور ناپاکی ونجاست کو دور کیا تو یہ عمل ناجائز وحرام ہے کہ اس میں آب زمزم کی تحقیر لازم آتی ہے۔

(بہارشریعت،جلد۱حصہ دوم،استنجے کے مسائل،ص۶۶)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

يكره الاستنجاء بماء زمزم لاالاغتسال.

(فتاوی شامی ص۱۸۰ج۱باب المیاہ ایچ ایم سعید)

آب زم زم کے ذریعے وضواور غسل کرنا جائز ہے بشرطیکہ نجاست غلیظہ وخفیفہ کواس سے نہ دھویا جائے اور بصد احترام پاک جگہ پر غسل کیا جائے تاکہ یہ مقدس پانی پاک زمین جذب کرلے اور اس کی حرمت ووقار برقرار رہے۔

واللہ أعلم باالصواب

۱۳جمادی الاولی ۱٤۲٦ھ.........۱۰جون ۲۰۰٦ء

کاغذ سے استنجاء کرنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں اگر کاغذ سے مراد عام وہ کاغذ ہو کہ جس پر کچھ لکھا جاسکتا ہے اور وہ لکھنے کے کام کے قابل ہو تو پھر اس کی عظمت اور تقدس کی وجہ سے اس سے استنجاء کرنا ناجائز ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

كذا ورق الكتابة لصقالته وتقومه وله احترام ايضا لكونه آلة لكتابه العلم ولذا علله فى التاترخانية بأن تعظيمه من ادب الدين وفى كتب الشا فعية لا يجوز بما كتب عليه شئ من العلم المحترم كا لحديث والفقه وما كان آلة لذلک.

(شامی ص۲٤۰،ج۱فصل الاستنجاء،رشیدیہ کوئٹہ)

اور اگر صورت مسئولہ میں کاغذ سے مراد ٹائلٹ پیپر ہو تو وہ چونکہ خصوصی طور پر استنجاء کے لئے تیار کیا گیا ہے اس لئے مروجہ ٹائلٹ پیپر میں کاغذ کی خصوصیات نہ ہونے کی وجہ سے اس سے استنجاء جائز اور مشروع ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

واذا كانت العلة فى الابيض كونه آلة للكتابة كماذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها اذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كماقد مناه من جوازه بالخرق البوالى وهل اذاكان متقوماثم قطع منه قطعة لاقيمة لها بعد القطع يكره الاستنجاء بها ام لاالظاهر الثانى. (بحوالہ مذکورہ)

الحاصل یہ کہ عام قیمتی اور لکھنے کے قابل کاغذ پر استنجاء کرنا ممنوع اور ٹائلٹ پیپر پر جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۷ اپریل ۲۰۰۶ء...........۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

غسل کے تین فرائض کا ثبوت

کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے علم کے مطابق وضو کے چار فرائض قرآن کی آیات مبارکہ سے ثابت ہیں معلوم یہ کرنا ہے کہ احناف کے نزدیک غسل کے تین فرائض کہاں سے ثابت ہیں؟

الجواب بعون الوهاب

احناف کے نزدیک غسل کے تین فرائض ہیں جو کہ دلالۃ النص سے ثابت ہیں فرمان رب العالمین ہے۔

(وان كنتم جنبا فاطهروا) **(سوره مائدة. آیت ۴)**

لفظ فاطھروا کی تفسیر میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ پورے بدن کے دھونے پر دلالت کرتا ہے۔ احناف کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا اور پورے بدن پر پانی کا بہانا فرض ہے کیونکہ جب (اطھروا) مبالغہ کا صیغہ ذکر کیا گیا تو یہ طہارت کاملہ کا موجب ہے جہاں تک ممکن ہو اور منہ اور ناک میں پانی داخل کرنا ممکن ہے۔ لہذا یہ بھی فرض شمار ہوں گے۔ تفسیرات احمدیہ کی عبارت کچھ یوں ہے۔

(وان كنتم جنبا فاطهروا) فالله تعالىٰ او جب الطهارة الكاملة للجنابة حيث او رد فيها صيغة المبالغة وهى انما يكون بغسل جميع البدن وهو سمى غسلًا بالضم ولذلك قلنا ان الفرض فى الغسل المضمضة والا ستنشاق وغسل جميع ظاهر البدن لأ نه لما ذكر صيغة المبالغة فمو جبه الطهارة الكاملة بحسب ما امكن والفم والانف مما يكن اجراء الماء فيهما فيكون فرضًا .

(تفسیرات احمدیہ، ص ۳۴۸، حقانیہ پشاور)

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر روح المعانی، جلد۳، ص ۱۱۹۔ اور تفسیر مظھری، جلد۳، ص ۵۷۔ میں بھی کچھ اس طرح کا مضمون ملتا ہے، جبکہ فقہ کی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۵۲۶، جلد۱، میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔ مزید برآں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

قال عليه الصلوة والسلام :من ترك موضع شعرة من جسده من جنابة لم يصبها الماء فعل به كذا وكذا من النار.

وقال عليه الصلوة والسلام :"تحت كل شعرة جنابة فا غسلوا الشعر وانقواالبشر".

(السنن الکبریٰ للبیھقی صفحہ ۱۷۵، جلد۱)

واللہ اعلم بالصواب

۱۸، مارچ، ۲۰۰۶ء، ۱۷، صفر المظفر، ۱۴۲۷ھ

باب الاذان والاقامۃ

(اذان اور اقامت کے مسائل)

اذان کے وقت تلاوت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص تلاوت کر رہا ہو اور تین چار مسجدوں میں اذانیں شروع ہو جائیں تو کیا وہ شخص اذان کا جواب دے گا یا تلاوت جاری رکھے گا اور اگر اذان کا جواب دینا ہو تو ایک اذان کا جواب دے گا یا سب اذانوں کا؟

مستفتی: فیاض احمد کراچی

الجواب باسمه تعالی

جب اذان شروع ہو جائے تو ہر قسم کی باتیں کرنا چھوڑ دیں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت بھی بند کر دیں اور اذان سن کر اس کا جواب دیتے رہیں اگر بیک وقت کئی اذانیں شروع ہو جائیں تو سننے والے کو پہلی اذان کا جواب دینا چاہیے اگر سب اذانوں کا جواب دینا ممکن ہو تو بہتر ہے۔

ولاینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامة ولایشتغل بقراء ة القران ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابة ولوکان فی القراء ة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابة.

(عالمگیری ص ۵۷، جلد اول، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی لکھتے ہیں: **ولوتکرر اجاب الاول ویظهر لی اجابة الکل.**

(شامی ۳۹۷ جلد اول ایچ ایچ سعید کراچی)

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

ان الامساک عن التلاوۃ والا ستماع انما هو افضل.

(طحطاوی ص ۲۰۲ قدیمی کراچی)

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

واذاسمع المسنون منه امسک حتی عن التلاوۃ.

(مراقی الفلاح ص ۲۰۲ قدیمی کراچی)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں اذان کے وقت تلاوت نہیں کرنی چاہیے بلکہ پہلی اذان جو سنائی دے اس کا جواب دینا چاہیے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۸/٤/۲۰۰۷ء .... ۲۹ ربیع الاول ١٤٢٨ھ

اذان کے بعد دعا کی شرعی حیثیت اور اس کو مائیک میں پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

۱)اذان کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا واجب ہے یا سنت یا مستحب۔

(۲)اذان کی دعا کو مائیک پر پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ فقط.

المستفتی: شیخ محمد عمران اسلامک سینٹر

الجواب باسمه تعالیٰ

۱) صورت مسئولہ میں اذان کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے وہ مستحب ہے۔اس کے پڑھنے کی بہت فضیلت ہے جو مذکورہ دعا پڑھے گا اس کی شفاعت کا بھی وعدہ ہے۔

مفتی حبیب اللہ نعیمی لکھتے ہیں:

اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے درمختار میں ہے۔**ویدعو عند فراغه بالوسیلة لرسول الله** ﷺ، اذان سے فراغت پر رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لے کر دعاء کرے۔طحطاوی علی الدر جلد اول ص ۱۸۸ میں ہے (**قوله ویدعوا) ای ندبا** (ان کا قول دعاء کرے) یعنی مستحب سمجھتے ہوئے۔واللہ اعلم.

(حبیب الفتاویٰ ص ۱۱۲ شبیر برادرز)

۲) اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اگر اس کو کبھی کبھی بلند آواز سے مائیک پر پڑھ لیا جائے اس نیت سے کہ لوگ سن کر سیکھ لیں گے یا اپنی اصلاح کرلیں گے تو جائز بلکہ افضل ہے جیسا کہ وتر میں دعاء قنوت کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ رمضان المبارک میں جب وتر با جماعت پڑھی جائے تو امام مسجد کو چاہئے کہ دعاء قنوت بلند آواز سے پڑھے تاکہ لوگ دعاء قنوت سیکھ لیں۔

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

"ویخفی الامام والقوم هو الصحیح لکن استحب للامام الجهر به فی بلاد العجم لیتعلموه کما جهر عمر رضی اللّٰه عنه بالثناء حین قدم علیه وفد العراق ولذا فصل بعضهم ان لم یعلم القوم فالا فضل للامام الجهر لیتعلموا والافالا خفاء افضل .

(مراقی الفلاح مع الطحاوی، ص ۳۸۲، باب الوتر واحکامہ، قدیمی کراچی)

واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۵ ربیع الاول ۱٤۲۸ھ ۱٤/٤/۲۰۰۷ء

اقامت میں حی الصلوٰۃ تک بیٹھنا

کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت و جماعت اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسلک حنفی کے بعض مساجد میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جب اقامت شروع

ہوجاتی ہے تو مسجد میں موجود تمام حضرات مع امام مسجد بیٹھے رہتے ہیں۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح تک پہنچتا ہے تو تمام لوگ کھڑے ہوکر صفیں درست کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس عمل کی کوئی دلیل بھی ہے؟ اور آیا اس طرح بیٹھنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ جواب تفصیلی عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب:

صورت مسئولہ کے استحباب کے دلائل لکھنے سے پہلے ہم مستحب کی تعریف اور اس کا حکم بیان کرتے ہیں تا کہ قارئین حضرات مسئلے کی حقیقت کو پہچان سکیں۔

مستحب کی تعریف:

علامہ لطف اللہ النسفی لکھتے ہیں:

المستحب مااحبه السلف وحكمه الثواب بالفعل وعدم العقاب بالترك.

(خلاصه كيد انى ۵)

مستحب وہ عمل ہے کہ جس کو سلف صالحین (بزرگوں) نے محبوب (اچھا) جانا ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ مستحب کے ادا کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ولهاآداب) تركه لايوجب اساءة ولا عتاباكترك سنة الزوائد لكن فعله افضل. (الدرالمختار، ص ۴۷۷، جلد اول، ایچ ایم سعید)

(نماز کے آداب ہیں) جس کا ترک کرنا گناہ اور ملامت کو واجب (ثابت) نہیں کرتا جیسا کہ سنت زوائد چھوڑنے سے گناہ نہیں لیکن اس (مستحب) کا کرنا افضل (ثواب) ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

المندوب يثاب فاعله ولا يسيئى تاركه .

(فتاویٰ شامی، ص ۱۰۳، ج ا، ایچ ایم سعید)

مستحب وہ ہے کہ اس کے کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور ترک کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔

علامہ شامی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

مطلب لا فرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع" وقد جرى على ما عليه الاصو ليون، وهوالمختار من عدم الفرق بين المستحب والمندوب والادب كما فى حاشية نوح آفندى على الدرر، فيسمى مستحبا من حيث ان الشارع يحبه ويؤ ثره، ومندوبا من حيث انه بين ثوابه وفضيلته، من ندب الميت: وهو تعديد محاسنه،

ونفلا من حيث انه زائد على الفرض والواجب ويزيد به الثواب، وتطوعا من حيث ان فاعله يفعله تبرعاً من غير ان يؤمربه حتما اه من شرح الشيخ اسمعيل عن البرجندی. وقد يطلق عليه اسم السنة وصرح القهستانی بانه دون السنن الزوائد. قال فی الامداد: و حكمه الثواب على الفعل وعدم اللوم على الترک اه.

(فتاویٰ شامی،ص۱۲۳،جلداول،ایچ،ایم سعید)

مندوب، مستحب، نفل اور تطوع میں کوئی فرق نہیں۔مختار مذہب وہی ہے جس پر اصولی علماء حضرات کی عادت جاری ہے کہ مستحب، مندوب اور ادب میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ نوح آفندی کے حاشیہ درر میں ہے۔اس کو مستحب اس لئے کہتے ہیں کہ شارع نے اس کو پسند کیا اور ترجیح دی۔اور مندوب اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا ثواب اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔یہ ندب المیت سے اخذ کیا گیا جس میں میت کے محاسن گنے جاتے ہیں۔اور نفل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فرض وواجب سے زائد ہے، اور اس پر ثواب کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور تطوع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا کرنے والا اس کو خود (اپنی طرف سے) کرتا ہے، کیونکہ اس کو اس کے لازم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ کبھی کبھی اس پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔امداد میں کہا ہے کہ اس (مستحب) کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب دیا جاتا ہے اور نہ کرنے پر کوئی ملامت (وگناہ) نہیں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ومستحبه) ويسمى مندوباو أدبا وفضيلة وهو مافعله النبی ﷺ مرة وتركه اخرى وما احبه السلف.

(الدرالمختار،ص۱۲۳،ج۱،ایچ ایم سعید)

(وضو کے مستحب) اس کو مندوب، ادب اور فضیلۃ بھی کہتے ہیں۔(مستحب) وہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے ایک آدھ مرتبہ کیا ہو، اور سلف (علماء صالحین) نے محبوب (اچھا) جانا ہو۔

مندرجہ بالا عبارت ''فضیلۃ'' کی تشریح میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

' **(قوله وفضيلة) لانه يصير فاعله ذافضيلة بالثواب.**

(شامی،ص۱۲۴،ج۱،ایچ ایم سعید)

مستحب کو فضیلت اس لئے کہتے کہ اس کا کرنے والا ثواب کی وجہ سے فضیلت والا ہوجاتا ہے۔

علامہ طحطاوی الحنفی لکھتے ہیں:

اماالمستحب فهو ما فعله مرة وتركه اخرى، وهو ماعليه اهل الفروع والاولى ماعليه الاصوليون من عدم الفرق بين المستحب والمندوب، وتركه لا يوجب اساءة ولا عتا بالكن فعله افضل كمافی الدر.

(حاشیۃ الطحطاوی،ص۲۷۶،آداب الصلوٰۃ،قدیمی کراچی)

مستحب وہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے ایک دفعہ کر کے پھر ترک فرمایا ہو، اور یہ وہ ہے کہ جس پر اہل فروع واہل اصول متفق ہیں

کہ مستحب ومندوب میں کوئی فرق نہیں۔اس (مستحب) کے ترک کرنے سے کوئی گناہ وملامت لازم نہیں آتی لیکن اس کا کرنا افضل (ثواب) ہے۔

حضرت صدرالشریعۃ بدرالطریقۃ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مستحب وہ کہ نظر شرع میں پسند ہو،مگر ترک پر کچھ ناپسندی نہ ہو،خواہ خود حضور اقدس ﷺ نے اسے کیا ہو یا اس کی ترغیب دی،یا علماء کرام نے پسند فرمایا،اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر نہ آیا۔اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر مطلقاً کچھ نہیں۔

(بہار شریعت ٦ حصہ دوم)

علامہ احمد شمس الدین بریلوی لکھتے ہیں:

بعض سنتیں غیر مؤکدہ ہیں،جن کو سنن الزوائد بھی کہتے ہیں،اس پر شریعت میں تاکید نہیں آئی،کبھی اس کو مستحب اور مندوب بھی کہتے ہیں،اور نفل وہ کہ جس کا کرنا ثواب ہے اور نہ کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

(قانون شریعت ١٠٦)

اقامت میں حی علی الصلوٰۃ تک بیٹھنا مستحب ہے۔

مندرجہ بالاسطور میں مستحب کی تعریف اور اس کا حکم معلوم ہونے کے بعد جاننا چاہئے کہ اقامت کے دوران امام ومقتدیوں کا حی علی الصلوٰۃ،حی علی الفلاح تک بیٹھنا مستحب ہے۔امام بخاری لکھتے ہیں:

باب متی یقوم الناس اذا راؤاالامام عند الاقامۃ'' عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی.

(بخاری شریف،ص ٨٨،ج١،باب متیٰ یقوم الناس اذاراٗواالامام عندالاقامۃ،نور محمد کراچی)

اقامت کے وقت جب لوگ امام کو دیکھے تو کب کھڑے ہوں گے؟ حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب اقامت کہی جائے تو تم لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے نہ دیکھو۔

شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''قال ابو حنیفۃ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ. (عمدۃ القاری، ص ٢٧٦،جلد دوم)

امام ابوحنیفہ ومحمد قدس سرھما فرماتے ہیں لوگ اس وقت کھڑے ہوں گے جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔

اس حدیث کی شرح میں محدث دیوبند شیخ محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

'ویعلم من بعض الاحادیث انھم کانو یقومون لھا بعد تمام الاقامۃ ومن بعضھا انھم کانوا یقومون فی خلا لھا وھکذا فی کتبنا ویراجع لہ الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار. (فیض الباری،ص ١٨٧،ج٢)

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑے ہوتے تھے، اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اقامت کے درمیان کھڑے ہوتے تھے، اور یہی تحقیق ہماری کتابوں میں ہے۔ اس کے لئے طحطاوی حاشیہ درمختار کی طرف رجوع کرنی چاہیے۔

امام مسلم رحمہ اللہ بھی مذکورہ حدیث کو روایت کرتے ہیں:

عن ابی قتادہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی .

(مسلم شریف، ص ۲۲۰، جلد اول، باب متیٰ یقوم الناس للصلوٰۃ، قدیمی کراچی)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

واختلف العلماء من السلف فمن بعد هم متی یقوم الناس للصلوٰۃ ومتی یکبر الا مام فمذهب الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ وطائفة انه یستحب ان لایقوم احد حتی یفرغ المؤذن من الا قامة ونقل القاضی عیاض عن مالک رحمه اللہ تعالیٰ وعامة العلماء انه یستحب ان یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامة وکان انس رحمه اللہ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبه قال احمد رحمه اللہ تعالیٰ وقال ابو حنیفة والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ. (نووی شرح مسلم، ص ۱۰۳، ج ۵، مطبوعہ دار الفکر)

سلف وخلف علماء میں اختلاف ہے کہ لوگ نماز کے لئے کب کھڑے ہوں گے؟ اور امام تکبیر کب کہے گا؟ پس امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت ختم نہ کرے اس وقت تک کوئی کھڑا نہ ہوگا یہ مستحب ہے۔ اور قاضی عیاض نے امام مالک اور عام علماء سے نقل فرمایا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جیسے ہی مؤذن اقامت شروع کرے تو تمام لوگ کھڑے ہوجائے۔ حضرت انس اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ تک پہنچتے۔ اسی پر امام احمد رحمہ اللہ نے بھی قول کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور کوفہ کے علماء فرماتے ہیں کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں گے جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔

مندرجہ بالا حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے:

باب کراهیة ان ینتظر الناس الا مام وهم قیام عند افتتاح الصلوٰۃ "عن عبد اللہ بن ابی قتادة عن ابیه قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی خرجت. قال ابو عیسیٰ حدیث ابی قتادة حدیث حسن صحیح وقد کره قوم من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم ان ینتظر الناس الا مام وهم قیام وقال بعضهم اذا کان الا مام فی المسجد واقیمت الصلوٰۃ فانما یقومون اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ قدقامت الصلوٰۃ وهو قول ابن المبارک.

(ترمذی شریف، ص ۷۶، ج ۱ مجتبائی لاہور)

نماز شروع کرتے وقت لوگوں کا کھڑے ہوکر امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب اقامت شروع ہوجائے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو کہ نکل آؤں، ابوعیسیٰ (امام ترمذی) فرماتے ہیں۔ابو قتادہ کی حدیث حسن صحیح حدیث ہے آپ ﷺ کے صحابہ اور دیگر اہل علم میں سے ایک جماعت نے اس بات کو مکروہ کہا ہے کہ لوگ کھڑے ہوکر امام کا انتظار کریں۔بعض علماء نے فرمایا کہ جب امام مسجد میں ہو اور نماز کی اقامت کہی جائے تو لوگ اس وقت کھڑے ہوں گے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے۔اور یہ ابن المبارک (رحمہ اللہ) کا قول ہے۔

مندرجہ بالا حدیث کی تشریح میں ہمارے ہم عصر دیوبندی مسلک کے ممتاز عالم دین مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

اگر امام پہلے سے مسجد میں ہو تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیئے؟ (فقہاء کے اقوال نقل کرنے کے بعد مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہیں) پھر امام اعظم اور امام احمد بن حنبل (رحمہما اللہ) کے نزدیک ''حی علی الفلاح'' اور ''قد قامت الصلوٰۃ'' پر کھڑا ہونا چاہئے۔البحر الرائق (۲۳۱ جلد ا) میں حنفیہ کے مذہب کی تفصیل لکھتے ہوئے ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کی علت یہ بیان کی ہے'' **والقیام حین قیل حی علی الفلاح لا نه امر یستحب المسارعة الیه**'' یعنی ''حی علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے کہ لفظ ''حی علی الفلاح'' کھڑے ہونے کا امر ہے اس لئے کھڑے ہونے کے طرف مسارعت کرنی چاہئے۔
(درس ترمذی، ص ۳۸۰، ج ۲، دارالعلوم کراچی)

امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'**قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب.** (مؤطا امام محمد، ص ۸۶، باب تسویۃ الصفوف، نور محمد کراچی)

امام محمد (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔لوگوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب مؤذن ''حی علی الفلاح'' کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہوجائیں، اور صف بنا کر اس کو برابر کریں، اور کاندھے ایک دوسرے کے ساتھ برابر کریں۔

علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ لکھنوی مندرجہ بالا حدیث کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''**عن ابی العلاء رأیت انس بن مالک اذاقیل قدقامت الصلوٰۃ قام فوثب وقال ابو حنیفه واصحابه اذا لم یکن معهم الامام فی المسجد فانهم لایقومون حتی یروا الامام لحدیث ابی قتادة عن النبی ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی وهو قول الشافعی وداؤد واذاکان معهم فانهم یقومون اذا قال حی علی الفلاح انتهی.**'' (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد، ص ۸۹، نور محمد کراچی)

حضرت ابوالعلاء فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا کہ جب ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہا جاتا تو جلدی سے کھڑے ہوجاتے۔حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب (احناف) فرماتے ہیں کہ جب قوم کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہوں گے جب تک امام کو نہ دیکھ لیں، کیونکہ اس میں حضرت ابوقتادہ کی حدیث مروی ہے کہ آپ

ﷺ نے فرمایا کہ جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔ اور یہی امام شافعی اور داؤد کا قول ہے۔ اور اگر ان (قوم) کے ساتھ امام موجود ہو تو لوگ اس وقت کھڑے ہو جائیں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واماقیام الناس حین تقام الصلٰوة فانی لم اسمع فی ذلک بحد یقام له الاانی اری ذلک علی قدرطاقة الناس فان منهم الثقیل والخفیف ولایستطیعون ان یکونوا کرجل واحد.

(مؤطا امام مالک، ص ۵۶، مجتبائی لاہور)

اقامت کے وقت لوگوں کا کھڑا ہونا، سو اس بارے میں میں نے کوئی حد نہیں سنی کہ اسی وقت کھڑا ہو جائے مگر یہ کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت کے مطابق دیکھتا ہوں کیونکہ لوگوں میں بھاری بدن اور ہلکے بدن والے ہوتے ہیں اور یہ تمام لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ ایک آدمی کی طرح ہو جائے۔

(**فائدہ**) امام مالک رحمہ اللہ کے قول سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے اقامت کے دوران کسی معین حد میں کھڑے ہونے کا قول نہیں کیا بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں نے خود اس بارے میں کوئی حد نہیں سنی بلکہ میری رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کی سہولت کو مدنظر رکھنا چاہئے، کیونکہ بعض لوگ بھاری ہونے کی وجہ سے دیر سے اٹھتے ہیں اور بعض لوگ ہلکے بدن ہونے کی وجہ سے جلدی اٹھتے ہیں اس لئے ان میں کسی پر بھی تقدیم و تاخیر میں کوئی گناہ نہیں۔

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی اس کے حاشیے پر لکھتے ہیں۔

واختلف اقوال ناقلی المذاهب فی ذلک والامر متسع والجملة فیه مافی الحاشية عن المحلی قال روی عن مالک انه یقوم فی اول الاقامة وقال الشافعی والاکثرون انه اذاکان الامام معهم لم یقوموا حتی یفرغ المقیم من الاقامة وقال ابوحنیفة یقومون عند حی علی الصلٰوة الخ وقال فی المغنی یستحب ان یقوم الی الصلوٰة عند قول المؤذن قدقامت الصلوٰة بهذا قال مالک وقال الشافعی یقوم اذافرغ المؤذن من الاقامة وقال ابوحنیفة اذا قال حی علی الصلوٰة. وقال الشعرانی ومن ذلک قول مالک والشافعی واحمد انه لایقوم الامام الابعد فراغ المؤذن من الاقامة فیقوم حینئذ لیعدل الصفوف مع قول ابی حنیفةانه یقوم عند حی علی الصلوٰة.

(کشف المغطاً عن وجہ المؤطا، ص ۵۶، مجتبائی لاہور)

اس بارے میں مذاہب کے نقل کرنے والوں کے اقوال مختلف ہیں۔ حالانکہ یہ وسیع مسئلہ ہے۔ مگر بات وہی ہے جو ''محلی'' کے حاشیہ پر ہے کہ امام مالک سے مروی ہے کہ آپ اقامت کے شروع میں کھڑے ہوتے۔ امام شافعی اور اکثر علماء (رحمہم اللہ) نے فرمایا کہ جب لوگوں کے ساتھ امام ہو تو اقامت کے ختم ہونے کے بعد کھڑے ہو جائیں۔ امام ابوحنیفہ (رضی اللہ

عنہ) نے فرمایا لوگ ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑے ہوں گے۔الخ۔مغنی میں کہا ہے ''مستحب یہ ہے کہ لوگ نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوجائیں جب مؤذن قدقامت الصلوٰۃ کہے۔اسی پر امام مالک رحمہ اللہ نے قول کیا ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن اقامت ختم کرے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ''حی علی الصلوٰۃ'' کہے (تب نماز کے لئے کھڑے ہوجائیں)۔امام شعرانی فرماتے ہیں کہ امام مالک،امام شافعی اور امام احمد (رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ امام اس وقت تک کھڑا نہ ہوگا جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہوجائے۔اس کے بعد امام کھڑا ہوکر صفیں درست کرے گا،جب کہ امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ امام ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑا ہوگا۔

شیخ ملا نظام لکھتے ہیں:

''ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانه یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حّی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحیح.

(فتاوی عالمگیری،ص ۵۷،ج ۱،رشیدیہ کوئٹہ)

اگر مؤذن امام کے علاوہ ہو اور مقتدی حضرات امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو امام اور مقتدی حّی علی الفلاح کہتے وقت کھڑے ہوجائیں ہمارے آئمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(والقیام)لامام ومؤتم (حین قیل حیّ علی الفلاح).

(الدرالمختار،ص ۴۷۹،ج اول،ایچ ایم سعید)

امام اور مقتدیوں کو حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قوله حین قیل حّی علی الفلاح) کذا فی الکنز ونورالایضاح والا صلاح والظهیریة والبدائع وغیرها........قال فی الذخیرة یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حّی علی الفلاح عند علماء نا الثلاثة. (فتاویٰ شامی،ص ۴۷۹،ج ۱،ایچ ایم سعید)

امام اور مقتدیوں کا حیّ علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس کو کنز،نورالایضاح،
اصلاح،ظہیریہ اور بدائع وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ذخیرہ میں فرمایا ہے کہ امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں گے جب مؤذن حّی علی الفلاح کہے یہ ہمارے آئمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''دخل المسجد والمؤذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاه.

(الدرالمختار،ص۴۰۰،جلد۱،باب الاذان،ایچ ایم سعید)

اگرکوئی مسجد میں آئے اورمؤذن اقامت کرتا ہوتو امام کے اپنی جگہ پر کھڑے ہونے تک وہ بیٹھ جائے۔

برہان الشریعہ محمود بن صدرالشریعہ لکھتے ہیں:

"قوله حی علی الصلوٰۃ الخ وفی الکا فی عندنا یقوم عند حیّ علی الفلاح فی الکلام اشارۃ الی ان القیام عند ذلک اذاکا ن المؤذن غیر الامام واما اذاکان المؤذن فیقوم القوم عند فراغه عن الاقامة.

(مختصرالوقایہ،ص۱۷،مطبوعہ پیاری لعل ہندو پریس)

کافی میں ہے ہمارے نزدیک لوگ حیّ علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں گے۔

کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت کھڑا ہونا تب ہے کہ جب مؤذن امام کے علاوہ ہو۔اور اگر امام مؤذن ہی ہوتو لوگ اس وقت کھڑے ہوں گے جب اقامت سے فراغت ہوجائے۔

الشیخ العلامہ عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ لکھے ہیں:

"ویقوم الامام والقوم عند حّی علی الصلوۃ.

(شرح الوقایہ،ص۱۵۵،جلداول،باب الاذان،امدادیہ ملتان)

امام اورقوم حّی علی الصلٰوۃ کے وقت کھڑے ہوں گے۔

امام سراج الدین الاودی متوفی ۷۰۰ھ لکھتے ہیں:

اذادخل المسجد رجل والمؤذن یقیم ینبغی ان یقعد ولا یمکث قائما. (فتاویٰ سراجیہ،ص۹،مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنو)

آدمی جب مسجد میں داخل ہوجائے اورمؤذن اقامت کرتا ہوتو اسے چاہئے کہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے۔

مشہورغیرمقلد(اہلحدیث)عالم نواب وحیدالزمان حیدرآبادی مندرجہ بالامسئلے کے بارے میں رقمطراز ہے:

ولایقوم اهل المسجد الا اذا رأواالامام وان کان حاضراً حتی تفرغ الاقامة وقال بعض العلماء حتی یقول المقیم قد قامت الصلوٰۃ وقال البعض اذاقال المقیم الله اکبر وجب القیام واذاقال حّی علی الصلوٰۃ عدلت الصفوف. (نزل الابرار،ص۶۱،ج۱،سعیدالمطابع بنارس)

اہل مسجد(نمازی)اس وقت تک کھڑے نہ ہوں گے جب تک امام کو دیکھ نہ لیں۔اور اگر امام(مسجد میں)حاضر ہوتو اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑے ہوں۔بعض علماء نے فرمایا ہیں کہ جب مؤذن "قد قامت الصلوٰۃ" کہے تو کھڑے ہوجائیں۔اور بعض علماء نے فرمایا ہیں جب مؤذن اللہ اکبر کہے تو قیام واجب ہوجاتا ہے۔اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو صفیں درست کی جائیں۔

علامہ علی ابن سلطان محمد القاری رحمہ الباری مذہب احناف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” قال أئمتنا: ويقوم الامام والقوم عند حي الصلوٰة“

(مرقات شرح مشکوٰۃ،ص۳۳۹،ج دوم،مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ہمارے آئمہ(احناف امام اعظم اوران کے صاحبین رحمہم اللہ) نے فرمایا ہیں امام اورقوم حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں گے۔

شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہ حدیث شریف کے جملے ”ولاتقوموا حتی ترونی“ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

ای لاتقوموا للصلوٰة بمجرد الاقامة حتی تبصرونی اخرج من البیت وفی الفقه یقوم عند حی علی الصلوٰة.

(لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،ص۱۰۹،ج ثالث،مطبوعہ مکتبہ المعارف العلمیہ)

آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جب تک مجھے نہ دیکھ لواس وقت تک کھڑے نہ ہو(الحدیث) یعنی تم لوگ صرف اقامت کی وجہ سے نماز کے لئے نہ اٹھو جب تک مجھے نہ دیکھو کہ گھر سے نکل آؤں۔فقہ میں ہے کہ لوگ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

فقہاء گفتہ اند مذہب آنست کہ نزد حی علی الصلوٰۃ باید برخاست۔(اشعۃ اللمعات،۳۲۱،ج۱)

فقہاء کرام نے فرمایا۔مذہب یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت اٹھنا چاہیئے۔

نواب قطب الدین خان لکھتے ہیں:

”فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تکبیر کہنے والا حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت مقتدی کھڑے ہوں“۔ (مظاہر حق)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی نقشبندی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”طریق خواندن نماز بروجہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود واقامت ونزد حی علی الصلوٰۃ امام برخیزد۔ (مالا بدمنہ،ص۴۴، مطبوعہ مطبع انتظامی کانپور)

نماز پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اورحی علی الصلوۃ کے وقت امام کھڑے ہوجائے۔

علامہ شمنی لکھتے ہیں:

قوله امام برخیزد ومقتدیان نیز زیراکه حی علی الصلوة امر ست بجاآورده شود ۱۲ شمنی۔

(مالا بدمنہ۴۴)

امام کھڑا ہوجائے اورمقتدی بھی کیونکہ حی علی الصلوٰۃ امر ہے تاکہ اس کی تعمیل ہوجائے۔

امام ابوالبرکات النسفی لکھتے ہیں:

والقیام حین قیل حی علی الفلاح. (کنزالدقائق،ص۲۴،مطبوعہ اکرمیہ پشاور)

حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا (مستحب ہے)

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: **والقیام حین قیل حی علی الفلاح.**

(نورالایضاح مع الطحطاوی،ص۲۷۷،قدیمی کراچی)

حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا (مستحب ہے)

شیخ اعزازعلی دیوبندی لکھتے ہیں:

'قوله والقيام اى ومن الادب قيام القوم والامام ان كان حاضراً بقرب المحراب وقت قول القيم حى على الفلاح لان المقيم فى ضمن قوله هذا امر بالقيام فيجاب.

(الاصباح حاشیہ نورالایضاح،ص۷۲)

اگرامام محراب کے قریب ہوتو امام اور مقتدیوں کو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے کیونکہ اقامت کرنے والے نے اپنے اس قول کی ضمن میں کھڑے ہونے کا امر کیا ہے،پس اس کی اجابت (قبول) کرنا چاہئے۔

علامہ الشیخ حسن بن عمار ابن علی الشرنبلالی رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

(ومن الادب (القيام) اى قيام القوم والامام ان كان حاضرابقرب المحراب (حين قيل) اى وقت قول المقيم(حى على الفلاح) لأنه امربه فيجاب.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی،ص۲۷۷،قدیمی کراچی)

(نماز کے) مستحبات میں سے قوم اور امام کا جب وہ محراب کے قریب ہو کھڑا ہونا ہے،اس وقت جب اقامت کرنے والا حی علی الفلاح کہے،کیونکہ اس نے کھڑے ہونے کا حکم کیا ہے،پس اس کو قبول کرنا چاہئے۔

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی لکھتے ہیں:

(حى على الفلاح) وقال الحسن وزفر عند حى على الصلوٰة كما فى سكب الا نهر عن ابن الكمال معزيا الى الذخيرة (لانه امربه فيجاب) اى لان المقيم امربالقيام أى ضمن قوله حى على الفلاح فان المراد بفلاحهم المطلوب منهم حينئذ الصلوٰة فيبادر اليها بالقيام.

(حاشیہ الطحطاوی،ص۲۷۷،آداب الصلوٰۃ،قدیمی کراچی)

(حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں) امام حسن وامام زفر فرماتے ہیں کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوجائیں،جیسا کہ سکب الانھر میں ابن کمال سے جو ذخیرہ کی طرف منسوب ہے مروی ہے۔(کیونکہ مؤذن نے قیام کا حکم کیا جسے قبول کرنا

چاہیئے)یعنی اقامت کرنے والے نے اپنے قول حی علی الفلاح کے ضمن میں قیام کا حکم کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کی فلاح سے اس وقت مطلوب نماز ہے پس اس کی طرف قیام کے ذریعے جلدی کرنا چاہیئے۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو درمختار میں قبیل فصل صفۃ الصلوٰۃ میں منجملہ آداب کے کہا ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۱۲۱، جلد اول، دارالعلوم کراچی)

مولانا محمد ابراہیم بونیری مرحوم لکھتے ہیں:

جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہا جائے تو امام اور مقتدی کو اس وقت کھڑا ہونا مستحب (ادب) ہے بشرطیکہ امام مسجد محراب کے قریب ہوں۔

(فتاویٰ ودودیہ، پشتو، ص ۱۳۶)

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت امام اور مقتدی سب اقامت سے پہلے مسجد میں موجود ہوں تو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک حی علی الفلاح اور قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا اور امام شافعی کے نزدیک آخر اقامت پر کھڑے ہونا افضل ہے اور امام مالک کے نزدیک شروع ہی سے کھڑا ہونا افضل ہے، اور خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام کا تعامل بھی اس پر شاہد ہے۔

(جواہر الفقہ ص ۳۲۱، جلد اول، دارالعلوم کراچی)

حضرت علامہ احمد شمس الدین رحمہ اللہ نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی:

جو لوگ مسجد میں موجود ہیں وہ بیٹھے رہیں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے اس وقت اٹھیں یہی حکم امام کے لئے بھی ہے۔

(قانون شریعت، ص ۷۹)

صدر الشریعۃ بدر الطریقۃ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

جو لوگ مسجد میں موجود ہیں وہ بیٹھے رہیں اس وقت اٹھیں جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے یہی حکم امام کے لئے ہے۔ (عالمگیری)

(بہار شریعت، ص ۲۶، حصہ سوم)

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مجمع الانھر میں ہے:

واذا قال المؤذن فی الاقامۃ حی علی الصلوٰۃ قام الامام والجماعۃ عند علمائنا الثلثۃ للا جابۃ وقال الحسن وزفر اذا قال قد قامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف.

(فتاویٰ امجدیہ، ص۵۴، جلداول)

جب مؤذن اقامت میں حیّ علی الصلوٰۃ تک پہنچے تو ہمارے آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک امام اور مقتدی کھڑے ہو جائیں۔ امام حسن اور امام زفر فرماتے ہیں کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ صف کی طرف اٹھیں۔

نوٹ: بعض فقہی عبارات میں جملہ حیّ علی الصلوٰۃ آیا ہے اور بعض میں حیّ علی الفلاح آیا ہے۔ ان روایات کی تطبیق کے لئے مولانا مفتی شریف الحق امجدی نے فتاویٰ امجدیہ کے حاشیے پر فرمایا ہے۔

اعلیحضرت الشاہ امام احمد رضا خان القادری الافغانی ثم البریلوی قدس سرہ نے دونوں میں یہ تطبیق دی کہ حیّ علی الصلوٰۃ پر اٹھنا شروع کرے اور حیّ علی الفلاح پر سیدھا کھڑا ہو جائے۔

(فتاویٰ امجدیہ، ص۵۵، جلداول)

خلاصہ تحقیق:

قارئین حضرات: شارحین حدیث اور فقہاء احناف کی ان مذکورہ عبارات سے یہ بات اظہر من الشّمس واضح ہوگئی کہ جب مسجد میں امام ومقتدی حضرات پہلے سے بیٹھے ہوں یا اقامت شروع ہونے سے پہلے پہلے امام آیا ہو تو ان صورتوں میں امام ومقتدی کو بیٹھ کر اقامت سننی مستحب ہے اور حیّ علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا مستحب وافضل ہے اور چونکہ آپ مستحب کی تعریف اور حکم بخوبی اور تحقیق سے معلوم کر چکے ہیں اس لئے یہ بات بھی آپ کو معلوم ہوگئی ہوگی کہ اقامت میں حیّ علی الصلوٰۃ تک بیٹھنا ثواب ہے بلکہ بعض فقہاء احناف کی کتابوں میں تو حیّ علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونا اور کھڑے ہو کر اقامت سننا مکروہ لکھا ہے۔

اب ہم ذرا اس مسئلے کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں تا کہ کوئی غبار اور شک نہ رہے۔ وباللہ التوفیق۔

اقامت میں حیّ علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونا یا کھڑے ہو کر
اقامت سننا مکروہ ہے:

اس بحث میں ہم سب سے پہلے فقہ حنفی کے معتبر فتاویٰ پیش کرتے ہیں۔

شیخ ملا نظام لکھتے ہیں:

اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذابلغ المؤذن قوله حي على الفلاح كذافي المضمرات. (فتاویٰ عالمگیری، ص۵۷، جلداول، رشیدیہ کوئٹہ)

جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد میں) داخل ہو جائے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حیّ علی الفلاح تک پہنچے تو پھر کھڑا ہو جائے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ويكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذابلغ المؤذن حي على الفلاح. (فتاویٰ شامی، ص

۴۰۰،جلداول،ایچ ایم سعید)
آدمی کے لئے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو جائے۔
شیخ احمد الطحطاوی لکھتے ہیں:

واذا اخذ المؤذن فی الاقامة، ودخل رجل المسجد فانه یقعد، ولا ینتظر قائما فانه مکروہ کما فی المضمرات قهستانی، ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون.

(حاشیۃ الطحطاوی،ص۲۷۸،آداب الصلوٰۃ،قدیمی کراچی)

جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہوجائے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے اس سے اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ لوگ اس (مسئلے) سے غافل ہیں۔
علامہ عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

"قوله ویقوم الامام ای من مواضعهم الی الصف وفیه اشارة الی انه اذا دخل المسجد یکرہ له انتظار الصلوٰة قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبه صرح فی جامع المضمرات.

(عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ،ص۱۵۵،جلداول)

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کے لئے کھڑے ہوکر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو جائے۔
صدرالشریعۃ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:
اقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے جب حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔

(بہار شریعت،ص۲۶،حصہ سوم)

مانند"مشت نمونہ خروار" کے ان چند حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت کے دوران باہر سے آئے ہوئے یا مسجد میں موجود نمازیوں کا کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ کر حی علی الصلوٰۃ تک اقامت سنی جائے۔
مکروہ سے مراد کون سی کراہت ہے؟
مندرجہ بالا اقوال فقہاء سے جب یہ معلوم ہوا کہ اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے تو آیا اس سے کون سی کراہت مراد ہے؟ اس لئے پہلے ہم کراہت کی لغوی اور شرعی تعریف کردیتے ہیں تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔
علامہ شامی فرماتے ہیں:

"مکروہ هو ضد المحبوب، قدیطلق علی الحرام کقول القدوری فی مختصره: ومن صلی الظهر فی

منزله يوم الجمعة قبل صلوٰة الا مام ولا عذر له كره له ذلك. وعلى المكروه تحريما: وهوما كان الى الحرام اقرب. ويسميه محمد (رحمة الله عليه) حراماظنيا. وعلى المكروه تنزيها: وهوما كان تركه اولىٰ من فعله، ويرادف خلاف الاولى.

(شامی،ص ۱۳۱، ج ۱، ایچ ایم سعید)

مکروہ محبوب کا ضد ہے۔کبھی کبھی اس کا اطلاق حرام پر ہوتا ہے جیسا کہ امام قدوری نے مختصرالقدوری میں لکھا ہے: جس نے جمعہ کے دن ظہر کی نماز اپنے گھر میں امام کی نماز سے پہلے بغیر کسی عذر شرعی کی پڑھ لی تو یہ مکروہ (یعنی حرام) ہے۔اور کبھی اس کا اطلاق مکروہ تحریمی پر ہوتا ہے اور یہ حرام کے نزدیک تر ہے۔اس کو امام محمد رحمہ اللہ حرام ظنی کہتے ہیں۔کبھی مکروہ کا اطلاق مکروہ تنزیہی پر ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے کہ جس کا ترک (نہ کرنا) کرنے سے اولیٰ (بہتر) ہے۔اسی کو خلاف اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

صدرالشریعۃ لکھتے ہیں:

مکروہ تحریمی: یہ واجب کا مقابل ہے اس کے کرنے سے عبادت ناقص ہو جاتی ہے اور کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے اگر چہ اس کا کرنا گناہ حرام سے کم ہے اور چند بار اس کا ارتکاب کبیرہ ہے۔

مکروہ تنزیہی: جس کا کرنا شرع کو پسند نہیں مگر نہ اس حد تک کہ اس پر وعید عذاب فرمائے یہ سنت غیر موکدہ کے مقابل ہے۔

(بہار شریعت،ص ۶، حصہ دوم)

حل مسئلہ:

مندرجہ بالا تعریفات مکروہ سے بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اقامت میں جو کھڑا ہونا مکروہ ہے تو اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، جسے خلاف اولیٰ کہتے ہیں، کیونکہ فقہاء کرام کے جتنے دلائل بھی ذکر کئے گئے وہ تمام اس پر دال ہیں کہ حی علی الصلوٰۃ تک اقامت میں بیٹھنا مستحب ہے، اولیٰ ہے، افضل ہے کسی بھی حنفی فقیہ نے اس کے وجوب وسنت مؤکدہ ہونے کا قول نہیں کیا، بلکہ اس مسئلے پر زیادہ عمل کرنے والے اہل سنت (بریلوی) ہیں، ان کے اکابر کے کتب سے بھی اس عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوا۔اب جبکہ یہ عمل مستحب قرار دیا گیا ہے تو مستحب کا خلاف کرنا صرف خلاف اولیٰ (مکروہ تنزیہی) ہی ہے جیسا کہ صدرالشریعۃ قدس سرہ کے دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔لہذا دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں اقامت ہو رہی ہو اور کوئی آجائے یا موجود لوگوں میں سے کوئی اٹھے اور کھڑے ہو کر اقامت سنے تو اس نے مستحب عمل ترک کر دیا، اس پر اسے جو ثواب ملنا تھا اس کو اس نے ضائع کر دیا اور ایک خلافِ اولیٰ (مکروہ تنزیہی) کام کیا جس پر اسے کوئی گناہ نہیں ملتا۔

والله اعلم بالصواب

مسائل الصلوٰۃ

(نماز کے مسائل)

نمازی کے سامنے خانہ کعبہ کی شبیہ میں تصویر

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کی دیوار پر جانب مغرب خانہ کعبہ شریف کی تصویر لگی ہے جس پر لوگوں کو طواف کرتے دکھایا گیا ہے لیکن طواف کرنے والوں کی تصویر واضح نہیں ہے اور نہ کسی عضو کو واضح طور پر دکھایا گیا ہے بعض احباب کو اس پر اعتراض ہے کہ ایسی تصویر جو کہ سر سے کافی بلند ہے اس کے سامنے ہوتے ہوئے نماز نہیں ہوتی۔ نماز پڑھتے ہوئے سامنے شیشے میں عکس نظر آتا ہے آیا نماز ہوگی یا نہیں؟ سائل: قاری محمد اسمعیل نقشبندی کراچی

الجواب باسمه تعالی

صورت مسئولہ میں چونکہ خانہ کعبہ شریف کی ایسی تصویر ہے جس میں طواف کرنے والے واضح طور پر نظر نہیں آتے تو اس صورت میں نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے، اگر وہ تصویر جس میں لوگ واضح طور پر نظر آتے ہوں، اور تصویر سامنے یا سر کے اوپر یا ایک طرف ہو تو نماز مکروہ ہے۔

علامہ برہان الدین المرغینانی لکھتے ہیں:

ویکره ان یکون فوق رأسه فی السقف او بین یدیه او بحذائه تصاویر أو صورة معلقة لحدیث جبریل انا لاند خل بیتًا فیه کلب او صورة ولو کانت صورة صغیرة بحیث لا تبدو للناظر لا یکره.

(ہدایہ، ص۱۴۲، جلد اول باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا، مطبوعہ کلام کمپنی کراچی)

نماز پڑھتے ہوئے اگر سامنے شیشے میں عکس نظر آئے تو نماز میں کوئی کراہت نہیں۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

آئینہ سامنے ہو تو کراہت نہیں کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ کا رکھنا بھی

مثل تصویر ناجائز ہوجائے حالانکہ بالا جماع جائز ہے،اور حقیقۃ امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صقالت کی وجہ سے لوٹ کہ چہرہ پر آتے ہیں، گویا یہ شخص خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اس کی صورت چھپتی ہو۔

(فتاوی امجدیہ ص۱۸۴،جلد اول باب مفسدات نماز،مکتبہ رضویہ کراچی)

واللہ اعلم بالصواب

۱۰/۸/۲۰۰۶ء..........۱۴رجب۱۴۲۷ھ

صف سے دور کھڑے ہوکر جماعت سے نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے دوران کوئی شخص یا کچھ لوگ صفوف کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے ایک ہی امام کی اقتداء میں الگ کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے ہیں تو ان کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ المستفتی: رشید گل آزاد کشمیر

الجواب باسمہ تعالیٰ

اگر کوئی شخص صفوں کو چھوڑ کر اکیلا امام کی اقتداء کرتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ مسجد کے احاطے کے اندر ہی ہو۔

وفی الھندیۃ :ولو اقتدی بالامام فی اقصی المسجد والامام فی المحراب فانہ یجوز کذافی شرح الطحاوی.

(جلد اول،ص۸۸،باب الامامۃ رشیدیہ کوئٹہ)

فان المسجد مکان واحد ولذالم یعتبر فیہ الفصل بالخلاء الااذا کان المسجد کبیرا جدا .

(شامی جلد۱ص۵۸۶باب الامامۃ ایچ ایم سعید)

واللہ اعلم بالصواب

۱۴.۷.۲۰۰۶ء..........۲۰ شعبان ۱۴۲۷ھ

طلوع آفتاب کے وقت کی مقدار اور مکروہ وقت میں عید کی نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلوع آفتاب ہونے پر کتنی دیر تک نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ ایک دیوبندی امام نے نماز عیدالاضحیٰ کی جماعت صبح سات بج کر پچیس منٹ پر کھڑی کردی جبکہ اس روز طلوع آفتاب سات بج کر سترہ منٹ پر تھا۔کیا ان کی نماز عید ہوگئی یا نہیں؟ نیز کورنگی میں واقع دارالعلوم کراچی کے نماز سے متعلق نظام الاوقات کے نقشے کے مطابق طلوع آفتاب کے بعد صرف دس منٹ تک نماز پڑھنا مکروہ ہے جبکہ ہم اہل سنت وجماعت کے یہاں طلوع آفتاب سے لے کر بیس منٹ تک مکروہ وقت ہے جیسا کہ بہار شریعت وغیرہ کتب میں مذکور ہونے کے ساتھ ساتھ عمل بھی اسی پر ہے۔آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیلی اور مدلل روشنی ڈالیں ۔شکریہ

المستفتی عبداللہ قادری کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں مستفتی کے قول ''امام نے نماز عیدالاضحیٰ کی جماعت صبح سات بجکر پچپیس منٹ پر کھڑی کردی'' سے مراد اگر تکبیر تحریمہ کہنا ہے تو نماز ہوگئی مگر گناہ گار ہوگئے اور اگر اس مذکورہ قول سے مراد صفیں سیدھی کرنا ہے تو پھر نماز صحیح ہے اور کوئی گناہ بھی نہیں کیونکہ صفیں سیدھی کرنے اور تکبیر تحریمہ تک عیدین کی نماز میں افراد کی کثرت کی وجہ سے کم از کم دو تین منٹ لگیں گے۔ طلوع شمس سے مکروہ وقت کم از کم دس منٹ ہوتا ہے اور موسم کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اگرچہ احتیاط بیس منٹ تک انتظار کرنے میں ہے۔ مکروہ وقت کے بارے میں ہمارے فقہاء احناف کی تصریحات مختلف عبارات سے آئیں ہیں۔ بعض فقہاء نے مکروہ وقت کا اندازہ یوں فرمایا کہ طلوع شمس کے بعد جب تک سورج کو دشواری محسوس کئے بغیر دیکھا جاسکتا ہوں تو یہ مکروہ وقت ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ جب تک سورج ایک رمح (نیزہ) تک اونچا نہ ہوجائے تو یہ مکروہ وقت ہے اس کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے پہلے مکروہ ہے۔ بعض فقہاء لکھتے ہیں ''سورج نکلنے کے بعد جب تک زردی باقی ہے تو یہ مکروہ وقت ہے اس دوران کوئی بھی نماز شروع کی تو اس پر واجب ہے کہ اس کو توڑ دے اور غیر مکروہ وقت میں پڑھے لیکن اگر اس نے پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی مگر گناہ گار ہوگا۔

علامہ حصکفی الحنفی لکھتے ہیں:

وکرہ تحریما وکل مالا یجوز مکروہ صلوٰۃ مطلقا ولو قضاء او واجبۃ او نفلا او علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسھو لا شکر مع شروق. (الدرالمختار، ص۳۷۰، جلداول، ایچ ایم سعید کراچی)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قولہ مع شروق) وما دامت العین لا تحار فیھا فھی فی حکم الشروق . اقول: ینبغی تصحیح ما نقلوہ عن الاصل للامام محمد من انہ مالم ترتفع الشمس قدر رمح فھی فی حکم الطلوع لأن اصحاب المتون مشوا علیہ فی صلوٰۃ العید.

(شامی، ص۳۷۱، ج۱، ایچ ایم سعید کراچی)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

ومنع عن الصلوٰۃ وسجدۃ التلاوۃ وصلوٰۃ الجنازۃ عند الطلوع والاستواء والغروب الاعصر یومہ لماروی الجماعۃ الا البخاری من حدیث عقبۃ بن عامر الجھنی رضی اللہ عنہ قال ثلاث ساعات کان رسول اللہ ﷺ ینھانا ان نصلی فیھن وان نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل وحین تضیف للغروب حتی تغرب. (البحرالرائق ص ۴۳۲ جلداول۔ رشیدیہ کوئٹہ)

وذكر فی الاصل مالم ترتفع الشمس قدررمح فهی فی حكم الطلوع،واختار الفضلی ان الانسان ما دام يقدر علی النظر الی قرص الشمس فی الطلوع فلا تحل الصلٰوة فاذا عجز عن النظرحلت.

(البحرالرائق ص۴۳۴ ج۱)

وان كانت الصلٰوة نفلا فهی صحيحة مكروة حتی وجب قضائه اذا قطعه ويجب قطعه وقضائه فی غير مكروه فی ظاهر الرواية ولواتمه خرج عن عهدة مالزمه بذلک الشروع .... كما لو نذر ان يصلی فی الوقت المكروه فأدی فيه يصح ويأ ثم ويجب ان يصلی فی غيره .

(البحرالرائق،ص۴۳۳،جلداول)

شیخ نظام برہان پوری لکھتے ہیں:

والتطوع فی هذه الاوقات يجوزويكره.

(عالمگیری،ص۵۲،ج۱رشیدیہ کوئٹہ)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں نماز ادا ہوگئی۔

والله اعلم بالصواب

۲۲ فروری ٢٠٠٦ء...........٤،صفر ١٤٢٨ھ

ٹینک میں بچہ مرا،اس پانی لگے کپڑے سے نماز پڑھنا

برائے مہربانی مندرجہ ذیل سوال کا جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

ایک بچہ پانی کے ٹینک میں گرکر مرگیا۔اس ٹینک سے میں نے بچے کو نکالا میرے ہاتھوں اور کپڑوں پر کافی پانی لگا ہوا تھا،میں نے عشاء کی نماز انہی کپڑوں اور گیلے ہاتھوں سے ادا کی کیا میری نماز ہوگئی؟ مستفتی:محمد عمیر اسلامک سینٹر کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

۱) صورت مسئولہ میں چونکہ بچے کا پانی (خواہ ٹینک ہو یا کنواں) میں گرکر مرجانے سے پانی نجس ہوا۔اور نجس پانی جب بدن یا کپڑے پر ایک درہم سے زیادہ لگے تو اس کو دھوئے بغیر نماز ادا نہ ہوگی۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

وان ماتت فيها شاة اوآدمی او كلب نزح جميع ما فيها من الماء لان ابن عباس وابن الزبير افتيا بنزح الماء كله حين مات زنجی فی بئر زمزم.

(ہدایہ ص۴۳ ج اول فصل فی البیر۔مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كا لدم والبول والخمر وخرء الد جاج وبول الحمار جازت

الصلوٰۃ معه وان زاد لم تجز۔ (ہدایہ ص۴۷ ج۱ باب الانجاس)

حضرت صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

جس کنویں کا پانی ناپاک ہوگیا اس کا ایک قطرہ بھی پاک کنویں میں پڑ جائے تو یہ بھی ناپاک ہوگیا۔ جو حکم اس کا تھا وہی اس کا ہوگیا۔

(بہارشریعت ص۴۲ حصہ دوم)

یونہی اس پانی سے کپڑے دھوئے یا کسی اور طریق سے اس کے بدن یا کپڑے میں لگا تو کپڑے اور بدن کا پاک کرنا ضروری ہے اوران سے جونمازیں پڑھی ہیں ان کا پھیرنا فرض ہے۔ (بہارشریعت ص۴۴ حصہ۲)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں آپ کی عشاء کی نماز ادا نہ ہوئی دوبارہ پڑھ لیجئے۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۰/ اپریل ۲۰۰٦ء / ربیع الثانی ۱٤۲۷ھ

عید کی دوسری رکعت کی تکبیرات واجبہ کا چھوٹنا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام بیچ اس مسئلے کے کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نے عیدالاضحیٰ کی نماز کی دوسری رکعت میں واجب زائد تکبیر کہنے کے بجائے رکوع میں چلے گئے۔ آگے والی تمام صفیں بھی رکوع میں چلی گئی۔ باہر صحن میں سے ایک صاحب نے لقمہ دیا تو امام صاحب نے رکوع سے اٹھ کر زائد تکبیر کہی اور پھر رکوع میں چلے گئے۔ پھر انہوں نے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کی، کیا صورت مسئولہ میں جماعت ہوگئی یا نہیں؟ بقول امام صاحب کے نماز ہوگئی۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر نماز میں غلطی کا کوئی وبال ہوگا تو وہ مجھ پر ہوگا۔

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں امام صاحب نے رکن یعنی رکوع کا تکرار کیا اور پھر سجدہ سہو کر لیا لہذا نماز صحیح ہوگئی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”ولا يجب السجود الابترک واجب او تاخيره او تاخير ركن او تقديمه او تكراره او تغيير واجب بان يجهر فيما يخافت وفي الحقيقة وجو به بشئ واحد وهو ترک الواجب كذافي الكافي.

(فتاوی عالمگیری ص۱۲٦ جلداول مکتبہ رشیدیہ)

مفتی امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

واجبات نماز میں سے جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے تو اس کی تلافی کے لئے سجدہ سہو واجب ہے۔

(بہارشریعت، ص۴۸، ج اول، حصہ چہارم)

اور واجب کی تاخیر، رکن کی تقدیم یا تاخیر یا اس کو مکرر کرنا یا واجب میں تغیر یہ سب بھی ترک واجب ہیں۔

(بہارشریعت ص۴۸، ج اول، حصہ چہارم۔ شیخ غلام اینڈ سنز لاہور)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

اذا تركها (يعنى تكبيرات العيدين)أو نقص منها أوزاد عليها أو أتى بها فى غير موضعها فانه يجب عليه السجود ،وذكر فى كشف الاسرار أن الامام اذا سها عن التكبيرات حتى ركع فانه يعود الى القيام .

(البحر الرائق ۔جلد دوم ص ۱۷۰ ۔مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں چونکہ تکرار فرض بھی ہوا اور امام رکوع سے قیام کی طرف بھی تکبیرات کے لئے آیا۔لہذا ایک ہی مرتبہ سجدہ سہو کافی ہوا،اور نماز صحیح ہوگئی۔

واللہ اعلم بالصواب

۲۰۰۷/۰۱/۲۵ء..........۵محرم ۱٤۲۸ھ

نمازی کا قرآن سے دیکھ کر پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بھی نماز میں قرآن سامنے رکھ کر اس سے پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسمه تعالىٰ

اگر رمضان المبارک میں تراویح پڑھاتے وقت کوئی قاری اپنے سامنے قرآن رکھ کر یا ہاتھ میں اٹھا کر اس کو دیکھتے ہوئے قرآن پڑھتا ہو تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔تمام فقہاء عظام نے مذکورہ فعل کو مفسدات نماز میں شمار کیا ہے۔اس فعل سے ہر قسم کی نماز فاسد ہوگی خواہ فرض ہو یا واجب،سنت ہو یا نفل۔امام ابوالبرکات لکھتے ہیں:

يفسد الصلوة قرأته من مصحف.

(کنز ص ۳۲ باب مایفسد الصلوٰۃ قدیمی کراچی)

علامہ برہان الدین المرغینانی لکھتے ہیں:

اذا قرأ الامام من المصحف فسدت صلوٰته عند ابى حنيفة ....لان حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الاوراق عمل كثير ولانه تلقن من المصحف فصار كما اذاتلقن من غيره وعلى هذا لا فرق بين المحمول والموضوع.

(ہدایہ ص ۱۳۷، ج ۱، باب مایفسد الصلوٰۃ، کلام کمپنی)

علامہ شرنبلالی الحنفی لکھتے ہیں:

قرأة مالا يحفظه من مصحف وان لم يحمله.

(مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۶ قدیمی کراچی)

ويفسدها قرأته من مصحف عند ابى حنيفة رحمه الله.

(عالمگیری ص۱۰۱ ج ا باب فیما یفسد الصلوٰۃ رشیدیہ کوئٹہ)

مفتی امجد علی لکھتے ہیں:

نماز میں مصحف شریف سے دیکھ کر قرآن پڑھنا مطلقاً مفسد نماز ہے۔

(بہار شریعت ص۱۱۲ حصہ ۳)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

تراویح میں قرآن مجید دیکھ دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں ہے اگر کسی نے ایسا کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل ص ۶۸ ج ۳)

الحاصل یہ کہ تراویح ہو یا دیگر نماز اس میں اگر کسی نے قرآن مجید کو نیچے رکھ کر یا اٹھا کر اس سے تلاوت کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

واللہ اعلم بالصواب

۲ ربیع الاول ۱٤۲۸ھ

نماز میں ''ض'' کے بجائے ''ظ'' پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ کوئی ''ضاد'' کی جگہ ''ظاء'' پڑھے، اور وہ یہ عمل نماز میں کرتا ہو۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے یا نہیں؟ فقط: محمد زاہد الحق کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

درج بالا صورت مسئولہ کے بارے میں مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی لکھتے ہیں:

بالجملہ عمداً ظا یا دال دونوں حرام، جو قصد کرے کہ بجائے ض، ظ یا ''د'' پڑھوں گا ان کی نماز کبھی تام فاتحہ تک بھی نہ پہنچے گی مغدوب ومغظوب کہتے ہی بلاشبہ فاسد وباطل ہو جائے گی اور جو حرف منزل ہی کا قصد رکھتا اور اسی کو ادا کرنا چاہتا ہے پھر اگر ایسی غلطی پڑے جس سے معنی نہ بدلے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی بدل گئے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ شخص ادائے حرف پر قادر تھا براہ لغزش زبان یا جہلا یا سہوا زبان سے نکل گیا تو ہمارے مذہب سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ومحرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز مطلقاً فاسد، اور اگر یہ بدلا ہوا کلمہ قرآن مجید میں نہیں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی اتفاق ہو کر اجماع آئمہ متقدمین کہ نماز باطل ہے اور اور متاخرین کے اقوال کثیرہ ومضطرب ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ص۳۲۲ جلد ششم، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی رشید احمد گنگوہی محدث دیوبند لکھتے ہیں:

د، ظ، ض، کے حرف جدا گانہ اور مخارج جدا گانہ ہونے میں تو شک نہیں ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ قصداً کسی حرف کو دوسرے کے مخارج سے ادا کرنا سخت بے ادبی اور بسا اوقات باعث فساد نماز ہے مگر جو لوگ معذور ہیں اور ان سے یہ لفظ اپنے

مخرج سے ادا نہیں ہوتا اور وہ حتی الوسع کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کی نماز بھی درست ہے اور دال پُر ظاہر ہے کہ خود کوئی حرف نہیں ہے بلکہ ضاد ہی ہے اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا نہیں ہوا۔ تو جو شخص دال خالص یا ظا خالص عمداً اپڑھے اس کے پیچھے تو نماز نہ پڑھیں مگر جو شخص دال پُر کی آواز میں پڑھتا ہے آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ فقط

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۶۔ مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خانہ کراچی)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص قصداً ''ض'' کے بجائے ظ یا دال پڑھتا ہے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۱ ربیع الاول ۱٤۲۸ھ

نمازی کے سامنے حائضہ عورت کی موجودگی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی نمازی کے سامنے اگر حائضہ عورت بیٹھی یا لیٹی ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: زاہد حسین فرنٹیئر کالونی بنارس کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

نمازی کے سامنے (آگے) اگر آدمی بیٹھا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو نمازی کی طرف منہ ہوگا تو اس صورت میں نماز مکروہ ہے یا نمازی کی طرف پیٹھ ہوگی تو پھر نماز جائز ہے مگر اس شرط پر کہ اس زور سے باتیں نہ کرتا ہو کہ نمازی کی نماز میں خلل آتا ہو ورنہ مکروہ ہے اسی طرح اگر حائضہ ہو تو بھی یہی حکم ہے بلکہ حائضہ کی گود میں ٹیک لگا کر قرآن مجید پڑھنا بھی جائز ہے ۔

عن عائشة ان النبی ﷺ کان یتکئی فی حجری وانا حائض ثم یقرء القران.

(بخاری ص ۴۴ ج ۱، باب قرأة الرجل فی حجر امرأته وھی حائض، نور محمد)

(مسلم ص ۱۴۳ ج ۱، قدیمی کراچی)

شیخ احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

لا یکره التوجه الی (ظهر قاعد) ای او قائم (یتحدث) ای سًرا بحیث لا یخاف منه الغلط.

(طحطاوی ص ۳۶۹، فصل فیما لا یکرہ للمصلی، قدیمی کراچی)

ولو صلی الی ظهر رجل یتحدث لایکره وان کان بالقرب منه الااذا رفعوا اصواتهم بحیث یخاف المصلی ان یزل فی القرأة فحینئذ یکره. (عالمگیری، ص ۱۰۸، ج ۱، باب فیما یکرہ للمصلی، رشیدیہ کوئٹہ)

ولو صلی الی وجه انسان یکره. (عالمگیری ص ۱۰۸ ج ۱ ایضاً)

الحاصل یہ کہ نمازی کے آگے جو بھی ہو چاہے جنب ہو یا حائضہ مگر زور زور سے باتیں نہ کرتا ہو اور نمازی کی طرف منہ نہ کیا ہو تو نماز صحیح اور جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سنت مؤکدہ نماز کی تفصیل اور جمعہ کے بعد کتنی رکعت مؤکدہ ہیں

کیا کہتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ سنت مؤکدہ رکعات کی تفصیل کیا ہے نیز جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت مؤکدہ ہیں یا چار رکعات؟

المستفتی: محمد عبدالقیوم، کراچی

الجواب بعون الوھاب

سنت مؤکدہ رکعات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دو رکعت فجر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، اور دو عشاء کے بعد اسی طرح چار رکعت ظہر سے پہلے، چار جمعہ سے پہلے اور چار رکعات جمعہ کے بعد،

امام ابوالبرکات النسفی لکھتے ہیں:

والسنة قبل الفجر وبعد الظهر والمغرب والعشاء ركعتان وقبل الظهر والجمعة وبعدها اربع.

(کنز الدقائق ص۳۴ باب الوتر والنوافل)

اور جمعہ کے بعد چار رکعات کی دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے:

عن ابی هريره رضى الله عنه مرفوعا:اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعا.وفى رواية اذا صليتم بعد الجمعة فصلواااربعا.

(بحوالہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق ص۸۷ ج۲ باب النوافل)

سیدنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نمازی کے لئے مناسب ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت ادا کرے یہی احناف کے نزدیک افضل ہے۔علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

والافضل عندنا ان يصلى اربعاثم ركعتين.

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ص۸۷ ج۲)

الحاصل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت احناف کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں جبکہ اس کے بعد دو رکعت پڑھنا مستحب ہے،جن کا پڑھنا افضل ہے۔

واللہ اعلم بالصواب.........۹مارچ ۲۰۰۶.........۸صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

قیام سے قعدہ کی طرف لوٹ کر آنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک امام نماز مغرب کی دوسری رکعت میں قعدہ کے بجائے قیام کرنے لگے تھے۔لقمہ لینے پر دوبارہ قعدہ کی طرف لوٹ گئے آخر میں اس نے سجدہ سہو بھی کرلیا کیا اس کی نماز ہوگئی یانہیں؟

السائل: محمد نعیم عطاری، کراچی

الجواب باسمہ تعالی

اگر امام نے سہوا قعدہ اولیٰ نہ کیا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور مقتدی کے لقمے دینے کی وجہ سے قعدہ میں بیٹھ گیا تو صحیح قول کے موافق اس کی نماز ہوگئی۔ لیکن اس کو لوٹنا نہ چاہئے تھا، یہ اس نے برا کیا۔ بعض فقہاء نے اس صورت میں فساد نماز کا حکم کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز ہوجاتی ہے۔

علامہ عالم ابن العلاء لکھتے ہیں:

وفی الخلاصة .وان کان الی قیام اقرب لم یعد،فان عاد لاتبطل صلوتہ لان فیہ اکمال ماترکہ .

(فتاوی تاتارخانیہ،ص ۴۳۸ جلد اول مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراتشی)

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

وان عاد الساھی عن القعود الاول الیہ بعد ما استتم قائما اختلف التصحیح فی فساد صلوتہ وارجحھما عدم الفساد لان غایة مافی الرجوع الی القعدة زیادة قیام فی الصلوٰة وھو ان کان لایحل لکنہ بالصحة لایخل.

(مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص ۲۵۴، میر محمد کراچی)

علامہ شیخ احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

(وارجحھا عدم الفساد) قدبالغ فی المنتقٰی فی رد القول بالفساد وجعلہ غلطا لانہ تاخیر لارفض.

(طحطاوی علی المراقی ص ۲۵۴)

صدرالشریعۃ لکھتے ہیں:

فرض میں قعدہ اولی بھول گیا تو جب تک سیدھا کھڑا نہ ہو لوٹ آئے اور سجدہ سہو نہیں اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو نہ لوٹے اور آخر میں سجدہ سہو کرے اور اگر سیدھا کھڑا ہوکر لوٹے تو سجدہ سہو کرے اور صحیح مذہب میں نماز ہوجائے گی مگر گنہگار رہوا۔

(بہارشریعت ص ۴۸ حصہ چہارم)

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

فلوعاد الی القعود بعد ذلک تفسد صلوٰتہ لرفض الفرض لما لیس بفرض وصححہ الزیلعی وقیل لاتفسد لکنہ یکون مسیئا ویسجد لتاخیر الواجب وھوالاشبہ کما حققہ الکمال وھوالحق. (الدر المختار ص ۵۵۰ جلد اول باب سجود السہو، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

قوله كما حققه الكمال اى بما حاصله ان ذلك وان كان لايحل لكنه بالصحة لايخل. (شامی ص ۵۵۰ جلداول)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی۔

واللہ اعلم بالصواب.

۳ جولائی ۲۰۰٦ء..........۷ جمادی الثانی ۱٤۲۷ھ

قیام کئے بغیر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے پر نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص مسجد میں آیا امام رکوع میں تھا اس شخص نے قیام نہیں کیا اور رکوع میں شامل ہوا۔ آیا اس شخص کی پوری نماز نہیں ہوئی یا صرف ایک رکعت نہیں ہوئی؟ بینوا وتوجرا۔ المستفتی حامد علی، کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں اگر مقتدی نماز میں ایسے وقت میں شامل ہوا کہ امام رکوع میں تھا اور یہ شخص تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں پڑھ کر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجائے اور اسے رکوع کی اتنی مقدار مل جائے کہ امام کی کمر جھکی ہوئی ہو اور یہ بھی جھک چکا ہو اگرچہ اس نے تسبیحات نہ پڑھی ہوں۔ تو اتنی مقدار کا قیام اور رکوع کافی ہوگا۔ اس کی نماز ہوجائے گی اور وہ اس رکعت کو پانے والا ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"فلو كبر قائما فركع ولم يقف صح، لان ما اتى به القيام الى ان يبلغ الركوع يكفيه"

(ردالمحتار، ص ٤٤٥ ج ۱ باب صفۃ الصلوٰۃ ایچ ایم سعید)

کیونکہ بغیر عذر شرعی تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں فرض ہے۔ اس لیے اگر رکوع کی حالت میں تکبیر پڑھی یا رکوع کی حالت کے قریب جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو بھی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر جھکتے ہوئے تکبیر کہی لیکن قیام کی حالت کے قریب تھا تو نماز درست ہوگی۔

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

ولو قال المصنف فرضها التحريمة قائمالكان اولى لان الافتتاح لا يصح الا فى حالة القيام حتى لو كبر قاعدا ثم قام لايصير شارعا لان القيام فرض حالة الافتتاح كما بعده. ولو جاء الى الامام وهوراكع فحنى ظهره ثم كبر ان كان الى القيام اقرب يصح، وان كان الى الركوع اقرب لايصح.

(البحر الرائق ص ۵۰۸ ج ۱ باب صفۃ الصلوٰۃ)

واللہ اعلم بالصواب

۲۹ مارچ ۲۰۰٦ء.......۲۸ صفر ۱٤۲۷ھ

حالت نماز میں بعض صوفیاء کا اوہ اوہ، آہ آہ اور اف اف کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بعض اہلِ طریقت (پیرومرید) حالت نماز میں یا نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں کبھی اُوہ اُوہ کبھی اُف اُف اور کبھی آہ آہ کرتے ہیں اور ساتھ میں اپنی نماز بھی جاری رکھتے ہیں۔ پوچھنے پر یہ بتاتے ہیں کہ یہ جذب ووجد کی کیفیت ہوتی ہے جو کامل اور مکمل افراد (پیرومرید) پر آتی ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول کس حد تک صحیح ہے کیا اس صورت میں نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب تفصیل سے عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: بندہ خدا کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

صورتِ مسئولہ میں اگرچہ تمام فقہائے احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مذکورہ الفاظ (اُوہ، اُف، آہ) وغیرہ نماز میں جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ادا کئے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر کسی پریشانی، درد، مصیبت اور بیماری کی وجہ سے ادا کئے تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام ابوالبرکات النسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یفسد الصلوٰة .. .. والانین و التاؤہ و ارتفاع بکائه من وجع او مصیبة لا من ذکر الجنة او النار "

(کنز الدقائق باب مایفسد الصلوٰۃ، ص ۳۱، حقانیہ ملتان)

امام مرغینانی لکھتے ہیں:

" فان انّ فیها اوتاؤہ او بکی فارتفع بکائه فان کان من ذکر الجنة او النار لم یقطعها لانه یدل علی زیادة الخشوع و ان کان من وجع او مصیبة قطعها لان فیه اظهار الجزع و التأسف فکان من کلام الناس .

(ہدایہ ص ۱۳۵، ج اول، باب مایفسد الصلوٰۃ، مطبوعہ شرکت علمیہ)

صدرالشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ذکرِ جنت ونار پر اگر گریہ طاری ہوا اور آہ اُف وغیرہما الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا جب بھی حرج نہیں۔ درمختار میں ہے: **لا لـذکر جنة او نار "** ردالمحتار میں ہے: **" لان الانین و نـحـوہ اذا کـان بـذکـر هما صار کانه قال اللهم انی اسئلک الجنة و اعوذ بک من النار و لو صرح به لاتفسد صلوته .** (فتاویٰ امجدیہ، ص ۱۸۱، ج ۱، مکتبہ رضویہ کراچی)

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"دوزخ کی یاد سے اگر آہ یا اُف وغیرہ الفاظ نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی"

(امداد الفتاوی ص ۲۷۸، ج ۱، دار العلوم کراچی)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز میں اُوہ، اُف یا آہ آہ کرنے کی علت اگر جنت ودوزخ کی یاد ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن اس حالت کو آج کل کے دور میں جذب و وجد کہنا سراسر غلطی اور ظلم ہے کیونکہ آج کل ہر شخص اپنی شہرت حاصل کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو بڑا کامل و

مکمل پیرظاہر کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانے بنارہا ہے، اور لوگوں کو گمراہ کررہا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اپنے آپ پر ریاء وتکبر اور نمود و نمائش کے لئے یہ وجد و جذب کی کیفیت لاتا ہو کہ لوگ مجھے بڑا متقی صوفی اور بزرگ با کرامت سمجھیں تو ایسے شخص کی نماز فاسد تو کیا ہوگی کہ ایسے شخص پر حدیث کی رو سے کفر و شرک کا خوف ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان یسیر الریاء شِرْک ''. (رواہ ابن ماجۃ، مشکوٰۃ ص۴۵۵)

آج کل پرفتن دور میں جہاں گلی گلی، کوچہ کوچہ آستانہ عالیہ، روحانی مرکز، خانقاہ شریف، سجادہ نشین کا حجرہ بن چکا ہے۔ اصل میں یہ اپنی دکانداری چمکانے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں کہ کسی بھی طریقے سے عوام الناس کو گمراہ کر کے اور بے دین بنا کر ان سے مال وصول کریں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم کامل پیر اور ناقص پیر کی علامات ذکر کرتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ کامل پیر و مرید کا جذب و وجد صحیح ہے اور ناقص پیر کا وجد و جذب دکھلاوا اور فراڈ کے کرتب ہے اور شیطانی وسوسے ہیں۔

دور حاضر کے ایک عظیم روحانی پیشوا مولانا پیر سیف الرحمٰن اخندزادہ پیرارچی افغانی اپنی کتاب ''ہدایۃ السالکین'' میں پیر کامل اور پیر ناقص کی علامات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

کامل و مکمل پیر وہ ہے جو کہ سیر اربعہ، فناوبقا، مقام رسوخ، اطمینان نفس، اخلاق محمودہ، اعتدال عناصر اور اسرار دقائق سے بہرہ ور ہو شریعت محمدی ﷺ کا مکمل طور پر پابند ہو، عقائد اجماعیہ سنیہ کا متبع ہو اور مذاہب اربعہ میں سے معین مذہب کا مقلد ہو اور درجات سبعۃ متابعت سے متصف ہو۔

(ہدایۃ السالکین ص ۲۲۸)

ناقص پیر وہ ہوتے ہیں جنہوں نے سلوک شروع نہ کیا ولایت کے مقامات طے نہ کئے ہوں اور رسوخ کے مقام تک نہ پہنچے ہوں۔ سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء کو بطریق تمام طے نہ کیا ہو۔ فناوبقا کی دولت سے مشرف نہ ہوئے ہوں، حیات لطائف، اطمینان نفس، اعتدال عناصر اور اخلاق محمودہ سے متصف نہ ہوئے ہوں تو یقیناً اس قسم کے پیر ناقص پیر ہی ہیں اور شریعت کی رو سے ان کے لئے حقوق بھی ثابت نہیں ہیں بلکہ ان کی صحبت سے فرار واجب ہے۔ (ہدایۃ السالکین ص ۲۲۷)

پیر کامل اور پیر ناقص کی پہچان کے لئے پیر صاحب موصوف نے جو علامات ذکر فرمائی ان کی روشنی میں دورِ حاضر کے امام المجذوبین اور پیرانِ طریقت، رہبرانِ شریعت کی حالت کا اندازہ لگایئے کہ دور حاضر کے پیر ناقص ہیں یا کامل؟ جو نمازوں اور حلقہ ذکر واذکار میں اٹھنے بیٹھنے، چیخنے چلانے اور ہنسنے رونے کے وہ کرتب دکھاتے ہیں کہ سادہ لوح عوام الناس ایسے ہی ناقص پیروں کو وقت کے اغواث، اقطاب و ابدال ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ پیر صاحب موصوف نے ہدایۃ السالکین میں پیر کامل کی جو صفات ذکر کی ہیں اس دور کے ان نام نہاد پیروں کو تو ان مقامات کے نام تک زبانی یاد نہیں رہتے چہ جائیکہ وہ ان مقامات سے مشرف بھی ہوں۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ پیر صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ ایسے ناقص پیروں سے فرار واجب ہے۔

دور حاضر کے ان مکّار، دجّال اور طریقت کے نام پر دنیا کمانے والے پیروں کے بارے میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قال ابن عمر و قد رای ساقطاً من سماع القرآن فقال: انا لنخشی اللّٰہ تعالیٰ و ما نسقط، ھؤلاء یدخل الشیطان فی جوف احدھم ..... ھذا نعُت اولیاء اللّٰہ تعالیٰ قال: تقشعِر جلودھم و تبکی اعینھم و تطمئن قلوبھم الیٰ ذکر اللّٰہ تعالیٰ، و لم ینعتھم اللّٰہ سبحانہ بذھاب عقولھم و الغشیان علیھم، انما ھذا فی اھل البدع، و انما ھو من الشیطان، و اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن جبیر، قال: الصعقۃ من الشیطان، و قال ابن سیرین: بیننا و بین ھؤلاء الذین یصرعون عند قراء ۃ القرآن ان یجعل احدھم علی حائط باسطا رجلیہ، ثم یقرأ علیھم القرآن کلہ فان رمی بنفسہ فھو صادق .

(روح المعانی، ص ۳۸۴، ۳۸۳، ج ۱۲، سورۃ الزمر، آیۃ ۲۳، حقانیہ ملتان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو دیکھا جو قرآن مجید سننے کی وجہ سے گر گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مگر ہم نہیں گرتے (یہ لوگ جو اپنے آپ کو دکھاوے اور ریا و تکبر کی وجہ سے گراتے ہیں) ان کے پیٹ میں شیطان داخل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ (بزرگوں) کی جو تعریف کی ہے تو وہ یہ ہے کہ ان کے جسموں کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں روتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی تعریف یہ نہیں فرمائی کہ ان کی عقل ختم ہو جائے گی یا ان پر بے ہوشی آئے گی بلکہ یہ تو شیطان کی طرف سے اہل بدعت (جو کہ طریقت کے نام پر مکاری اور دھوکہ دینے والا ہو) میں ہوتا ہے۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس شخص پر (لوگوں کے سامنے) قرآن مجید کے سننے کی وجہ سے گرنے کی کیفیت آتی ہو تو ان لوگوں میں سے کسی ایک (مکار) کو اٹھا کر دیوار پر پاؤں پھیلا کر بٹھا دو اور اس کے سامنے پورا قرآن مجید ختم کر دو تو اگر وہ شخص اپنے آپ کو دیوار سے گرا دے تو یہ شخص واقعی صادق (عاشق اور صحیح پیر و ذاکر) ہے (ورنہ لوگوں کو دھوکہ دینے والا مکار ہے)۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مالکی قرطبی رحمہ اللہ نے بھی روح المعانی کی مذکورہ عبارت ذکر کی اور ساتھ میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی نقل کی، لکھتے ہیں:

" عن اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنھما قالت کان اصحاب النبی ﷺ اذا قرئ علیھم القرآن کما نعتھم اللّٰہ تدمع اعینھم و تقشعر جلودھم . قیل لھا فان اناساً الیوم اذا قرئ علیھم القرآن خر احدھم مغشیاً علیہ . فقالت اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ".

و قال ابو عمران الجونی: " وعظ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل ذات یوم فشق رجل قمیصہ فاوحی اللّٰہ الیٰ موسیٰ ، قل لصاحب القمیص لا یشق قمیصہ فانی لا احب المبذرین یشرح لی عن قلبہ.

(تفسیر قرطبی ص ۲۵۰، ۲۴۹، ج ۱۵، دار الاحیاء التراث العربی)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور ان کے جسم کے رونگھٹے کھڑے ہوجاتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان فرمائی ہے۔ حضرت اسماء کو بتایا گیا کہ آج کل ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ان میں کوئی شخص بے ہوش ہوکر گر جاتا ہے۔ حضرت اسماء نے کہا: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

ابو عمران الجونی رحمہ اللہ نے بتایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعظ فرمایا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص پھاڑ لی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس قمیص والے سے فرمائیے کہ میں ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو مجھے اپنا دل کھول کر دکھاتے ہیں۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ ہجری لکھتے ہیں:

انھم یلزمون الادب عند سماعھا کما کان الصحابة رضی اللّٰہ عنھم عند سماعھم کلام اللّٰہ تعالیٰ من تلاوة رسول اللّٰہ ﷺ تقشعر جلودھم ثم تلین مع قلوبھم الیٰ ذکر اللّٰہ لم یکونوا یتصارخون و لا یتکلفون ما لیس فیھم بل عندھم من الثبات و السکون و الادب و الخشیة . '

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۵، ج ۴ مطبوعہ دارالاحیاء، بیروت)

یہ نیک اور متقی لوگ باادب ہوکر قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کی تلاوت سنا کرتے تھے اور ان کے رونگھٹے کھڑے ہوجاتے تھے، اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم پڑ جاتے تھے۔ وہ قرآن کو سن کر چیختے چلاتے نہیں تھے اور نہ تکلف سے وجد کرتے تھے بلکہ سکون اور ادب اور خوفِ خدا سے ان آیات کو سنتے تھے۔

مفسرین اور فقہاء کرام کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ وجد و جذب جو کہ ایک غیر اختیاری فعل ہے جو کبھی کبھی صوفیاء سے صادر ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص اور ہر مرید امام المجذ و بین بن کر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے چھلانگیں مارنا شروع کردے یا کپڑے پھاڑ دے جیسا کہ اس پرفتن اور فساد کے دور میں (بقول حضرت پیر صاحب ارچی خراسانی) ناقص پیران جو کہ تصوف کے مقامات کے نام تک نہیں جانتے لوگوں کو مرید بنا کر تصوف کے نام پر گمراہی کی طرف لے جارہے ہیں۔ نہ تو ان ناقص پیروں کو شریعت کی پابندی کا کوئی خیال رہتا ہے اور نہ حضور ﷺ کی متابعت کا۔ شیخ جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" لا تلتفتوا قط لشخص و لو تربع فی الھواء الا ان رأیتموہ تقید بالشریعة امراً و نھیاً.

(البھجة السنیة فی آداب طریقة النقشبندیة، ص ۳۵، بحوالہ فتاوی فریدیہ ص ۳۷۹ ج اول)

اگر کوئی شخص ہوا میں بھی اڑ رہا ہو لیکن جب تک وہ شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند نہ ہوگا تو اس کی طرف دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ (اس سے مرید ہونا تو دور کی بات ہے)۔

مذکورہ دلائل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیر القرون میں بھی ایسے لوگ تھے جو قرآن مجید سن کر اپنے آپ کو صاحب حال اور صاحبِ وجد و جذب

ظاہر کر کے زمین پر گرا دیتے تھے لیکن اس کے باوجود کہ خیر القرون میں جذب ووجد کا ہونا زیادہ مناسب تھا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے انوار وفیوضات کا نزدیک زمانہ تھا مگر پھر بھی صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے ان پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کی گرفت فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اندر شیطان گھسا ہوا ہے یا ان کو اونچی دیوار کے اوپر وجد کیوں نہیں آتا۔اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تو یہ سن کر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھا۔

الحاصل یہ ہے کہ جذب ووجد کا آنا اگر چہ فی نفسہ جائز ہے مگر دور حاضر کے علماء شریعت اور پیران طریقت کو اس میں محتاط رہنا چاہئے کہ شریعت وطریقت کو بدنام کرنے والے منکرین وجد وجذب کے ظاہری لباس میں آکر لوگوں کے ایمان اور عقائد حقہ کو ختم نہ کردیں

۔

واللہ اعلم بالصواب.

۲۹مئی۲۰۰۶ء.........یکم جمادی الاول ۱۴۲۷ھ

تکبیرات انتقالات کی شرعی حیثیت اور امام کا تکبیر کو جہر سے نہ پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ نماز میں تکبیرات انتقالات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تکبیرات انتقالات کو جہر سے ادا کرنا امام کے لئے کیسا ہے۔اگر کوئی امام رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کو جہر سے ادا نہ کرے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ایسا کرے تو اس کی نماز ادا ہوگی یا واجب الاعادہ ہوگی کیونکہ سجدہ سہو کرنے کی وجہ سے فرائض اور واجبات میں تاخیر ہوگی۔

المستفتی :عبدالرحمان صاحب کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں تکبیرات انتقالات سنت ہے اور امام کے لئے جہر سے ادا کرنا بھی سنت ہے۔علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

(وتکبیر الرکوع)لما روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یکبر عند کل رفع وخفض. (البحرالرائق ص ۵۲۹ جلد اول مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(وجھر الامام بالتکبیر)لحاجتہ الی الاعلام بالدخول والانتقال. قید بالامام لان الماموم والمنفرد لایسن لھما الجھر بہ لان الاصل فی الذکر الاخفاء ولاحاجۃ لھما الی الجھر.

(البحر الرائق ص ۵۲۸ جلد اول باب صفۃ الصلوٰۃ،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صورت مسئولہ میں امام پر سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ سنت کے ترک پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

قید بترک الواجب لانہ لایجب بترک سنۃ کالثناء والتعوذ والتسمیۃ وتکبیرات الرکوع والسجود وتسبیحاتھا ورفع الیدین فی تکبیرۃ الافتتاح وتکبیرات العیدین والتأمین والتسمیع والتحمید.

(البحر الرائق ص ۱۷۴ جلد دوم باب سجود السھو)

نماز کے فرائض میں سے نماز پڑھنے والے کا اپنے فعل کے ذریعے نماز سے نکلنا بھی ہے اور لفظ سلام کے ذریعے نماز سے نکلنا واجب ہے۔
امام ابوالبرکات لکھتے ہیں:

"فرضها التحريمة .... والخروج بصنعه وواجبهاقراة الفاتحة .... ولفظ السلام .

(کنز الدقائق ص۲۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

کسی بھی واجب کے ترک سے یا مؤخر کرنے سے یا کسی فرض کے تقدیم یا تاخیر سے یا مکرر کرنے یا بدلنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

ولايجب السهو الا بترك واجب اوتاخيره او تاخيرركن او تقديمه او تكراره او تغيير واجب بان يجهر فيمايخافت.

(عالمگیری ص ۱۲٦ جلد اول باب فی سجود السہو مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ)

ان عبارات کو دیکھتے ہوئے صورت مسئولہ میں دوسرا سجدہ سہو کرنا واجب ہے نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے لیکن فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر آخری قعدہ میں دو مرتبہ تشہد پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہیں۔
علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"ولوكرر التشهد فى القعدة الاخيرة فلاسهو وفى شرح الطحاوى لم يفصل وقال لا سهو عليه فيهما كذا فى الخلاصة"

(البحر الرائق ص۱۷۲،۱۷۳ ج ۲ باب سجود السہو)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی۔

واللہ اعلم بالصواب

٦ جمادی الاولیٰ ١٤٢٧ھ.............٣ جون ٢٠٠٦ء

دعائے قنوت کے الفاظ کا ثبوت

قرآن وحدیث کی روشنی میں دعائے قنوت کے الفاظ کا ثبوت دیجئے۔ بینواوتوجروا

مستفتی: محمد عبداللہ کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

احادیث صحیحہ کی روشنی میں وتر کی نماز میں دعائے قنوت کے لیے مختلف اذکار وارد ہوئے ہیں۔ مراسیل ابی داؤد میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعائے قنوت ان الفاظ کے ساتھ سکھائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَ نُؤْمِنُ بِكَ وَنَخْنع لكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَكْفُرُكَ. اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَ نَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَ نَخَافُ عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ

الجد بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ (مراسیل ابی داؤد ص ۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ دعا مروی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَستَھدُیکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَ نَتُوْبُ اِلَیْکَ وَ نُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ کُلَّہ ، نَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَفْجُرُکَ. اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَ نَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ الجد بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ.

اورنسائی کی روایت میں ہے، "وصلی اللہ علی النبی و الہ وسلم"

(حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلوٰۃ ص۳۸۱،۳۷۸ باب الوتر قدیمی کراچی)

احناف کے نزدیک درج ذیل دعا پڑھنا مشہور ہے۔علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"ان الدعا المشھور عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَ نُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ کلہ نَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَن یَفْجُرُکَ. اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَ نَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَ نَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ.

(البحر الرائق ص ۴۷ ج ۲ باب الوتر رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم بالصواب

۲۸ صفر ۱٤۲۷ھ.........۲۹ مارچ ۲۰۰٦ء

عشاء کا ابتدائی وقت کب شروع ہوتا ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عشاء کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ (یعنی غروب شمس کے بعد عشاء کا وقت کب شروع ہوتا ہے) مغرب اور عشاء کے وقت میں موسم کے مطابق کتنا ٹائم فاصل ہے؟ وضاحت فرمائیے اور فقہ کی کتابوں میں شفق سے مراد بیاض ہے یا حمرۃ، اور کس قول کو ترجیح ہوگی؟ اور عبادات میں فتویٰ کس امام کے قول پر دیا جائے گا؟ امام ابوحنیفہ یا صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر؟ مندرجہ بالا مسائل کا جواب تفصیلی عنایت فرمائیے۔ کیونکہ ہمارے دیار کی مساجد میں جو دائمی نقشہ برائے اوقات نماز ہے اس کے مختلف ہونے کی وجہ سے عشاء کی نماز میں تقدیم وتاخیر ہوتی ہے جس کی وجہ سے نماز ضائع ہونے کا خوف وخطرہ ہے۔فقط

المستفتی: سعید اکبر پورن

متعلم: دارالعلوم حنفیہ نقشبندیہ شموزئی سوات

باسمہ تعالی الجواب ومنہ التوفیق والصواب

صورت مسئولہ میں سب سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ عبادات میں فتویٰ مطلقاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر دیا جائے گا۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والا صح کما فی السراجیة وغیرها انه یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی الخ.

(الدرالمختار، ص۵۲، جلداول، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اصح بات یہ ہے کہ فتویٰ مطلقا امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہوگا، اس کے بعد دوسرے کے قول پر جیسا کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اقول عبارتها ثم الفتویٰ علی الا طلاق علی قول ابی حنیفة ثم قول ابی یوسف ثم قول محمد ثم قول زفر والحسن بن زیاد وقیل اذا کان ابو حنیفة فی جانب وصاحباه فی جانب فالمفتی بالخیار والاول اصح اذالم یکن المفتی مجتهد ا......... (قوله بقول الامام) قال عبدالله بن المبارک لانه رأی الصحابة وزاحم التابعین فی الفتویٰ فقوله اشد واقوی.

(فتاویٰ شامی ص۵۲ جلداول مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

میں کہتا ہوں کہ سراجیہ کی عبارت یوں ہے: فتویٰ مطلقا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر پھر امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر پھر امام زفر اور حسن بن زیاد رحمہما اللہ کے قول پر ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک طرف اور آپ کے شاگرد دوسری طرف ہو تو مفتی کو اختیار ہے، لیکن پہلا قول اصح ہے جب کہ مفتی مجتہد نہ ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ اس لئے ہوگا کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کا دیدار فرمایا، اور فتویٰ کے سلسلے میں تابعین سے مزاحمت فرمائی، اس لئے آپ کا قول مضبوط اور قوی ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قد جعل العلماء الفتویٰ علی قول الامام الاعظم فی العبادات مطلقا وهو الواقع الا ستقراء.

(فتاویٰ شامی، ص۵۳، جلداول، رشیدیہ کوئٹہ)

علماءکرام نے عبادات میں فتویٰ مطلقا امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر متعین فرمایا ہے۔

علامہ سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم الفتویٰ علی الا طلاق علی قول ابی حنیفة ثم بقول صاحبیه ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر ابن الهزیل ثم بقول حسن بن زیاد وقیل اذا کان ابو حنیفة بجانب وصاحباه فی جانب فالمفتی بالخیار والاول اصح اذالم یکن المفتی مجتهد ا لانه کان اعلم العلماء فی زمانه حتی

قال الشافعی الناس کلهم عیال ابی حنیفة فی الفقه.

(فتاویٰ سراجیہ، ص ۱۵۷، مطبوعہ: المطبع العالی نولکشور لکھنؤ)

فتویٰ مطلقا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہوگا، پھر امام ابو یوسف پھر امام محمد بن حسن پھر امام زفر بن ہزیل پھر امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ کے قول پر، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک طرف اور صاحبین دوسری طرف ہوتو مفتی کو اختیار ہے، لیکن جب مفتی مجتہد نہ ہوتو پہلی بات اصح ہے (یعنی فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر دیا کرے) کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے دور کے علماء میں اعلم (زیادہ جاننے والے) ہیں، یہاں تک کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جعل العلماء الفتویٰ علی قوله فی العبادات مطلقا وهو الواقع بالا ستقراء.

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۶۴، مذہبی کتب خانہ کراچی)

علماء کرام نے عبادات کے سلسلے میں فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر دیا ہے۔

شیخ ملا نظام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا اتفق اصحابنا فی شیء ابو حنیفة وابو یوسف ومحمد رحمهم الله لاینبغی للقاضی ان یخالفهم برأیه واذا اختلفوا فیما بینهم قال عبدالله بن المبارک رحمه الله یؤ خذ بقول ابی حنیفة لانه کان من التابعین وزاحمهم فی الفتویٰ کذا فی محیط السرخسی.

(عالمگیری، ص ۲۱۵، جلد سوم، مطبوعہ نولکشور)

جب ہمارے اصحاب (آئمہ احناف) یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو قاضی (ومفتی) کو اپنی رائے سے ان کی مخالفت کرنا مناسب نہیں۔ اور جب آئمہ احناف (کے اقوال کسی مسئلہ میں) آپس میں مختلف ہوتو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول لیا جائے گا، کیونکہ آپ تابعین میں سے ہیں اور تابعین کے ساتھ فتویٰ میں اختلاف (مزاحمت) فرمایا۔

علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وصحح فی السراجیة ان المفتی یفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیادرحمهم الله ولا یخیر اذالم یکن مجتهدا.

(البحرالرائق، ص ۴۵۲، جلد ششم، رشیدیہ کوئٹہ)

سراجیہ میں اس بات کو اصح فرمایا ہے کہ مفتی مطلقاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دے گا، پھر امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر

امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ کے قول پر، اور جب مفتی مجتہد نہ ہو تو اسے اختیار نہیں دیا جائے گا۔
علامہ عمر بن ابراہیم بن نجیم مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم الفتویٰ مطلقا بقول الامام ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر ثم بقول الحسن بن زیاد.

(النھر الفائق، ص۵۹۹، ج۳، قدیمی کراچی)

فتویٰ مطلقا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر دیا جائے گا، پھر امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر امام زفر پھر امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ کے قول پر۔

مولانا الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام "رسالۃ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام" تحریر فرمایا۔

(فتاویٰ رضویہ جدید، ص۹۵، جلد اول، مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور)

مفتی حبیب اللہ مظاہری برماوی لکھتے ہیں:

"اگر اختلاف فی العبادات ہے تو بقول امام اعظم چونکہ وہ اتقاء میں سب سے اولیٰ واعلیٰ ہے اسی کے قول پر فتویٰ دیا جاوے۔"

(فتاویٰ حبیبیہ، ص۱۲، جلد اول، جامعہ خلیلیہ کراچی)

مندرجہ بالا عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آئمہ احناف کسی مسئلہ پر متفق ہو تو فتویٰ جمہور کے قول پر دیا جائے گا اس سے اعراض کرنا جائز نہیں ،اور اگر کسی مسئلہ میں آئمہ احناف کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے تو اگر وہ مختلف فیھا مسئلہ عبادات کے ساتھ تعلق رکھتا ہو تو اس صورت میں فتویٰ علی الاطلاق امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر دیا جائے گا، کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کا دیدار فرمایا اور اپنے دور کے تابعین کیساتھ اس مسئلہ میں مزاحمت فرمائی اور آپ اپنے دور کے علماء میں اعلم اور متقی تھے۔

قارئین حضرات: جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ عبادات میں فتویٰ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہے، تو اب ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ مغرب کے بعد شفق سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کیا مراد لیتے ہیں؟ اور ان کے نزدیک مغرب کے بعد عشاء کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

علامہ ابوالبرکات النسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقت المغرب من الغروب الی غروب الشفق وھوا لبیاض.

(کنز الدقائق، ص۲۱، مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی)

مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لے کر غروب شفق یعنی سفیدی ختم ہونے تک ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وھوا لبیاض ای الشفق ھوالبیاض عند الامام وھو مذھب ابی بکر الصدیق وعمر و معاذ و عائشه رضی

الله عنهم ......فثبت ان قول الامام هو الاصح اه وبهذا ظهر انه لايفتي ولايعمل الا بقول الا مام الاعظم ولا يعدل عنه الى قولهما او قول احد هما او غير هما. (البحر الرائق ،ص۴۲۷،جلداول،رشیدیہ کوئٹہ)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شفق سے مرادسفیدی ہے،اوریہی مذہب حضرت ابوبکرصدیق،حضرت عمر،حضرت معاذ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی ہے۔پس ثابت ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے علاوہ دوسرے قول پر نہ فتویٰ دیا جائے گا اور نہ عمل ہوگا،اورامام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے صاحبین یا کسی اور کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا۔

شیخ ابراہیم بن محمد القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم الشفق هو البياض الذى فى الا فق بعد الحمرة عندابى حنيفة .... ولا بى حنيفة قوله عليه السلام واخروقت المغرب اذا اسود الافق. (مستخلص الحقائق،ص۱۲۰،۱۲۱،حبیبیہ کوئٹہ)

شفق سے مرادامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سفیدی ہے جوسرخی کے بعدآسمان کے کنارے میں ہوتی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل آپ ﷺ کا قول مبارک ہے کہ مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب آسمان کے کنارے سیاہ ہوجائیں۔

علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقت المغرب اذا غربت الشمس واخروقتها مالم يغب الشفق .... ثم الشفق هو البياض الذى فى الافق بعد الحمرة عند ابى حنيفة . (ہدایہ،ص۸۱،۸۲،شرکت علمیہ)

مغرب کا وقت سورج غروب ہونے پر ہے،اورمغرب کا آخری وقت شفق غروب ہونے تک ہے۔امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شفق سے مرادوہ سفیدی ہے جوسرخی کے بعدآسمان کے کناروں پر ہوتی ہے۔

علامہ محمد سلیمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(ووقت المغرب من غروبها الى مغيب الشفق وهو البياض الكائن فى الافق بعد الحمرة) لقوله عليه الصلوٰة والسلام وآخروقتها اذا اسود الافق .... قال ابن نجيم ان الصحيح المفتىٰ به قول صاحب المذ هب لاقول صاحبيه واستفيد منه انه لايفتي ولا يعمل الا بقول الامام ولا يعد ل عنه الى قولهما.......... فاذا ظهر لنا مذ هب الامام فى هذ ين الوقتين اى وقت العصروالعشاء وظهر ايضا دليله وصحته وانه اقوى من دليلهما وجب علينا اتباعه والعمل به.

(مجمع الانہر،ص۷۰،جلداول،دارالطباعۃ العامرۃ)

مغرب کا وقت غروب شمس سے شفق یعنی اس سفیدی کے غائب ہونے تک ہے جوسرخی کے بعدآسمان کے کناروں میں ہوتی ہے،کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب آسمان کے کنارے سیاہ پڑجائیں۔ابن نجیم رحمہ اللہ نے

کہا کہ صحیح اور مفتیٰ بہ قول امام اعظم رحمہ اللہ کا ہے نہ کہ صاحبین کا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے علاوہ کسی اور کے قول پر فتویٰ اور عمل نہ ہوگا، اور نہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس جب ہمیں عصر اور عشاء کے وقتوں کے سلسلے میں امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ظاہر ہوا، اور اسی طرح اس کی دلیل اور اس کی صحت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل صاحبین کی دلیل سے قوی ہے، تو ہم پر امام اعظم رحمہ اللہ کی اتباع اور ان کی دلیل پر عمل کرنا واجب ہے۔

علامہ عالم بن العلاء رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفي الخانية حتى لو صلى العشاء بعد ماغابت الحمرة ولم يغب البياض لايجوز عنده.

(فتاویٰ التاتارخانیہ، ص۴۰۳، جلد اول، ادارۃ القرآن کراچی)

خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے سرخی غائب ہونے کے بعد نماز عشاء ادا کی، حالانکہ ابھی تک سفیدی غائب نہ ہوئی تھی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز جائز نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال العلامة قاسم فثبت ان قول الامام هو الاصح ومشى عليه في البحر مؤيداله بماقدمناه عنه من انه لايعدل عن قول الامام.

(شامی، ص۲۶۵، جلد اول، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا قول اصح ہے، اور بحر الرائق میں اس کی تائید اس طرح ہوئی ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے عدول نہ کیا جائے گا۔

علامہ قاضی خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابو حنيفة رحمه الله هو البياض الذي يلي الحمرة حتى لو صلى العشاء بعد ماغابت الحمرة ولم يغب البياض المعترض الذي يكون بعد الحمرة لاتجوز عنده.

(فتاویٰ قاضی خان، ص۷۳، جلد اول، رشیدیہ کوئٹہ)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شفق سے مراد وہ سپیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے، پس اگر کسی نے نماز عشاء سرخی کے بعد ادا کی حالانکہ ابھی تک وہ سپیدی جو سرخی کے بعد چوڑائی میں پھیلی رہتی ہے غائب نہ ہوئی ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز جائز نہیں۔

شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی لکھتے ہیں:

وفي البحر الشفق هو البياض عند الامام .... فثبت ان قول الامام هو الاصح وبهذا ظهر انه

لایفتی ولا یعمل الا بقول الا مام الاعظم ولا یعد ل عنه الی قولهما او قول احدهما او غیرهما الخ.

(اعلاء السنن، ص۹، جلد دوم، مطبوعہ الحجاز پرنٹنگ سینٹر کراچی)

بحر میں ہے کہ شفق سے مراد امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سفیدی ہے اس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول اصح ہے ،اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے بغیر نہ فتویٰ دیا جائے گا اور نہ عمل کیا جائے گا،اور نہ ان کے قول سے صاحبین یا کسی اور کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شیخ موصوف آگے لکھتے ہیں:

قوله حین یسود الافق الخ قلت هذا الحدیث ایضا یدل علی ماذهب الیه الامام الا عظم من کون الشفق هو البیاض فان اسوداد الافق لا یکون الا بعد زواله.

(اعلاء السنن، ص۱۰، جلد دوم، مطبوعہ الحجاز پرنٹنگ سینٹر کراچی)

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب آسمان کے کنارے سیاہ پڑ جائیں: میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب پر دلالت کرتی ہے کہ شفق سے مراد بیاض ہے، کیونکہ آسمان کے کنارے سفیدی غائب ہونے کے بعد سیاہ ہوجاتے ہیں۔

شیخ موصوف آگے لکھتے ہیں:

قوله فی حدیث جابر ثم اذن للعشاء حین ذهب بیاض النهار وهو الشفق الخ قلت هذا اصرح دلالة علی مذهب امامنا الاعظم رضی الله عنه.

(اعلاء السنن، ص۱۱، جلد دوم، الحجاز پرنٹنگ سینٹر کراچی)

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے" پھر عشاء کی اذان اس وقت ہوئی جب دن کی سفیدی یعنی شفق غائب ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب پر صریح دلالت ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن الجزیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ووقت العشاء یبتدئ من مغیب الشفق الی طلوع الفجر الصادق.......... فالشفق عند ابی حنیفة هو البیاض وغیبته ظهور السواد بعده فمتی ظهر السواد خرج وقت المغرب .

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ص۱۸۴، جلد اول، دار الکتب العلمیہ بیروت)

عشاء کا وقت شفق کے غائب ہونے سے فجر صادق کے طلوع تک ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شفق سے مراد سفیدی ہے،اور اس کا غائب ہونا تاریکی ہے۔ پس جب سیاہی ظاہر ہوجائے تو مغرب کا وقت ختم ہوجائے گا۔

علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و اول وقت العشاء حین تغیب الشفق والخلاف فی الشفق عند ابی حنیفة البیاض الذی یلی الحمرة.

(خلاصۃ الفتاویٰ،ص ۶۷، ج ۱، رشیدیہ کوئٹہ)

عشاء کا اول وقت شفق غائب ہونے کے بعد ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے۔

شیخ احمد طحطاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هوالبياض الذى بعد الحمرة وهو قول الصديق والصديقة وانس ومعاذ و ابى هريره وراوية عن ابن عباس رضى الله عنهم وبه قال عمر بن عبدالعزيز والاوزاعى و داؤد الظاهرى وغيرهم واختاره من اهل اللغة المبردوثعلب .... ورحج فى البحر قول الامام قال ولا يعد ل عنه الى قولهما ولو بموجب من ضعف او ضرورة تعامل لانه صاحب المذهب فيجب اتباعه والعمل بمذهبه حيث كان دليله واضحا و مذهبه ثابتا ولا يلتفت الى جعل بعض المشائخ الفتوىٰ على قولهما اه وقوى الكمال قول الامام ايضا بماحاصله ان الشفق يطلق على البياض والحمرة واقرب الامرانه اذا تردد فى انه الحمرة او البياض لا ينقضى الوقت بالشک ولا صحة لصلوٰة قبل وقتها .... قدعلمت ان مذهب الامام مروى عن اكبر الصحابة اجمعين نساء ورجالا....... قدعلمت ما اختاره المبرد وثعلب وهما من اكبر اهله.

(طحطاوی علی المراقی،ص ۹۵، قدیمی کراچی)

وہ سفیدی جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت معاذ، حضرت ابو ہریرہ اور ایک روایت میں ابن عباس، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، داؤد ظاہری رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول ہے۔ اہل لغت میں سے امام مبرد وامام ثعلب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ البحر الرائق میں امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے، فرمایا کہ: امام اعظم رحمہ اللہ کے قول سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ صاحب مذہب ہیں اور آپ کی دلیل واضح اور مذہب ثابت ہے۔ تو ہم پر ان کی اتباع اور ان کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے۔ اور بعض مشائخ نے جو فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا ہے تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی قوت کمال اس سے بھی حاصل ہے کہ شفق کا اطلاق سفیدی اور سرخی دونوں پر ہوتا ہے اور اقرب ترین بات یہ ہے کہ جب سرخی اور سفیدی میں تردد (شک) آجائے تو شک کی بناء پر نہ وقت ختم ہوتا ہے اور نہ وقت سے قبل نماز صحیح ہوتی ہے۔ آپ نے یہ بھی جانا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب اکابر صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی جانا کہ اسی مذہب کو مبرد وثعلب نے بھی اختیار کیا ہے جو اہل لغت کے اکابر ہیں۔

شیخ محمد سلیمان الہندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله هوالبياض الخ قال ابن النجيم ان الصحيح المفتى به قول صاحب المذهب دون صاحبيه لان

الشفق عبارة عن الرقة ومنه الشفقة وهی رقة القلب والبیاض ارق من الحمرة وهو مذهب ابی بکر الصدیق و عائشة و معاذو ابن الزبیر وابی هریره رضی الله عنهم وهو اختیار المبرد والفراء والمازنی وبه قال زفرو حکی عن محمد انه البیاض فی البنیان والحمرة فی الصحراء ولماروی عن انس انه قال للنبی ﷺ متی اصلی العشاء فقال ﷺ متی اسود الافق وسواده لایکون الا بعد ذهاب البیاض وایضا اهل اللغة یطلقون الشفق علی البیاض کما یطلقونه علی الحمرة واحمد بن یحی یحمل علی البیاض احتیاطا واختاره محمد بن یحی وثعلب وعمر بن عبدالعزیز والمزنی داؤد ،الجوهرة والفاتح.

(المعتصر الضروری علی مختصر القدوری، ص۱۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ابن نجیم نے فرمایا کہ صحیح اور مفتیٰ بہ مذہب صاحب مذہب کا ہے نہ کہ صاحبین کا، کیونکہ شفق رقۃ سے عبارت ہے اور اسی سے شفقت ہے جو رقۃ القلب ہے، اور سفیدی سرخی سے نرم ہے، اور یہ مذہب ابوبکر صدیق، عائشہ، معاذ، ابن الزبیر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ اور اسی کو مبرد وفراء اور مازنی نے اختیار کیا ہے یہ قول امام زفر رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ شفق سے مراد آبادی میں سفیدی اور صحراء میں سرخی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں عشاء کب پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب آسمان کے کنارے سیاہ ہو جائیں، اور سیاہی سفیدی کے بعد ہی ہوتی ہے، اسی طرح اہل لغت نے شفق کا اطلاق سفیدی پر بھی کیا ہے جس طرح سرخی پر اطلاق کیا ہے۔ احمد بن یحییٰ نے احتیاطاً سفیدی پر حمل کیا ہے اسی کو محمد بن یحییٰ، ثعلب، عمر بن عبدالعزیز اور داؤد مزنی نے بھی اختیار کیا ہے۔

صاحب شرح الیاس رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وعند ابی حنیفة الشفق. "هو البیاض الذی بعد الحمرة".

(شرح الیاس، ص۹۱، جلد اول، مطبوعہ امرۃ پریس لاہور)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا عبارات فقہاء کا خلاصہ یہ ہے کہ مغرب کا آخری وقت بیاض تک رہتا ہے۔ بیاض کے ختم ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اسی پر فتویٰ ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے مقابلے میں صاحبین یا کسی اور کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ جب شفق کی تعریف میں اختلاف واقع ہوا تو مغرب کا وقت شک کی بناء پر ختم نہیں ہوتا اور نہ شک کی وجہ سے عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ کا قول اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے موافق ہے۔ اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی بناء پر بیاض کے ختم ہونے سے پہلے اگر عشاء کی نماز پڑھیں گے تو جائز نہ ہوگی۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **آخر وقت المغرب اذا اسود الافق** "مغرب کا

آخری وقت اس وقت ہوتا ہے جب افق سیاہ ہو جائے، اور افق پر سیاہی سفیدی غائب ہونے کے بعد پھیلتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: 'رایت رسول اللہ ﷺ **یصلی ھذہ الصلوٰۃ حین یسود الا فق**'' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ سیاہی پھیلنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے تھے۔ ایک اور دلیل یہ ہے: ''**عن النعمان بن بشیر قال انا اعلم بھذہ الصلوٰۃ صلوٰۃ العشاء الاخرۃ کان رسول اللہ** ﷺ **یصلیھا لسقوط القمر الثالثۃ** '' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں تمام لوگوں کی بنسبت عشاء کے وقت کو زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب تیسری رات کا چاند ڈوب جاتا تھا۔ اور تیسری رات کا چاند افق کی سفیدی غائب ہونے کے بعد غروب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغرب کا وقت سفیدی غائب ہونے تک رہتا ہے نیز کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی سفیدی کے وقت عشاء کی نماز پڑھی ہو۔

(شرح صحیح مسلم، ص ۲۵۹، جلد دوم، فرید بک سٹال لاہور)

علامہ موصوف لکھتے ہیں:

مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور سرخی کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اس کے مکمل چھپنے تک رہتا ہے۔

(تفسیر تبیان القرآن، ص ۸۴۷، جلد دوم، فرید بک سٹال لاہور)

فقیہ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی کے بعد افق پر اتر دکھن پھیلی رہتی ہے، اور یہی حضرت سیدنا صدیق اکبر، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ، ابی بن کعب، حضرت عائشہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کی بناء پر ابن عباس کا بھی مذہب ہے۔ نیز عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ بن مبارک، امام زفر، امام اوزاعی (فی روایۃ) مزی بن منزر، ابوثور اور مبّرد، فراء اور ثعلب کا بھی قول ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بن ہمام نے فتح القدیر میں بحوالہ ترمذی یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر فرمایا ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **وان آخر وقت المغرب حین یغیب الافق وان اول وقت العشاء حین یغیب الافق**'' ۔ بے شک مغرب کا آخر وقت وہ ہے جب افق غائب ہو جائے، اور عشاء کا اول وقت وہ ہے جب افق غائب ہو جائے، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جب تک سپیدی رہے گی افق غائب نہ ہوگا، تو ثابت ہوا کہ سفیدی کے غروب ہونے تک مغرب کا وقت ہے۔

(نزہۃ القاری شرح بخاری، ص ۲۵۲، جلد دوم، مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور)

مفتی امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

شفق ہمارے مذہب میں اس سپیدی کا نام ہے جو جانب مغرب میں سرخی ڈوبنے کے بعد جنوباً شمالاً صبح صادق کی طرح پھیلی ہوئی رہتی ہے، اور یہ وقت ان شہروں میں کم از کم ایک گھنٹہ ۱۸ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ہوتا ہے۔

(بہار شریعت، ص۱۳، حصہ سوم، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

مفتی موصوف لکھتے ہیں:

مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور جب تک شفق ابیض غروب نہ کرے رہتا ہے، مگر ستاروں کے خوب نکل آنے پر مکروہ وقت ہو جاتا ہے، اور بعد شفق ابیض وقت عشاء شروع ہوتا ہے اور طلوع فجر تک رہتا ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ، ص۴۷، جلد اول، مکتبہ رضویہ کراچی)

شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

احتیاط یہ ہے کہ جب سرخی کے بعد والی سفیدی سی بھی جاتی رہے تب عشاء کی نماز ادا کی جائے، اور مساجد میں مرد بھی اس سپیدی کے غروب پر ہی اذان کہیں۔ حاصل یہ ہے کہ احتیاط امام ابوحنیفہ کے قول میں ہے۔ **قال العلامة قاسم فثبت ان قول الامام هو الاصح۔**

(بہشتی زیور مع حاشیہ، ص۱۱، حصہ دوم، امدادیہ ملتان)

شیخ موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے، عشاء کا اتفاقی وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے، اس لئے عشاء کی نماز و اذان ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے۔ (امداد الفتاویٰ، ص۹۵، جلد اول، مطبوعہ دار العلوم کراچی)

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا مذہب در بارۂ عشاء کے یہ ہے کہ سفیدی غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے اور سفیدی بعد سرخی کے ہوتی ہے، سفیدی کا غائب ہونا آج کل قریب نو بجے کے ہے، پس جبکہ مغرب کا وقت ساڑھے سات بجے ہو تو عشاء کا وقت نو بجے کے قریب ہوگا، کیونکہ آج کل فصل سرما میں وقت مغرب و عشاء قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے ہے، پس جو صاحب کہتے ہیں کہ وقت عشاء کا نو بجے ہوتا ہے وہ صحیح ہے۔

(عزیز الفتاویٰ، ص۱۷۷، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:

۱۹، ۲۰ جون کو مثلاً غروب آفتاب ۷ بجکر ۲۷ منٹ پر ہے اور وقت عشاء موافق قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ۹ بجکر ۴ منٹ پر ہے پس تفاوت مابین غروب آفتاب و غروب شفق ابیض یعنی وقت عشاء امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ کا ہے۔ تاریخہائے مذکورہ پر ۹ بجے سے ماقبل اذان و نماز موافق قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ درست نہیں الی قولہ شامی میں ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر عمل کیا جائے اور شفق ابیض کے غروب سے پہلے عشاء کی نماز نہ پڑھی جائے اور عشاء کی اذان کسی کے نزدیک قبل از وقت صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ دیوبند، ص۴۰، جلد دوم، دار الاشاعت کراچی)

مفتی صاحب موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

غروب کے بعد عشاء کا وقت عندالامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہوجاوے، اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہیے، بلکہ احتیاطاً پونے دوگھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہیے۔

(فتاوٰی دیوبند، ص۴۳، جلد دوم)

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

مغرب کا وقت غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے، ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے۔

(کفایت المفتی، ص۲۹، جلد سوم، حقانیہ ملتان)

مفتیان حقانیہ لکھتے ہیں:

عموماً مغرب اور عشاء کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ وقفہ ہونا چاہیے۔

(فتاوٰی حقانیہ، ص۴۵، جلد سوم، دارالعلوم حقانیہ نوشہرہ)

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مبرد، فراء اور ثعلب کے نزدیک شفق کا اطلاق حمرۃ اور بیاض دونوں پر ہوتا ہے، لہٰذا غیبوبت شفق اس وقت متحقق ہوگی جبکہ دونوں غائب ہوجائیں، اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا: ''ان اول وقت العشاء الا خیرۃ حین یغیب الافق'' یہاں شفق کے بجائے افق کے غائب ہونے کا ذکر ہے، اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ بیاض غائب ہوجائے، اور ابوداؤد کی ایک روایت میں مغرب کا آخری وقت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے: ''حین یسود الافق'' اور ظاہر ہے کہ بیاض کی موجودگی میں سواد افق متحقق نہ ہوگا، اور اس سے زیادہ صریح روایت طبرانی نے معجم اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے: ثم اذن للعشاء حین ذهب بیاض النهار وهو الشفق. (درس ترمذی، ص۳۹۷، ۳۹۸، جلد دوم، دارالعلوم کراچی)

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ، عبداللہ بن مبارک، ابوالعباد مبّرد اور ابوالحسن فراء وغیرہ کے نزدیک شفق ابیض پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔

(توضیح السنن، ص۴۲۸، جلد اول، ادارۃ العلم والتحقیق نوشہرہ)

الحاصل یہ کہ مذکورہ عبارات اصولیہ وفقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ شفق سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیاض ہے۔ اور عبادات میں فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہوتا ہے۔ اس لئے عشاء اور مغرب کے مابین موسم گرما میں تقریباً ایک گھنٹہ اور پینتیس منٹ کا

وقفہ ہونا چاہیے، اس سے پہلے اذان ونماز ادا نہ کرے۔ مثلاً جہاں مغرب کی اذان ۷ بجکر ۴۰ یا ۳۵ منٹ پر ہوتی ہے تو مذکورہ دلائل کی بناء پر عشاء کی اذان ۹ بجکر ۱۵ منٹ یا ۹ بجکر ۱۰ منٹ سے پہلے امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک انہی مذکورہ ایام میں ۹ بجے سے پہلے عشاء کی اذان ونماز صحیح نہیں، کیونکہ سفیدی وسرخی کے مابین تین درجے کا فاصلہ ہے۔ اگر کسی نے ان مذکورہ ایام میں مذکورہ وقت سے پہلے نماز ادا کی تو وہ واجب الاعادہ ہے۔ آئمہ مساجد اپنی مساجد میں نماز کو دوبارہ پڑھنے کے لئے اپنے مقتدیوں کو اعلان کردیں تاکہ ان کا ذمہ بری ہوجائے۔

واللہ اعلم بالصواب

سجدہ میں کہنیوں سمیت ہاتھ زمین پر رکھنا

حضرت کچھ حضرات سجدہ کی حالت میں ہاتھ کہنی تک زمین پر بچھا لیتے ہیں۔ اس میں بھی امام اور عوام دونوں شامل ہیں۔ لہذا صورت مسئولہ میں اگر امام اس طرح سے جماعت پڑھاتا ہے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر عام آدمی اس طرح سے اپنی سنت ونفل پڑھتا ہے تو کیا حکم ہے؟

مستفتی: عبدالقدیر الصّف الثانی المرکز الاسلامی کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

سجدہ میں کہنی زمین پر بچھالینا مکروہ ہے کیونکہ اس کو حضورﷺ نے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ سجدے میں کتے کی طرح بازو مت بچھایا کرو۔ اور حدیث میں موجود ہے کہ جب آپﷺ سجدہ فرماتے تو آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔ اب اگر کوئی شخص اس طرح نماز پڑھ رہا ہے یا پڑھا رہا ہے تو اسے اس عمل سے رک جانا چاہئے۔ یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے، نماز بہرحال ہوجاتی ہے۔

عن انس أن رسول الله ﷺ قال لا يَفْتَرِشُ احدكم ذراعيه في السجود افتراش الكلب.

(سنن النسائی، ص۱۶۶، ج۱، باب النهي عن بسط الذراعين في السجود)

عن عبيدالله بن عبدالله بن اقرم عن ابيه قال صليت مع رسول الله ﷺ فكنت ارى عفرة ابطيه اذا سجد.

(سنن النسائی، ص۱۶۶، ج۱، باب صفة السجود)

واللہ اعلم بالصواب،

۲۰ مئی ۲۰۰۶ .... ۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

امام کی اقتداء میں مقتدی کی قرأت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا کیا حکم ہے؟ سری اور جہری دونوں نمازوں میں؟ مزید یہ کہ جو شخص امام کے پیچھے سری نماز میں قرأت کرتا ہے اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: عبدالکریم کراچی

الجواب بعون اللہ

امام کے پیچھے مقتدی کو تلاوت قرآن کرنا احناف کے نزدیک منع ہے احناف کے دلائل درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

"وَاِذَاقُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"

(سورۃ الاعراف پارہ ۹ آیت ۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

جبکہ احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں۔

عن ابی هريرة (رضی الله عنه)قال قال رسول الله ﷺ اذا قرء فانصتوا" (صحیح مسلم: ج ا ص ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب (امام) قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

عن ابی هريره (رضی الله عنه)قال قال رسول الله (ﷺ)إنما جُعِل الإمام ليؤتم به فإذا كَبَّر فكبروا واذا قرء فانصتوا"

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱، باب اذا قرء الامام فانصتوا قدیمی کراچی)

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "امام کو اس لئے مقرر کیا کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو توجہ سے سنو۔

قال رسول الله (ﷺ)"من كان له إمام فقرأ ة الإمام له قراء ة"

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱، باب اذا قرأ الامام فانصتوا، قدیمی کراچی)

رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا "جس شخص (مقتدی) کا امام ہو تو امام کی قرأت اس (مقتدی) کی قرأت ہے۔

مذکورہ بالا آیت شریفہ میں جو غور سے کان لگا کر سننے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ اسی وقت حاصل ہوگا جب قرأت کو سکون کے ساتھ خاموشی سے سنا جائے گا۔ اب سماعت چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر دونوں کا یہی حکم ہوگا۔

مندرجہ بالا آیت واحادیث کی روشنی میں احناف کا مؤقف واضح ہوگیا کہ نماز میں قرأت مقتدی کے لئے مکروہ ہے اور اس کا خاموش رہنا اور توجہ سے سماعت کرنا ہی ضروری ہے۔ اب چاہے نماز سری ہو یا جہری دونوں کا یہی حکم ہے۔ ایسا شخص جو امام کے پیچھے قرأت کرے، ائمہ احناف کے نزدیک اس کا یہ عمل مکروہ ہے۔ بہر حال نماز ہو جائے گی۔

واللہ أعلم باالصواب.

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱٤۲۷ھ............ ۱۰ جون ۲۰۰٦ء

آئینہ کے سامنے نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے شیشہ (آئینہ) لگا ہو تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب باسمه تعالیٰ

آئینہ (شیشہ) میں آنے والے عکس کا حکم تصویر کا نہیں ہے اس لئے شیشہ سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اگر اس پر بار بار نظر پڑنے سے خشوع میں فرق آتا ہو تو پھر اس وجہ سے آئینہ کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت نہیں کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ کا رکھنا بھی مثل تصویر ناجائز ہو جائے حالانکہ بالاجماع جائز ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صقالت کی وجہ سے لوٹ کر چہرہ پر آتے ہیں گویا یہ شخص خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اس کی صورت چھپتی ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ ص۱۸۴ جلد اول)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں نماز جائز اور صحیح ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

بحالت مجبوری خون آلود کپڑوں سے نماز پڑھنا

بخدمت جناب مفتی صاحب: گزارش ہے کہ حالیہ زلزلہ کے بعد اکثر متاثرین جن کو پانی نہیں ملتا تھا اور ان کے کپڑے وغیرہ ملبے کے نیچے دب گئے تھے جو کپڑے انہوں نے پہنے ہوئے تھے وہ بھی زخمیوں اور لاشوں کے نکالنے کی وجہ سے ناپاک ہو گئے تھے۔ لیکن متاثرین نے اللہ کے خوف سے اسی حالت میں تیمّم کر کے نماز پنجگانہ اور نماز جنازہ ادا کی۔ کیا ان کی وہ ادا کردہ نمازیں ہو گئی ہیں یا انہیں دہرانے کی ضرورت ہے نیز نماز جنازہ کے بارے علماء کرام کیا کہتے ہیں؟ المستفتی: مسعود الرحمٰن بالاکوٹی المرکز الاسلامی کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں (بنابر صدق سائل) سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نماز کیلئے چند شرائط ہیں جن میں نمازی کے بدن اور لباس کا نجاست سے پاک ہونا بھی شرط ہے اور چونکہ بہتا ہوا خون نجاست غلیظہ ہے اور نجاست غلیظہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کپڑے یا بدن پر ایک درہم سے زیادہ لگ جائے تو اس کا پاک کرنا فرض ہے بے پاک کئے نماز پڑھ لی تو ہو گی نہیں اور قصداً اپڑھی تو گناہ بھی ہوا۔ اور اگر درہم برابر ہے تو پاک کرنا واجب ہے کہ بے پاک کئے نماز پڑھی تو مکروہ تحریمی ہوئی یعنی ایسی نماز واجب الاعادہ ہے اور قصداً اپڑھی تو گناہ گار بھی ہوا اور اگر درہم سے کم ہے تو پاک کرنا سنت ہے کہ بے پاک کئے نماز ہو گئی مگر خلاف سنت ہو گی اور اس کا اعادہ بہتر ہے۔ (فرض و واجب نہیں)۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

تطهير النجاسة واجب من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه لقوله تعالىٰ وثيابك فطهر وقال عليه السلام حتيه ثم اقرصيه ثم اغسليه بالماء ولا يضرك اثره .

(ہدایہ،ص۷۱، جلداول، باب الانجاس وتطہیر ھا،کلام کمپنی کراچی)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

(**یطهر البدن والثوب بالماء**)**وهذا بالاجماع .**

(البحر الرائق،ص۳۸۴، جلداول، باب الانجاس)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے بدن اور کپڑے کا پاک کرنا فرض ہے لیکن صورت مسئولہ میں چونکہ ہر شخص کے پاس پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ اور نہ تھے اس صورت میں اگر ان لوگوں کو اپنے خون آلودہ کپڑے دھونے کے وقت ستر عورت کھل جانے کا ڈر تھا کہ اور کوئی ایسی چیز دستیاب نہ تھی کہ اس سے عورت چھپاتے تو پھر اس شرعی عذر کی بناء پر ان کا خون آلودہ کپڑوں میں نماز پڑھنا صحیح ہے کیونکہ، ستر عورت کپڑوں کی صفائی سے اشد اور ضروری ہے۔ اور کپڑے دھوتے وقت عورت (شرمگاہ) کو چھپانے کیلئے اگر کوئی اور چیز دستیاب ہوتی اور اس کے باوجود خون آلودہ کپڑوں میں نماز پڑھ لی تو نماز صحیح نہیں دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وازالتها عن البدن والثوب والمكان فرض ان كان القدر المانع وامكن ازالتها من غير ارتكاب ماهو اشد حتى لولم يتمكن من ازالتها الابابداء عورته للناس يصلى معها لان كشف العورة اشد فلو ابداها للازالة فسق اذ من ابتلى بين امرين محظورين عليه ان يرتكب اهو نهما .

(البحر الرائق ص۳۸۲ جلداول باب الانجاس)

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

(قوله تطهير النجاسة) اى نفس محلها اماهى فلا تطهر (واجب)مقيد بالامكان وبما اذالم يستلزم ار تكاب ماهو اشد حتى لو لم يتمكن من ازالتها الابابداء عورته للناس يصلى معها لان كشف العورة اشد فلو ابداها للازالة فسق اذ من ابتلى بين امرين محظورين عليه ان يرتكب اهونهما .

(فتح القدیر،ص۱۶۸،ج۱، باب الانجاس وتطہیر ھا)

واللہ اعلم بالصواب

۲۷، نومبر، ۲۰۰۵ء.........۲٤، شوال ١٤٢٦ھ

نماز کے دوران قہقہہ لگانا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے بآواز قہقہہ لگایا دوران نماز تو آیا اس کی نماز باقی رہے گی یا نہیں؟ نمازی کا وضو باقی رہا یا نہیں؟ کیا نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟ سائل: محمد عمران سعید کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کی نماز اور وضو دونوں ٹوٹ گئے اب دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھے۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وقهقهة مصل بالغ ای وينقضه قهقهة.

(البحر الرائق،ص۷۷،جلداول،باب الطہارۃ،رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وينقضه ......وقهقهة بالغ يقظان"(الدرالمختار۱۴۴ج۱،ایچ ایم سعید)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں دوبارہ وضوکر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔

والله اعلم بالصواب

۲۸ \ دسمبر ۲۰۰۵ء..............۲۵ ذی القعدہ ۱۴۲۶ھ

جان بوجھ کرنماز جمعہ چھوڑنے کاحکم

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان دین بیچ اس مسئلہ کے کہ جمعہ کی نماز جان بوجھ کر چھوڑنے کا کیاحکم ہےاور کیااس پرکوئی وعیدآئی ہے؟
المستفتی:محمدعمران کراچی

الجواب باسمه تعالی

نماز جمعہ چھوڑنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔احادیث میں جمعہ کی نماز چھوڑنے پرکافی وعیدیں آئی ہیں۔آپ ﷺ فرماتے ہیں یاتولوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے بازآئیں گے یااللہ تعالیٰ ان کے دلوں پرمہرکردے گاپھرغافلین میں ہوجائیں گے۔فرماتے ہیں جوشخص بھی تین جمعے سستی کی وجہ سے چھوڑے اللہ تعالیٰ اس کے دل پرمہرکردے گا۔ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ جوشخص تین جمعے بلاعذرچھوڑے وہ منافق ہے۔

ان عبـدالـلـه بن عمروابا هريره حدثاه انهما سمعا رسول الله ﷺ يقول على اعواد منبره لينتهين اقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين.

(مسلم شریف ص۲۸۴۔ج۱۔کتاب الجمعہ)

قال رسول الله ﷺ من ترک الجمعة ثلث مرات تهاونا بها طبع الله على قلبه.

(ترمذی شریف،ص٦٦،ج اول،ابواب الجمعۃ،باب ماجاءفی ترک الجمعۃ من غیرعذر)

الحاصل یہ کہ جمعہ کی نماز چھوڑنا گناہ کبیرہ ہےجس کی وجہ سے مسلمان منافق اورفاسق وفاجرہوتاہے۔

والله أعلم باالصواب

۱۸ مئی ۲۰۰٦ء............ ۹اربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

مسجد میں کرسی پرنماز پڑھنا

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل مساجد میں لوگوں کا کرسی پرنمازاوراس پرسجدہ کرنا کیاکرسی پرسجدہ جائزہے

یا نہیں وضاحت فرمائیں۔ محمد رمان کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں اگر معروف کرسی جو ضعیف اور معذور لوگوں کے لئے بنائی جاتی ہے پر نماز اور سجدہ ادا کرنا کسی شرعی عذر کی بناء پر ہو تو جائز ہے کیونکہ شریعت نے مریضوں، معذوروں اور ان ضعیفوں کے لئے جو یا تو قیام نہیں کر سکتے یا رکوع اور سجدہ ادا نہیں کر سکتے یا نماز پڑھتے ہوئے بالکل کسی بھی حالت میں زمین پر نہیں بیٹھ سکتے اجازت دی ہے کہ وہ جیسے بھی ہو سکے اپنی نماز ادا کریں خواہ بیٹھ کر پڑھیں یا لیٹ کر ۔ہاں جب تک با قاعدہ رکوع اور سجدہ ادا کر سکتے ہیں تو زمین پر بیٹھ کر خواہ قعدہ کی حالت میں ہو یا چار زانوں (آلتی پالتی) رکوع اور سجدہ ادا کریں ورنہ نماز نہ ہوگی اور اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے زمین پر بیٹھ سکتا ہے مگر رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا تو اس کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز جائز نہیں بلکہ وہ زمین ہی پر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔سجدہ کے لئے اشارہ رکوع کے اشارے سے ذرا پست ہونا چاہئے اس صورت میں ایسے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ سجدہ کی سی کیفیت بنانے کے لئے سر جھکائے بغیر کوئی چیز زمین سے بار بار خود اٹھا کر یا کسی سے اٹھوا کر پیشانی سے لگائے ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی ہاں اگر کوئی شے نمازی کے سر کی طرف اٹھائی گئی اور ساتھ میں معذور نمازی نے سر بھی جھکا دیا جس سے سر اس اٹھائی ہوئی چیز پر رکھا تو نماز ہو جائے گی کیونکہ یہاں سر کا اشارہ بھی پایا گیا جو مذکور معذور کے لئے فرض تھا۔اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے تو نہ زمین پر بیٹھ سکتا ہے اور نہ رکوع اور سجدہ کر سکتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے سر رکھنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ جب شریعت نے اسے صرف اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو کرسی کے آگے کسی چیز کے لگانے کی کوئی ضرورت نہ رہی اس لئے بے جا تکلفات سے بچنا ہی بہتر ہے لیکن پھر بھی اگر کرسی کے آگے کوئی تختہ وغیرہ لگا دیا گیا تو نماز ہو جائے گی کیونکہ نمازی کی طرف سے اشارہ پایا گیا۔

امام قدوری لکھتے ہیں:

اذا تعذر على المريض القيام صلى قاعدا يركع ويسجد فان لم يستطع الركوع والسجود اومأ ايماء وجعل السجود اخفض من الركوع ولا يرفع الى وجهه شيئا يسجد عليه فان لم يستطع القعود استلقى على قفاه وجعل رجليه الى القبلة واومأ بالركوع والسجود وان اضطجع على جنبه ووجهه الى القبلة واومأ جاز. (المختصر القدوری ص۲۵ باب صلوٰۃ المریض)

علامہ مرغینانی درج بالا عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولا يرفع الى وجهه شئ يسجد عليه لقوله عليه السلام ان قدرت ان تسجد على الارض فاسجد والا فأوم برأسك وان فعل ذلك وهو يخفض رأسه اجزاه لوجود الايماء وان وضع ذلك على جبهته لا يجزيه لا نعدامه.

(ہدایہ، ص ۱۶۱، ج ۱، باب صلوۃ المریض)

والله اعلم بالصواب

۲/۵/۲۰۰۷ء........۱٤/ربیع الثانی ۱٤۲۸ھ

قالین کی لکیروں سے لفظ اللہ کی مشابہت اوراس پرنماز پڑھنا

جناب مفتی صاحب السلام علیکم؛

مسجد ہذا میں یہ قالین جس کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے کچھ نمازی حضرات کا خیال ہے کہ یہ لفظ اللہ قالین کے باڈر پرلکھا ہوا ہے آپ کیا فرماتے ہیں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

قاری ریاض احمد خطیب مسجد اقصیٰ اورنگی کراچی

الجواب بعون الوھاب

قالین کا وہ نمونہ دکھایا گیا ہے جس میں زبردستی لکیروں کو ملا کر اللہ کا نام بنانے کی کوشش کی جارہی ہے مگر اس طرح تو بہت ساری مختلف لکیروں کو ملانے کے بعد اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے نام یا ان کے صفاتی ناموں میں سے کسی نام کا عکس بنایا جاسکتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے یہ سب توہمات کی قبیل سے ہیں جب تک کوئی نام صراحۃ نہ لکھا گیا ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس قالین پرنماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر کوئی اس میں لڑائی جھگڑا کرے اور نمازی اس قالین کو تبدیل کرنے پر مصر ہوں تو اسے تنازع کو ختم کرنے کے لئے تبدیل کیا جاسکتا ہے بہر صورت اس قالین پرنماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

حالت حیض وجنابت میں ناخن اور بال وغیرہ کاٹنا اوران کا بحالت نماز جیب میں ہونا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالت حیض وجنابت میں بال اور ناخن کاٹنا کیسا ہے؟ اگر یہی کٹے ہوئے بال اور ناخن کسی کے پاس ہوں اورنماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: شاہ فیصل سوات

الجواب باسمہ تعالیٰ

حیض کی حالت میں ناخن کاٹنا اور بال ترشوانا (کاٹنا) مکروہ ہے اسی طرح بال اور ناخن کو گندی جگہ پر ڈالنا بھی مکروہ ہے چاہئے کہ ناخن اور بالوں کو دفن کیا جائے۔انسان کے بدن پر جب تک ظاہری نجاست (گندگی) نہ ہو اس وقت تک انسان کا بدن پاک ہے اس لئے انسان کا ناخن اور بال بھی پاک ہے بلکہ انسان کا جھوٹا (پسماندۂ طعام) بھی پاک ہے اس معاملے میں مسلمان اور غیر مسلم،جنب،حیض والی اور نفاس والی سب برابر ہیں لہذا صورت مسئولہ میں اگر حائضہ عورت کے بدن کے وہ بال اور ناخن جو اس کے بدن سے حالت حیض میں جدا ہوئے ہوں اور کسی دوسرے پاک شخص کے پاس ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز اور صحیح ہے کیونکہ یہ پاک ہے اور پاک چیز ساتھ ہوتے ہوئے نماز درست ہے۔

حلق الشعر حالة الجنابة مکروه وکذا قص الاظافیر.

(ہندیہ،ص ۳۵۸،ج ۵،کتاب الکراہیۃ ،الباب التاسع عشر،رشیدیہ کوئٹہ)

یدفن اربعة الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم.

(ہندیہ،ص ۳۵۸،ج ۵،ایضا)

امام ابوالبرکات النسفی الحنفی لکھتے ہیں:

سئور الادمی والفرس وما یؤکل لحمه طاهر.

(کنزالدقائق،ص ۹،کتاب الطہارۃ،قدیمی کراچی)

علامہ برہان الدین المرغینانی لکھتے ہیں:

وسور الآدمی وما یؤکل لحمه طاهر لان المختلط به اللعاب وقد تولد لحم الطاهر ویدخل فی هذا الجواب الجنب والحائض والکافر.

(ہدایہ ص ۴۵ ج ا فصل فی الاسار)

الحاصل یہ کہ جنب وحائضہ کو اس حالت میں ناخن وبال نہیں کاٹنے چاہئے اور کاٹنے کے بعد دفن کر دیں،اور چونکہ انسان کا بدن پاک ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان باوضو ہو یا جنب وحائض،اس لئے اگر کسی کے بال یا ناخن کسی کے پاس ہو اور نماز پڑھے تو نماز جائز اور صحیح ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۲ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

ساٹھ (۶۰) کلومیٹر کے فاصلے پر نماز قصر کا حکم

سائل سوال کرتا ہے کہ صوبہ بلوچستان ضلع لسبیلہ وندر کے علاقے میں رہائش پذیر ہے جو کہ کراچی سے ۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے لیکن جو کراچی کی حدود تک ۴۸ کلومیٹر کا فاصلہ بنتا ہے،کیا سائل اس صورت میں مسافر ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس کے لئے نماز ادا کرنے کے کیا احکامات ہوں گے۔

نوٹ: سائل ہر دو ہفتے کے بعد کراچی سے وندر جاتا ہے اور ایک دن اور ایک رات قیام کے بعد واپس کراچی آتا ہے۔اگر سائل مسافر ہوتا ہے تو کیا اس کا جو کراچی قیام ہے وہ سفر میں ہوگا یا نہیں؟ المستفتی:عبدالخالق (اسلامک سنٹر) کراچی

الجواب باسمه تعالی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة.

(سورة النساء ۱۰۱)

جب تم زمین پر سفر کرو تو نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"من خرج مسافراً صلى ركعتين اذا فارق بيوت المصر ولا يزال على حكم المسافر حتى ينوى الاقامة في بلده خمسة عشر يوما" (قدوری،ص ۲۷)

شرعی مسافر:

جوشخص سفرشرعی کا قصد کر کے شہر کی حدود سے نکل جائے گا اس کے لئے قصر ثابت ہوجائے گی اور جب واپس لوٹے گا تو شہر کی حدود شروع ہوتے ہی اس پر پوری نماز پڑھنا لازم ہوگا۔

(امام محمد شیبانی المبسوط، ج،اص ۲۶۵، بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۲ص ۳۷۵)

مدت سفر:

شرعی سفر کی مدت تین دن اور تین رات ہے کہ جو کہ اٹھارہ فرسخ ہے۔آج کل فرسخ کی بجائے میل یا کلومیٹر سے مسافت کا اندازہ لگایا جاتا ہے اس لحاظ سے اٹھارہ فرسخ ۵۴ میل شرعی ہیں اور یہ 98.734 کلومیٹر کے برابر ہے۔

(شرح صحیح مسلم، ج ۲،ص ۳۷۱)

مذکورہ بالاصورت مسئولہ میں سائل شرعی طور پر مذکورہ فاصلے سے کم سفر کرتا ہے لہذا وہ اپنی نماز قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز ادا کرے گا اگرچہ کتنی دفعہ ہی وندر سے کراچی سفر کرے شرعی طور پر مسافر شمار نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

۲ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ............۳ جنوری ۲۰۰۶ء

نماز باجماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اور علماء اسلام بابت اس شرعی مسئلے کے کہ خواتین مساجد میں نماز باجماعت اور تراویح میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ جواب کو براہین قاطعہ اور دلائل صحیحہ سے مزین فرمائیں۔ کیونکہ بعض علماء مطلقاً عورتوں کا مسجد میں آنے کو مکروہ تحریمی، ناجائز اور ممنوع کہتے ہیں۔شکریہ

سائل: محمد خالد بن محمد جمن، المرکز الاسلامی، کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

دور حاضر جو کہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے اس میں بہتر اور اولیٰ تو یہی ہے کہ خواتین اپنے گھروں میں ہی فرائض، واجبات اور سنن ادا کریں اور گھر میں ہی ان کی عبادت کو آپ ﷺ نے افضل اور باعثِ اجر کثیر فرمایا ہے۔اس پر تو تمام امت محمد یہ ﷺ کا اتفاق ہے کہ نماز کے سلسلے میں خواتین کے لئے سب سے افضل اور بہتر مقام تاریک کمرے کا کونہ ہے کہ اس میں خواتین کی نماز سب سے افضل ہے اور یہی آپ ﷺ کا فرمان عالی شان بھی ہے۔

اس فضلیت پر چند احادیث مبارکہ ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں:

حضرت ام سلمہ (ام المومنین) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

عن رسول الله ﷺ قال خير مسجدالنساء قعر بيوتهن .

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وقال الحاکم صحیح الاسناد، الترغیب والترہیب، ص ۲۲۶، ج ۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کا اندرونی حصہ ہے.

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ صلوة المرأة فى بيتهاخير من صلا تها فى حجرتهاو صلاتها فى حجرتها خير من صلاتها فى دارها و صلاتها فى دارهاخير من صلاتها فى مسجد قومها .

(رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید، الترغیب والترہیب، ص ۲۳۶، جلد اول)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! عورت کی وہ نماز جو اس کے کمرے میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو دالان میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو دالان میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے صحن میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو گھر کے صحن میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو اس کے قبیلہ (یعنی محلّہ اور قوم) کی مسجد میں ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روایت میں فرماتے ہیں:

ما صلت امرأ ة من صلوة احب الى الله من اشد مكان فى بيتها ظلمة. (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب، ص ۲۲۷، جلد اول)

عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اس نے اپنے گھر کے بہت ہی تاریک کمرے میں پڑھی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ لا تمنعو ا نساء كم المساجد و بيوتهن خير لهن.

(ابوداؤد، ص ۸۴، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد، میر محمد کراچی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو مگر اُن کا گھر ان کے لئے (مسجد میں آنے سے) بہتر ہے۔

عن ام حميدامرأ ة ابى حميدا لساعدى رضى الله تعالى عنها انها جاء ت الى النبى ﷺ فقالت يا رسول الله انى احب الصلوة معك قال قد علمت انك تحبين الصلوة معى و صلوتك فى بيتك خير من صلاتك فى حجرتك و صلوتك فى حجرتك خير من صلوتك فى دارك و صلوتك فى دارك خير من صلوتك فى مسجد قومك و صلوتك فى مسجد قومك خير من صلوتك فى مسجدى قال فامرت فبنى لها مسجد فى اقصى شىء من بيتها وا ظلمه و كانت تصلى فيه حتى لقيت الله عزوجل.

(رواہ احمد وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما۔ الترغیب والترہیب ص ۲۲۵ جلد اول)

حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو مگر تمھاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھری میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو کمرہ میں ہو اور تمھاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے احاطہ میں ہو اور تمھاری وہ نماز جو گھر کے احاطہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو محلّہ کی مسجد میں ہو اور تمھاری وہ نماز جو محلّہ کی مسجد میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد میں ہو۔ چنانچہ آپ (حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا) نے امر فرما کر اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی پھر وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

محترم قارئین! درج بالا احادیث مبارکہ کا خلاصہ یہی ہے کہ خیر القرون ہو یا دور حاضر خواتین کے لئے سب سے افضل اور بہتر جگہ جہاں وہ نماز پڑھیں گھر کے کمرے کا اندرونی تاریک کونہ ہے اسی میں نماز پڑھنے کا آپ ﷺ نے صحابیات اور دیگر مسلم خواتین کو ترغیب فرمائی ہے۔ لیکن اگر دوسری طرف دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ خواتین کے لئے اگر چہ گھر ہی میں نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے لیکن اس فضلیت کے باوجود آپ ﷺ نے صحابیات (خواتین) کو مسجد میں آنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ امر فرمایا کہ اگر مسلمان عورتیں مسجد میں آنا چاہیں تو ان کو نہ روکو بلکہ ان کو اجازت دو کہ وہ بھی باجماعت نماز پڑھ کر اپنا حصہّ (ثواب کا) حاصل کریں۔

اب وہ احادیث مبارکہ قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں جن میں آپ ﷺ کی طرف سے عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت اور جواز ہے۔

عن الزھری سمع سالما یحدث عن ابیه یبلغ به النبی ﷺ اذا استاذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعھا.

(مسلم شریف، ص ۱۸۳، جلد اول، باب خروج النساء الی المساجد، مطبوعہ قدیمی کراچی)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی سے اس کی زوجہ مسجد کے لئے اجازت طلب کرے تو وہ اسے (اپنی بیوی کو مسجد جانے سے) نہ روکے۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لاتمنعوا اماء اللہ مساجداللہ. (مسلم شریف، ص ۱۸۳، جلد اول)

(ابوداوٗد شریف ص ۸۴، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بندیوں (عورتوں) کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

عن ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا استاذ نکم نساء کم الی المساجد فاذ نوا لھن.

(مسلم شریف، ص ۱۸۳، ج ۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم سے تمھاری بیویاں مسجد جانے کے لئے اجازت چاہیں تو ان کو اجازت دیا کرو۔

عزیزان گرامی! درج بالا احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے مسلمان مردوں کو حکم (امر) فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دیا کرو اور ان کو مسجد جانے سے نہ روکو۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے مبارک دور میں باقاعدہ صحابیات (خواتین) نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لاتی تھیں اور ان کی اکثریت اور کثرت سے آنے جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے باقاعدہ ان کے لئے الگ دروازہ مخصوص فرما کر اس بات کی اجازت فرمادی کہ عورتوں کو بھی نماز باجماعت میں شرکت کا حق ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔

"عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لو ترکنا هذاالباب للنساء قال نافع فلم یدخل منه ابن عمر حتی مات.

(ابوداؤد شریف ص ٦٦، باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال، مطبوعہ میر محمد کراچی)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ہم اس (مخصوص) دروازے کو عورتوں (صحابیات کا نماز باجماعت میں آنے) کے لئے چھوڑ دیں (تو بہتر ہوگا) حضرت نافع فرماتے ہیں کہ (آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وفات پانے تک پھر اس (مخصوص) دروازے سے داخل نہ ہوئے۔

درج بالا حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دور نبوی ﷺ میں صحابیات (عورتوں) کو مسجد آنے کی اجازت تھی (اگرچہ فضیلت گھر میں نماز پڑھنے میں تھی) اور عورتوں کو منع کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا اس جواز کی مخالفت کرتے ہوئے جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا چاہا تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ناراض ہو کر اپنے صاحبزادے کو سخت ڈانٹا بلکہ ان کو سینے پر مارا اور ناراض ہو کر وفات تک بات نہ کی اور ان سے فرمایا کہ ایک طرف آپ ﷺ کا قول (حدیث) ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی ہے اور منع کرنے سے روکا ہے اور آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کریں گے (یعنی یہ آپ حضور ﷺ کی مخالفت کررہے ہیں جو جائز نہیں ہے)

امام مسلم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن ابن شهاب قال اخبرنی سالم بن عبدالله ان عبدالله بن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تمنعوا نساء کم المساجد اذا استاذنکم الیها قال فقال بلال بن عبدالله والله لنمنعهن قال فاقبل علیه عبدالله فسبه سبا سیئا ما سمعته منه مثله قط و قال اخبرک عن رسول الله ﷺ و تقول والله لنمنعهن.

(مسلم شریف، ص ١٨٣، جلد اول)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم سے تمھاری خواتین مسجد (نماز باجماعت کے لئے) جانے کی اجازت طلب کریں تو تم انہیں منع نہ کرو۔ اس پر حضرت بلال بن عبداللہ نے فرمایا کہ قسم

بخدا ہم ضرور ان (عورتوں) کو (مسجد جانے سے) منع کریں گے اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے ان (اپنے بیٹے) کو اتنا سخت ڈانٹا کہ میں نے اس طرح ڈانٹ پہلے نہیں سنی تھی اور فرمایا کہ میں تمہیں آپ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ بخدا ہم عورتوں کو (مسجد آنے سے) منع کریں گے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعو االنساء من الخروج الی المساجد باللیل فقال ابن لعبدالله بن عمر لاندعھن یخرجن فیتخذنه دغلا قال فزبره ابن عمر قال اقول قال رسول الله ﷺ و تقول لاندعھن. (مسلم شریف، ص۱۸۳، جلد اول)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو رات کے وقت مسجد آنے سے نہ روکو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے نے فرمایا کہ ہم عورتوں کو گھر سے نکلنے نہیں دیں گے کیونکہ وہ فساد برپا کردیں گی، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جھڑکا (ڈانٹا) اور فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (کہ ان عورتوں کو نہ روکو) اور تم کہتے ہو کہ ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ ائذنو اللنساء باللیل الی المساجد فقال ابن له یقال له واقد اذا یتخذنه دغلا قال فضرب فی صدره و قال احدثک عن رسول الله ﷺ و تقول لا .

(مسلم شریف، ص۱۸۳، جلد اول)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو اپنی عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دیا کرو تو حضرت ابن عمر کے صاحبزادے حضرت واقد نے کہا کہ پھر تو یہ عورتیں فساد کردیں گی۔ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کو سینے پر مارا اور فرمایا کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ نہیں (ہم عورتوں کو اجازت نہیں دیں گے)

عن بلال بن عبدالله بن عمر عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا النساء حظوظھن من المساجداذا استاذنکم فقال بلال و الله لنمنعھن فقال له عبدالله اقول قال رسول الله ﷺ و تقول انت لنمنعھن . (مسلم شریف ص۱۸۳ جلد اول)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مسجدوں سے (نماز باجماعت کی صورت میں) اپنا حصہ لینے سے منع نہ کرو جب وہ تم سے اجازت طلب کریں۔ حضرت بلال نے کہا قسم بخدا ہم ضرور عورتوں کو (مسجد آنے سے) منع کریں گے اس پر حضرت عبداللہ نے ان سے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے (کہ عورتوں کو مسجد سے منع نہ کرو) اور تم کہتے ہو کہ ہم ضرور ان کو منع کریں گے۔

عن مجاھد قال قال عبدالله بن عمر قال النبی ﷺ ائذنو اللنساء الی المساجد باللیل فقال ابن له و الله

لا ناذن لهن فيتخذنه دغلا والله لا نأذن لهن قال فسبه و غضب وقال اقول قال رسول الله ﷺ ائذنوا لهن و تقول لا ناذن لهن.

(ابوداؤدشریف ص۸۴۔باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد، میر محمد کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کو رات کے وقت مساجد جانے کے لئے اجازت دیا کرو، حضرت ابن عمر کے صاحبزادے نے کہا قسم بخدا ہم عورتوں کو بالکل اجازت نہیں دیں گے کیونکہ یہ فساد پھیلائیں گی قسم بخدا ہم عورتوں کو (مسجد جانے کی) اجازت نہیں دیں گے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور غصہ ہوئے اور فرمایا میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو (مسجد جانے کی) اجازت دو اور تم کہتے ہو کہ ہم ان عورتوں کو (مسجد جانے کی) اجازت نہیں دیں گے۔

عن مجاهد عن عبدالله بن عمر ان النبی ﷺ قال لا يمنعن رجل اهله ان ياتوا المساجد فقال ابن لعبدالله بن عمر فانا نمنعهن فقال عبدالله احدثك عن رسول الله ﷺ و تقول هذا قال فما كلمه عبدالله حتى مات.

(رواہ احمد، مشکوٰۃ، ص۹۷، باب الجماعۃ وفضلها)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مرد کو جائز نہیں کہ وہ اپنی زوجہ کو مسجد آنے سے روکے تو عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے نے فرمایا ہم عورتوں کو مسجد آنے سے منع کریں گے اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے ان سے فرمایا کہ میں آپ کو حدیث رسول ﷺ بیان کررہا ہوں اور آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم منع کریں گے۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے بیٹے سے انتقال فرمانے تک بات نہ کی۔

محترم قارئین:

یہ ہیں وہ احادیث مبارکہ کہ جن میں باقاعدہ آپ ﷺ نے مردوں کو امر فرمایا کہ اگر تمھاری عورتیں مسجد جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو مت روکو بلکہ اجازت دیا کرو حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے وہ فرامین بھی گزر گئے کہ جن میں عورتوں کی سب سے افضل نماز کو گھر کی تاریک کوٹھری میں قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا بلکہ روکنے والوں کو روکنے سے منع فرمایا اور پھر صحابہ کرام کی اتباع سنت سے دلی لگاؤ کا اندازہ بھی آپ حضرات نے کرلیا کہ جب ان کے پاس قولِ رسول ﷺ پہنچا تو پھر اس کی مخالفت کرنے والے کی چاہے اپنا ہو یا غیر بغیر کسی رعایت کے سرزنش کی بلکہ اگر مارنے کی نوبت آئی تو سینے پر مارا بھی، ڈانٹ بھی پلائی اور قطع تعلق بھی فرمایا۔

درج بالا احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حکم جواز کا ہو اس پر جواز کا ہی فتویٰ دیں گے۔ جیسا کہ عورتوں کا نماز باجماعت کے لئے مسجد میں آنے کا مسئلہ کہ اس کے متعلق صریح احادیث مبارکہ موجود ہیں جو گزر گئیں۔ اب اگر دور حاضر کے علماء خواتین کو مسجد آنے

سے روکنے کے لئے یہ علت پیش کرتے ہیں کہ چونکہ دورحاضر میں فتنہ وفساد اور بے حیائی شروع ہوگئی ہے اگر عورتیں نماز باجماعت کے لئے مسجد جائیں گی تو فتنہ وفساد برپا ہوگا اس لئے عورتوں کو مسجد جانے سے روکنا چاہیے تو میرے دوستو اگر آپ حضرات ذرا درج بالا احادیث کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے قول رسول ﷺ بیان فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکو بلکہ انہیں اجازت دو کہ وہ بھی نماز باجماعت ادا کر کے مساجد سے اپنے حصے کا ثواب کمائیں تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے نے یہی فتنہ وفساد والی علت کی وجہ سے انکار فرما کر قسم اٹھا کر کہا کہ قسم بخدا ہم ان عورتوں کو مسجدوں سے منع کریں گے کیونکہ یہ عورتیں فتنہ وفساد پھیلائیں گی۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کی حمایت نہیں کی کہ ہاں فتنہ کی وجہ سے اب عورتوں کو منع ہی کرنا چاہیے بلکہ ان کو ڈانٹا، سینے پر مارا اور غصہ ہو کر فرمایا کہ میں قول رسول ﷺ (حدیث) پیش کر رہا ہوں (کہ عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دیا کرو) اور تم (قول رسول ﷺ کی مخالفت میں فتنہ وفساد کی علت کی وجہ سے) کہتے ہو کہ ہم عورتوں کو مسجد آنے سے منع کریں گے۔

معلوم ہوا کہ جس مسئلے کا جواز رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوجائے تو وہ جواز ہی رہے گا اور علماء کو اسی انداز سے دین اسلام کی خدمت کرنی چاہیے جو شریعت کو مطلوب ومقصود ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے جائز کردہ عمل پر حرمت اور کراہت تحریمی کی ضرب بھی نہ لگے اور فتنہ وفساد اور بے حیائی کا بھی سدِ باب ہوجائے اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرماتے ہوئے عورتوں کے مسجد میں آنے پر چند پابندیاں لگادیں کہ عورتیں اگر مسجد میں آنا چاہیں تو زیب وزینت کا لباس نہ پہنیں، نخروں سے نہ چلیں، خوشبو لگا کر نہ آئیں، مردوں اور عورتوں کا آنا جانا ایک دروازے سے نہ ہو۔ بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں، اختلاط مردوزن نہ ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

بینما رسول الله ﷺ جالس فی المسجد اذ دخلت امرأة من مزینة، ترفل فی الزینة لها فی المسجد فقال النبی ﷺ یا ایهاالناس انهوانساء کم عن لبس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نسائهم الزینة و تبخترن فی المساجد .

(ابن ماجہ، باب فتنۃ النساء، ص ۲۹۷، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں مزینہ قبیلے کی ایک عورت زیب وزینت والا لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی مسجد میں آئی (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت والا لباس پہننے اور مسجد میں اترانے سے روک دو کیونکہ بنی اسرائیل پر اسی وجہ سے لعنت کی گئی کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت والا لباس پہننا اور مسجد میں اترانا شروع کردیا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کانت تحدث عن رسول الله ﷺ اذا شهدت احداکن العشاء فلا تطیب تلک اللیلة . (مسلم

شریف ص۱۸۳جلداول)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہوتو اس رات خوشبو نہ لگائے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک دوسری روایت میں ہے۔

عن النبی ﷺ اذا شهدت احداكن العشا ء فلا تمس طيبا.

(مسلم شریف ص۱۸۳جلد اوّل،مشکٰوۃ شریف ص۹۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہوتو خوشبو نہ لگائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے:۔

ان رسول الله ﷺ قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولكن لتخرجن و هن تفلات.

(ابوداؤد شریف ص۸۴ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد، میر محمد کراچی)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خدا کی بندیوں (عورتوں) کو خدا کی مسجد میں آنے سے نہ روکو، لیکن وہ ایسی حالت میں جائیں کہ خوشبو لگائی ہوئی نہ ہوں۔

عزیزان گرامی! درج بالا احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے مبارک دور میں بھی بعض عورتیں مسجد میں آتے ہوئے زیب و زینت کا لباس پہنتیں، خوشبو لگاتیں، اترا کر چلتیں اور یہ حالت خود سرکار دو عالم ﷺ نے بھی ملاحظہ فرمایا اسی لئے تو فرمایا کہ مسجد میں آتے وقت اپنی عورتوں کو زیب و زینت، خوشبو لگانے، اور اترا کر چلنے سے (جو کہ فتنہ وفساد اور بے حیائی کا سبب ہے) منع کرو، لیکن آپ ذرا غور فرمائیں گے تو آپ کو یہ بات اظہر من الشمس معلوم ہو جائے گی کہ آپ ﷺ نے بعض عورتوں میں وہی حالت دیکھی جو فتنہ وفساد کا سبب ہے (اور جس کی وجہ سے آج کے علماء حضرات عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کرتے ہیں اور ان کے آنے کو حرام اور مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں) لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ عورتوں نے مسجد آتے ہوئے فتنہ وفساد کے اسباب اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے اپنی عورتوں کو مسجد آنے سے منع کردو، بلکہ فرمایا:

" لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولكن لتخرجن و هن تفلات"

عورتوں کو مسجد آنے سے نہ روکو بلکہ ان کو خوشبو لگانے سے منع کرو۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا:

" انهوا نساء كم عن لبس الزينة و التبختر فى المسجد"

عورتوں کو (مسجد آنے سے نہ روکو بلکہ) مسجد میں آتے وقت زیب و زینت والا لباس پہننے اور اترا کر چلنے سے روک دو۔

عورتوں کا مسجد میں آتے وقت آپ ﷺ نے ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کا جو اہتمام فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ خواتین صحابہ کرام سے پیچھے کھڑی ہوتیں تھیں اور جیسے ہی آپ ﷺ سلام پھیرتے تو اپنی جگہ تشریف رکھتے اور صحابہ کرام بھی اپنی اپنی جگہوں پر تشریف فرما ہوتے۔

یہاں تک کہ عورتیں چلی جاتیں تا کہ ایک ساتھ اٹھنے کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو۔
بخاری شریف کی روایت میں ہے:

ان النساء فی عهد رسول اللهﷺ کن اذا سلمن من المکتوبة قمن و ثبت رسول اللهﷺ و من صلی من الرجال ماشاء الله فاذا قام رسول اللهﷺ قام الرجال. (بخاری شریف ص۱۱۹ جلداول)

رسول اللہﷺ کے مبارک دور میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیر لیتیں تو کھڑی ہو جاتی تھیں (یعنی گھروں کی طرف چلی جاتی تھیں) اور رسول اللہﷺ اور نماز پڑھنے والے صحابہ کرام بیٹھے رہتے پھر جب رسول اللہﷺ اٹھ جاتے تو لوگ (صحابہ کرام) بھی کھڑے ہو جاتے۔

اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللهﷺ اذا سلم مکث قلیلا و کانوا یرون ان ذلک کیماینفذالنساء قبل الرجال.

(سنن ابوداؤد ص۱۴۹ جلداول باب انصراف النساء قبل الرجال من الصلوٰۃ۔ میر محمد کراچی)

رسول اللہﷺ جب سلام پھیر لیتے تو تھوڑی دیر تشریف فرما رہتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سمجھتے تھے کہ یہ (ٹھہرنا) اس لئے ہوتا تھا کہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں۔

عزیز قارئین! چونکہ دورِ نبوی (خیرالقرون) میں مسجدیں آج کل کی مساجد کی طرح کئی منزل پر مشتمل نہ تھیں اس لئے خواتین سب سے آخر میں کھڑی ہوتی تھیں اور بیک وقت اٹھ کر چلنے میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کا خوف تھا اس لئے آپﷺ نے حکمت عملی کا اظہار فرماتے ہوئے سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر (اتنی دیر کہ اس میں خواتین مسجد سے نکل سکیں) تشریف فرما ہوتے اور آپﷺ کی تشریف فرما ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام بھی اپنی اپنی جگھوں پر تشریف فرما ہوتے جب عورتیں چلی جاتیں تو آپﷺ اٹھ جاتے تو صحابہ کرام بھی کھڑے ہو جاتے۔ درج بالا احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپﷺ کے مبارک دور میں بھی اختلاط مرد و زن کا خوف تھا مگر آپﷺ نے اس فتنہ وخوفِ فساد کا سد باب فرما کر امت مصطفویہ کو یہ تعلیم دی کہ حتی الامکان فتنہ وفساد کو ختم کیا جائے اور جائز عمل کو جائز ہی رکھا جائے جیسا کہ درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ آپﷺ نے صحابہ کرام کو اپنی اپنی جگہ پر بٹھائے رکھا اور عورتوں کے چلے جانے کا انتظار فرمایا مگر یہ نہیں فرمایا کہ آج کے بعد عورتیں مساجد میں نہ آئیں کیونکہ اس سے اختلاط مرد و زن کا فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اور آج کل کی عالی شان مساجد کو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ان مساجد میں باقاعدہ خواتین کے آنے جانے کا الگ راستہ ہوتا ہے، مسجد کی جس منزل میں مرد حضرات نماز پڑھتے ہیں اس کے بجائے دوسری، تیسری منزل میں عورتوں کی جائے نماز ہوتی ہے مردوں کو نہ عورتوں کے آنے کا پتہ لگتا ہے نہ تعداد کا اور نہ جانے کا۔

امام مسلم رحمہ اللہ کے 'باب خروج النساء الی المساجد' کی شرح فرماتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا و شبهه من احادیث الباب ظاهر فی انها لا تمنع المسجد لکن بشروط ذکر هاالعلماء ماخوذة من

الاحاديث و هوان لاتكون متطيبة و لا متزينة ولا ذات خلاخل يسمع صوتها ولا ثياب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا شابة و نحوها ممن يفتتن بهاوان لا يكون فى الطريق ما يخاف به مفسدة و نحوها و هذا النهى عن منعهن من الخروج محمول على كراهة التنزيه اذا كانت المرأة ذات زوج او سيد ووجدت الشروط المذكورة فان لم يكن لها زوج و لا سيد حرم المنع اذا وجدت الشروط.

(نووی شرح مسلم شریف ص۱۸۳ جلداول قدیمی کراچی)

درج بالا باب کی احادیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مندرجہ ذیل شروط اگر پائی جائیں تو پھر عورتوں کومسجد سے نہیں روکا جائے گا۔ وہ شروط یہ ہیں۔عورت خوشبو نہ لگائے، زیب وزینت (مائل کرنے) والا لباس نہ پہنے، بجتا ہوا زیور نہ پہنے، مردوعورت کا اختلاط نہ ہو، نوجوان (فساد برپا کرنے والی فحاش وعریاں اورآوارہ) لڑکیاں نہ ہوں، اسی طرح فتنہ وفساد کے دیگر اسباب نہ ہوں، راستہ پُرامن ہو (یعنی فساد کا خوف راستے میں نہ ہو) اگر مذکورہ شرائط پائی جائیں اور (مسجد آنے والی) خواتین شادی شدہ ہوں تو شوہر کا اپنی بیوی کومسجد جانے سے منع کرنا مکروہ تنزیہی ہے اوراگر عورت شادی شدہ نہ ہو یا کسی کی کنیز (باندی) نہ ہو اور مذکورہ شرائط موجود ہوں تو پھر ایسی عورتوں کومسجد جانے سے منع کرنا حرام ہے۔ (سبحان اللہ)

قارئین حضرات! دیکھی آپ نے امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کہ انہوں نے تو معاملہ ہی بالکل برعکس کردیا کیونکہ دورحاضر کے علماء تو یہی کہتے رہتے ہیں کہ چونکہ فتنہ وفساد کا خوف ہے اس لئے مطلقاً عورتوں (خواہ جوان ہوں یا بوڑھی) کا مسجد جانا مکروہ تحریمی، حرام اورناجائز ہے۔ اورامام نووی نے اصول کے موافق تحقیق فرماتے ہوئے صراحتاً لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں عورتوں کے مسجد جانے کے لئے جن شرائط کی رعایت کی گئی تھی اگر وہ شرائط اب بھی پائی جائیں تو پھر عورتوں کومسجد جانے سے منع کرنا ان کے شوہروں کے لئے مکروہ تنزیہی ہے (یعنی شوہروں کو اپنی بیویوں کومسجد جانے سے منع نہیں کرنا چاہیے) اوراگر عورتیں شادی شدہ نہ ہوں اور شرائط مذکورہ کی رعایت کرتے ہوئے اگر عورتیں مسجد جانا چاہیں تو پھر ان عورتوں کے والدین اور بھائیوں کے لئے عورتوں کومسجد جانے سے منع کرنا حرام اورناجائز ہے (کیونکہ کسی بھی جائز اورمباح کام کو اگر شریعت کے اصول کے موافق ادا کیا جائے تو جائز ہے اوراس پر مکروہ تحریمی اورحرام کا فتویٰ لگانا علمی اورتحقیقی نکتہ نظر سے نامناسب اورزیادتی ہے)

اب ذیل میں وہ چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن کو دلیل بنا کر مانعین نے عورتوں کے مسجد جانے کو مکروہ تحریمی اورحرام قرار دیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:۔

لو ادرک رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل.

(بخاری شریف، ص۱۲۰، جلداول، باب خروج النساء الی المساجد، نورمحمد کراچی)

(مسلم شریف ص۱۸۳ جلداول، نورمحمد کراچی)، (ابوداؤد شریف ص۸۴، میرمحمد کراچی)

اگر رسول اللہ ﷺ یہ حالت دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کر لی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

مانعین درج بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورتوں کا مسجد آنا حرام اور مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دور میں عورتوں نے وہ حالت بنا دی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ مساجد میں آنے سے روکنے کی قابل تھیں اگر رسول اللہ ﷺ یہ حالت دیکھتے تو ضرور عورتوں کو روکتے۔

حضرات قارئین! مانعین کی اس دلیل سے خود ان کو یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دور کی عورتوں کی حالت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے دور کی عورتوں کی حالت سے زیادہ نازک اور سنگین تھی اور دور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عورتوں نے کچھ زیادہ ہی فحاشی اور بے حیائی شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس حالت کو دیکھتے تو ضرور منع فرماتے۔ لیکن مانعین نے یہ کوئی وضاحت نہ کی کہ دور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عورتوں نے وہ کیا بے حیائی اور فتنہ وفساد کے اسباب پیدا کئے جو حیات طیبہ کے دور میں نہ تھے تاکہ ہم وہ علل (اسباب) دور حاضر کے عورتوں میں دیکھ کر ان کو مساجد سے منع کریں حالانکہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو یہ فرمایا کہ ''ما احدث النساء'' عورتوں نے جو حالت ایجاد کر لی ہے سے مراد وہی حالت ہے جو سرکار دو عالم ﷺ کے دور میں بھی تھی یعنی زیب وزینت، خوشبو لگانا، اچھے اور جاذب نظر کپڑے پہننا۔

درج بالا حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لو ان رسول الله ﷺ رای ما احدث النساء لمنعهن المسجد يعنى من الزينة والطيب و حسن الثياب و نحوها والله اعلم.

(نووی شرح مسلم، ص۱۸۳، جلد اول)

اگر رسول اللہ ﷺ یہ حالت دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کر لی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے یعنی زیب و زینت، خوشبو لگانا، اچھے اور جاذب نظر کپڑے پہننا، وغیرہ۔

درج بالا حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرح میں شیخ محمد صدیق نجیب آبادی لکھتے ہیں:

"يعنى قالت عائشه لو شاهد ﷺ ما احدث النساء من التطييب والزينة وغيره من دواعى الفتنة لمنعهن صريحا."

(انوار المحمود علی سنن ابی داؤد ص۲۰۸ جلد اول۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ عورتوں کے خوشبو لگانے، زیب وزینت کرنے اور دیگر فتنے کے اسباب کا مشاہدہ فرماتے تو صراحتاً عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے۔

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ دور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عورتوں کی وہی حالت تھی جس کو آپ ﷺ نے مزینہ قبیلے کی عورت میں دیکھی تھی جو زیب و زینت کی حالت میں مسجد میں اتراتی ہوئی چل رہی تھی لیکن یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے صراحتاً تو کیا اشارۃً بھی یہ نہیں فرمایا کہ آج کے بعد عورتیں مسجد میں نہ آئیں کیونکہ فتنہ وفساد اور بے حیائی کا ڈر ہے بلکہ فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے کے وقت زیب و زینت اور اترا کر چلنے سے روک دو

درج بالا حدیث کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

والاولى في هذا الباب ان ينظر الي ما يخشي منه الفساد فيجتنب لاشارته ﷺ الى ذالک بمنع الطيب والتزين لما روى مسلم من حديث زينب امرأة ابن مسعود" اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمس طيبا" وروى ابو داود من حديث ابى هريره رضي الله عنه قال" لا تمنعوا اماء الله مساجدالله ولكن ليخرجن وهن تفلات" وكذالک قيد ذالک في بعض المواقع بالليل ليتحقق الامن فيه من الفتنة والفساد وبهذا يمنع استدلال بعضهم فى المنع مطلقا فى قول عا ئشة لانها علقته على شرط لم يوجد فقالت لو رأى لمنع فيقال عليه لم يرو لم يمنع على ان عائشة رضي الله عنها لم تصرح بالمنع وان كان ظاهر كلامها يقتضي انها ترى المنع وايضا فالاحداث لم يقع من الكل بل من بعضهن قال تعين المنع فيكون في حق من احدثت لا فى حق الكل.

(عینی، ص۱۵۹، جلد۲۶، بیروت)

اس باب میں بہتر یہ ہے کہ ان باتوں (امور) کی طرف نظر کی جائے جن سے فتنہ وفساد کا خوف ہو، تا کہ ان سے اجتناب کیا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے انہی (فتنہ وفساد کے اسباب) کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے خوشبو لگانے اور زیب و زینت سے منع فرمایا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی عورت مسجد حاضر ہونا چاہے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔ اور ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندیوں (عورتوں) کو مسجد آنے سے نہ روکو لیکن وہ ایسی حالت میں جائیں کہ خوشبو لگائی ہوئی نہ ہوں۔ اسی طرح بعض موقع پر عورتوں کا مسجد آنے کو آپ ﷺ نے رات کے ساتھ مقید فرمایا تا کہ فتنہ وفساد سے امن وامان یقینی ہو۔ اس (تحقیق) سے معلوم ہوا کہ بعض علماء نے مطلقا عورتوں کو منع کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے جو استدلال کیا ہے وہ ممنوع ہے (یعنی یہ استدلال صحیح نہیں) کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس ممانعت کو ایسی شرط سے معلق کیا ہے جو نہیں پائی گئی جیسا کہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ یہ (حالت) دیکھتے تو منع فرماتے تو کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے نہیں دیکھا تو منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صراحتا منع بھی نہیں فرمایا اگر چہ آپ کے ظاہر کلام سے منع فرمانے کا معلوم ہو رہا ہے اسی طرح (خلاف شرع امور کی) ایجادتمام عورتوں سے واقع نہیں ہوئی بلکہ بعض عورتوں سے ہوئی اس لئے اگر (عورتوں کا مسجد آنے کی)

ممانعت ثابت ہو بھی جائے تو بھی ان عورتوں کے لئے (ممانعت) ہوگی جنہوں نے (خلاف شرع امور کی) ایجاد کی ہے نہ کہ تمام عورتوں کے لئے (ممانعت ثابت ہوگی)

دلائل سے معلوم ہوا کہ اصل میں جو کام جائز اور مباح ہو اس کو نہیں روکا جائے گا بلکہ اس میں جتنے غیر شرعی امور ہوں گے یا مفاسد اور نقصانات یا بے حیائی کے اسباب ہوں گے ان کا ازالہ کیا جائے گا اور جائز اور مباح کام کو اسی طرح جائز اور مباح قرار دیا جائے گا۔ ورنہ تو پھر ہر مسلک اور مکتبہ فکر کے تعلیمی اور مذہبی اداروں میں کچھ اس طرح افعال (معمولات) ادا کئے جاتے ہیں جو شرعا مباح اور جائز ہوتے ہیں لیکن ان ہی معاملات میں کچھ غیر شرعی امور بھی پائے جاتے ہیں تو کیا اس میں بھی علماء اور مفتیان یہ حکم لگائیں گے کہ چونکہ اس شرعی (مباح اور جائز) کام سے فتنہ وفساد اور بے حیائی کا خطرہ ہے اس لئے آج کے بعد یہ کام حرام اور مکروہِ تحریمی ہو گیا۔ مثلاً جن علماء کے نزدیک مسجد وغیرہ میں مووی بنانا یا تصاویر اتارنا ناجائز اور حرام ہے اور پھر ان کی موجودگی میں ان کے مدارس میں ختم بخاری شریف، دستار بندی اور دیگر جائز اور مباح معمولات میں اگر باقاعدہ مووی بنائی جارہی ہو یا تصاویر اتاری جارہی ہوں تو کیا وہ فتویٰ لگائیں گے کہ چونکہ ان جائز معمولات کے دوران حرام امور کا ارتکاب ہورہا ہے اس لئے ان پروگراموں کو منعقد کرنا یا اس میں شرکت کرنا حرام اور مکروہ تحریمی ہے بلکہ پھر تو لوگوں کا حرمین شریفین جانا بھی ان مانعین کے نزدیک حرام ہو جائے گا کہ حرمین شریفین کی فلم ایام حج میں بیک وقت براہِ راست پوری دُنیا میں نشر ہوتی ہے اسی طرح آج کل کے دور میں بعض بزرگانِ دین کے مزارات پر عرس کے دنوں میں کیا کیا خرافات اور خلاف شرع کام نہیں ہوتے لیکن ان خرافات کے باوجود پھر بھی علماء اہلسنت اور نعت خوان حضرات اور پیران طریقت کا وہاں جمگھٹا رہتا ہے اور سال بہ سال بڑھتے رہتے ہیں لیکن کسی بھی مفتی یا عالم اہلسنت نے یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ فلاں بزرگ کے عرس میں فتنہ وفساد، اور بے حیائی کا خوف ہے اور خلاف شرع امور کا علی الاعلان ارتکاب ہورہا ہے اس لئے آج کے بعد ان پروگراموں میں شرکت کرنا حرام اور مکروہ تحریمی ہے۔ علی ہذا القیاس۔

اب ذیل میں چند وہ عباراتِ فقہاء زیب قرطاس کر رہا ہوں جن سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہ اور نامناسب ہے کیونکہ اس سے فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا اور انہی دلائل (عبارات) کو ان مفتیانِ عظام اور علماء کرام نے دلیل بنایا ہے جو عورتوں کے مسجد میں نماز باجماعت کے لئے آنے کے قائل نہیں (یعنی حرمت اور کراہت تحریمی کے قائل ہیں)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات بدليل ماروى عن عمر رضى الله تعالى عنه انه نهى الشواب عن الخروج ولان خروجهن الى الجماعة سبب الفتنة والفتنة حرام و ما ادى الى الحرام فهو حرام.

(بدائع الصنائع ص ۳۸۸ جلد اول بیان من یصلح الامامة فی الجملة مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

جوان عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا (آنا) مباح نہیں اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لئے بھی کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و یکرہ حضورھن الجماعۃ و لو لجمعۃ و عید و وعظ مطلقا و لو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی بہ لفسادالزمان.

(الدرالمختار ص ۴۱۸، جلداول، باب الامامۃ، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ولا یحضرن الجماعات لقولہ تعالیٰ و قرن فی بیوتکن و قالﷺ صلاتھا فی قعر بیتھا افضل من صلاتھا فی صحن دارھا و صلاتھا فی صحن دارھا افضل من صلاتھا فی مسجدھا و بیوتھن خیر لھن ولا نہ لا یؤمن الفتنۃ من خروجھن اطلقہ فشمل الشابۃ والعجوز والصلوٰۃ النھاریۃ واللیلیۃ قال المصنف فی الکافی و الفتویٰ الیوم علی الکراھۃ فی الصلوٰۃ کلھا لظھور الفساد الخ"

(البحرالرائق، ص ۶۲۷، جلداول، رشیدیہ کوئٹہ)

عورتوں کے لئے جماعات میں حاضر ہونا مناسب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عورتیں گھر میں بیٹھی رہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کے کمرے کی نماز صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صحن کی نماز مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور ان کے لئے گھر بہتر ہے اور یہ کہ عورتوں کے نکلنے میں فتنے کا خوف ہے اور مطلق حکم لگانے کی وجہ سے اس میں بوڑھی اور جوان، دن کی نماز اور رات کی نماز سب داخل ہو گئے مصنف نے کافی میں کہا ہے کہ آج کراہت کا فتویٰ دیا جائے گا تمام نمازوں میں کیونکہ فساد ظاہر ہو گیا ہے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں:

و یکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب منھن لمافیہ من خوف الفتنۃ ولا بأس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء و ھذاعندابی حنیفۃ و قالا یخرجن فی الصلوٰت کلھا لانہ لا فتنۃ لقلۃ الرغبۃ فلا یکرہ .

(ہدایہ، ص ۱۲۶، جلداول، باب الامامۃ، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

نوجوان عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس میں فتنے کا خوف ہے اور اگر بوڑھی عورتیں نماز فجر، مغرب اور عشاء میں مسجد آنا چاہیں تو کوئی حرج (کراہت) نہیں یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) فرماتے ہیں کہ اگر بوڑھی عورتیں تمام (پنج وقتہ) نمازوں میں مسجد (جماعت) میں شرکت کریں تو بھی کوئی کراہت

نہیں کیونکہ ان میں فتنے کا خوف نہیں ہوتا۔

امام ابن الہمام لکھتے ہیں:

(ویکرہ لهن حضور الجماعات) واعلم انه صح عنه ﷺ انه قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله، و قوله اذا ا ستاذنت احدكم امرأته الى المسجد فلا يمنعها، و العلماء حصوه بامور منصوص عليها و مقيسة، فمن الاول ماصح انه ﷺ قال ايما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء و كونه ليلا فى بعض الطرق فى مسلم، لا تمنعوا النساء من الخروج الى المساجد الا با لليل، والثانى حسن الملابس، و مزاحمة الرجال، لان اخراج الطيب لتحريكه الداعية فلما فقد الان منهن هذا لا نهن يتكلفن للخروج مالم يكن عليه فى المنزل منعن مطلقا. (فتح القدیر، ص ۳۱۷، جلد اول، حقانیہ پشاور)

(عورتوں کے لئے جماعات میں حاضر ہونا مکروہ ہے) بے شک آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی سے اس کی بیوی مسجد جانے کی اجازت چاہے تو اس کو نہ روکو۔ علماء کرام نے اس جواز کو چند باتوں پر مشروط کیا ہے عورت مسجد جاتے وقت خوشبو نہ لگائے، رات کو جائے تو زیب وزینت والے کپڑے نہ پہنے، عورتیں مردوں کے ساتھ بیک وقت ایک راستے سے نہ جائیں، چونکہ اب یہ باتیں مفقود ہو گئیں کیونکہ عورتیں گھر سے نکلنے کے وقت گھر کے ماحول سے خوب تر بن سنور کر نکلتی ہیں اس لئے مطلقا عورتوں کو منع کیا جائے گا۔

محترم قارئین: یہ ہیں فقہاء احناف کثر اللہ سوادھم کی وہ عبارتیں جن کو مانعین نے اپنے لئے دلیل بنا کر عورتوں کا مسجد میں آنے کو مکروہ تحریمی اور حرام لکھا ہے لیکن ان ہی دلائل (عبارات) پر اگر ذرا انصاف سے نظر ڈالی جائے تو خود بخود یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان عبارات سے وہ حکم ثابت نہیں ہو رہا ہے جس کو مانعین ثابت کر رہے ہیں کیونکہ ایک طرف تو ان تمام عبارات سے مطلقاً عورتوں کو مسجد میں آنے کی ممانعت ثابت نہیں ہو رہی ہے کیونکہ بعض عبارات میں نوجوان عورتوں کو منع کیا گیا ہے اور بوڑھی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے جیسا کہ ہدایہ اور بدائع الصنائع کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے (حالانکہ مانعین کا موقف مطلقا عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہِ تحریمی یعنی ناجائز ہے) اگرچہ بعض عبارات سے مطلقا عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہ ثابت ہوتا ہے خواہ بوڑھی ہو یا جوان جیسا کہ علامہ حصکفی وغیرہ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے اور اسی کو مفتیٰ بہ بھی کہا گیا ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

و يكره حضور هن الجماعة و لو لجمعة و عيد و وعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتىٰ به لفساد الزمان .

(الدر المختار، ص ۴۱۸، جلد اول، باب الامامۃ، رشیدیہ کوئٹہ)

عورتوں کو مطلقا جماعات میں حاضر ہونا مکروہ ہے خواہ جمعہ ہو یا عید یا وعظ و نصیحت (کا تبلیغی و اصلاحی اجتماع) خواہ بوڑھی ہوں، یا

اجتماع رات کو ہو (سب حالتوں میں عورتوں کا جماعت میں آنا مکروہ ہے) یہی مفتیٰ بہ ہے (یعنی فتویٰ اسی کراہت کے قول پر ہے) کیونکہ فساد کا زمانہ ہے۔

عزیزان گرامی: درج بالا دلیل مانعین حضرات بڑے زور شور سے پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیکھئے علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقا عورتوں کا مسجد میں آنے کو مکروہ لکھا ہے اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مطلقا عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مطلقاً عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا مذہب کی مخالفت ہے:

علامہ حصکفی کی مذکورہ عبارت "علی المذہب المفتی بہ" کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قوله على المذهب المفتى به) اى مذهب المتاخرين قال فى البحر و قد يقال هذه الفتوىٰ التى اعتمدها المتاخرون مخالفة لمذهب الامام و صاحبيه فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقا اتفاقا و اما العجوز فلها حضور الجماعة عند الامام الا فى الظهر و العصر و الجمعة اى و عندهما مطلقا فالافتاء بمنع العجائز فى الكل مخالف للكل فالاعتماد على مذهب الامام . (شامی ص ۴۱۹، جلد اول۔ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

و قد يقال: هذه الفتوىٰ التى اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الامام و صاحبيه فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقا اتفاقا و اما العجوز فلها حضور الجماعة عند ابى حنيفة فى الصلوٰة الا فى الظهر و العصر و الجمعة و قالا: يخرج العجائز كلها كما فى الهدايه و المجمع و غيرهما فالافتاء بمنع العجوز فى الكل مخالف للكل فالاعتماد على مذهب الامام.

(البحر الرائق ص ۶۲۸، جلد اول۔ باب الامامۃ۔ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ حصکفی کا قول "مفتی بہ مذہب کے مطابق" اس سے مراد متأخرین علماء کا مذہب ہے البحر الرائق میں ہے "کہا جاتا ہے کہ متأخرین علماء نے جس فتویٰ پر اعتماد کیا ہے یہ مذہب حنفی کے امام (ابوحنیفہ) اور ان کے شاگردوں (امام ابو یوسف ومحمد) کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اتفاقاً فرمایا ہے کہ نوجوان لڑکیوں کو (مسجد میں آنے سے) روکا جائے گا اور بوڑھی عورتوں کو ظہر، عصر اور جمعہ کے علاوہ نمازوں میں اجازت ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین (امام یوسف اور امام محمد) کے نزدیک بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں آسکتی ہیں۔ اس لئے مطلق بوڑھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنے پر فتویٰ دینا یہ آئمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کی مخالفت ہے۔ اس لئے اعتماد (فتویٰ) امام ابوحنیفہ کے قول پر ہوگا۔

معلوم ہوا کہ متأخرین نے جو فتویٰ (مطلقاً عورتوں کا تمام نمازوں میں نہ آنے کا) دیا ہے وہ مفتیٰ بہ اور احناف کا معتمد علیہ مذہب نہیں ہے

کیونکہ امام ابن الہمام نے مطلقاً بوڑھی عورتوں کو مسجد میں آنے کا جواز لکھا ہے کیونکہ بوڑھی عورتوں کی وجہ سے فساد نہیں پھیلتا۔
علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

واستثنی الکمال بحث العجائز المتفانیة. (الدرالمختار،ص ۴۱۹،ج ۱)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قوله واستثنی الکمال ......الخ) ای مما افتی به المتأخرون لعدم العلة السابقة فیبقی الحکم فیه علی قول الامام فافهم.

(شامی،ص ۴۱۹،جلداول)

امام کمال الدین ابن الہمام نے بوڑھی عورتوں کا استثناء فرمایا یعنی متأخرین علماء نے (عورتوں کے مسجد میں آنے کی ممانعت پر) جوفتویٰ دیا ہے اس سے بوڑھی عورتوں کو اس لئے مستثنیٰ فرمایا کہ ان میں وہ پہلی والی علت (فتنہ فساد کی) نہیں ہے اس لئے حکم (فتویٰ) امام ابوحنیفہ کے قول ہی پر دیا جائے گا۔(یعنی بوڑھی عورتیں مسجد میں آسکتی ہیں)

حکم علت کی وجہ سے لگتا ہے:

امام ابن الہمام (کمال الدین) کے قول سے معلوم ہوا کہ جہاں اور جس وقت عورتوں کے مسجد میں آنے میں فتنہ اور فساد والی علت نہ ہو تو ان کے لئے مسجد میں آنا جائز ہوگا اور اسی علت کی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے فجر،مغرب اور عشاء کی نمازوں میں اور صاحبین نے تمام نمازوں میں عورتوں کو آنے کی اجازت دی کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فساق ان تین اوقات میں اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں اس لئے فتنہ وفساد کا خوف نہیں اور صاحبین کے نزدیک بوڑھی عورتوں میں شہوت نہ ہونے کی وجہ سے ان میں فتنہ وفساد کا خوف نہیں۔جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وانما منعها لقیام الحامل وهو فرط الشهوة بناء علی ان الفسقة لا ینتشرون فی المغرب لانهم بالطعام مشغولون و فی الفجر والعشاء نائمون. (شامی ص ۴۱۹ جلداول)

امام ابوحنیفہ نے جو بوڑھی عورتوں کو تین وقت نمازوں میں آنے کی اجازت دی اس کی وجہ یہ ہے کہ فساق لوگ مغرب کے وقت کھانے پینے میں لگے رہتے ہیں اور عشاء اور فجر میں سوئے رہتے ہیں۔

یہ آئمہ مجتہدین کے دور کی صورت حال تھی،جبکہ دور حاضر میں فساق وفجار لوگوں کے معمولات روز روشن کی طرح ظاہر ہیں کہ دن رات ان کو فحاشی وعریانی پر مبنی فلموں اور پروگراموں سے فرصت نہیں ملتی کہ وہ مسجد کی طرف آتے ہوئے راستوں پر کھڑے ہو جائیں (بلکہ آج کل کے فیشن ایبل فساق فجار ان تعلیمی مراکز کے باہر دکھائی دے رہے ہوتے ہیں جہاں مخلوط نظام تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا ہے یا ان پارکوں اور تفریح گاہوں میں جلوہ افروز ہوتے ہیں جہاں حیاوعزت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی) اور دوسری طرف جونمازی عورتیں مسجد آتیں ہیں وہ بھی باپردہ اور اپنے مردوں کے ساتھ اکثر اپنی ذاتی گاڑیوں میں آتی ہیں اور راستے بھی ویران نہیں بلکہ شہروں میں رات کو بھی دن کا ساسماں رہتا

ہے ہر وقت لوگوں کی چہل پہل رہتی ہے کسی عورت کو کوئی خوف وخطرہ نہیں ہوتا اور ماضی بعید کی طرح مسجد یں بھی زیادہ دور نہیں کہ ان تک پہنچنے میں کسی فتنے کا خوف ہو بلکہ ایک گنجان بستی (محلے) میں کئی مساجد ہوتی ہیں کہ ان تک جانے میں کوئی خوف وخطرہ نہیں اس لئے دور حاضر میں عورتوں کے لئے مسجد جانے میں فتنہ وفساد کی علت نہیں پائی جارہی ہے اس لئے ان کے لئے شرعی شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے باجماعت نمازوں میں شرکت جائز ہوجائے گی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عمر حسام الدین لکھتے ہیں:

والحکم لا تثبت الا بعلة. (المنتخب الحسامی)

حکم علت ہی کی وجہ سے لگتا ہے۔

شیخ الاسلام امام سرخسی امام ابوحنیفہ کی طرف سے عورتوں کے لئے عیدین کی نماز میں شرکت کے جواز کی علت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

فـامـا صـلوة العیدفتؤدی فی الجبانة فیمکنها ان تعتزل ناحیة عن الرجال کیلا تصدم (مسبوط سرخسی، ص۶۳، ج۲، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

امام برہان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری بھی مذکورہ علت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاما صلوٰة العید فتؤدی فی الجبانة فیمکنها ان تعتزل ناحیة عن الرجال کیلا تصدم.

(المحیط البرہانی ص ۴۸۷ جلد دوم ادارۃ القرآن کراچی)

چونکہ صلوۃ العید (عیدین کی نماز) عیدگاہ (میدان) میں پڑھی جاتی ہے اس لئے عورتوں کے لئے (عیدگاہ میں) ممکن ہے کہ وہ مردوں سے الگ کسی کونے میں کھڑی ہوجائیں گی تاکہ مردوں سے تصادم (اختلاط) نہ ہوجائے۔

علامہ زیلعی بھی یہی علت ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

و عـنـد ابـی حـنـیـفـه لا بأس ان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب والعشاء والعیدین و یکره فی الظهر والعصر والجمعة و قیل المغرب کالظهر لانتشار الفساق فیه والجمعة کالعیدین لا مکان الا عتزال.

(تبیین الحقائق ،ص ۳۵۷، ج۱، ایچ ایم سعید کراچی)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بوڑھی عورتیں فجر، مغرب، عیدین اور عشاء میں جاسکتی ہیں اور ظہر، عصر اور جمعہ میں ان کا جانا مکروہ ہے۔ لیکن کہا گیا کہ ظہر مغرب کی طرح ہے کیونکہ اس وقت بھی فساق (فاسق وفاجر لوگ) نہیں ہوتے اور جمعہ عیدین کی طرح ہے کہ اس میں عورتوں مردوں سے علیحدہ کھڑی ہوسکتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خواتین کے لئے مسجد میں نماز پڑھنے کے جواز یا ممانعت میں جو علت ہے وہ مردوں سے اختلاط اور تصادم ہے اگر اختلاط اور تصادم آرہا ہے تو عورتیں مسجد نہ جائیں ورنہ جاسکتی ہیں اور یہ حالت دور حاضر کی مساجد میں عیاں ہے کہ خواتین جن مساجد میں آتی ہیں ان میں ان کے لئے مردوں سے اختلاط اور تصادم سے بچنے کے لئے باقاعدہ الگ راستہ، الگ گیلری (منزل) اور

الگ وضوخانے وغیرہ کی سہولت مہیا کی گئی ہوتی ہے ان امور کی موجودگی میں آج کل باقاعدہ خواتین نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں بلا کراہت جاسکتی ہیں۔

فقہاء احناف کے نزدیک خواتین کا زیارت القبور کے لئے جانا:

عزیز قارئین! یہاں تک آپ حضرات نے خواتین کو مسجد جانے سے منع کرنے والے علماء ومفتیان کرام کی ممانعت کی وجہ بار بار ملاحظہ فرمایا کہ مانعین علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مبارک دور میں عورتوں نے فتنہ وفساد برپا کردیا تھا جس کی وجہ سے ام المومنین نے فرمایا کہ ''اگر رسول اللہ ﷺ اس حالت کو دیکھتے جو عورتوں نے ایجاد کرلی ہے تو ان کو مسجد آنے سے منع فرمادیتے اور پھر دور حاضر جو فتنہ وفساد کا دور ہے اس میں تو بالکل مطلقاً عورتوں کو مسجد آنا مکروہ تحریمی، ممنوع اور ناجائز ہے۔'' یہ مذکورہ علت مانعین علماء (اور بعض فقہاء احناف خاص کر مفتیٰ بہ قول ذکر کرنے والے علامہ حصکفی) کی وہ مضبوط دلیل ہے کہ جس پر انہوں نے عورتوں کے مسجد آنے کو مکروہ تحریمی اور ناجائز قرار دینے کی عمارت کھڑی کردی ہے۔ (اگرچہ احادیث کثیرہ صحیحہ اس مسئلے کے جواز پر دال ہیں) حالانکہ اگر دیکھا جائے تو جس طرح خواتین کے مسجد آنے میں فتنہ وفساد کا خوف وخطرہ ہے اس سے بڑھ کر زیارت القبور کے مسئلے میں اسی فتنہ وفساد کا خوف بھی ہے اور خود رسول اکرم ﷺ کا اس بارے میں ارشاد گرامی بھی ہے، 'لعن اللہ زوارات القبور' اللہ تعالی ان خواتین پر لعنت فرماتا ہے جو بہت زیادہ زیارۃ القبور کے لئے جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود فقہاء احناف اور اسی مفتیٰ بہ قول کو نقل فرمانے والے علامہ حصکفی نے خواتین کو زیارۃ القبور کے لئے جانے کی اجازت دی ہے۔ اب ہم چند فقہاء احناف (کثر اللہ سوادھم) اور دیگر علماء کی وہ عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جن میں انہوں نے خواتین کو زیارۃ القبور کی اجازت دی (اگرچہ فتنہ وفساد کا خوف یہاں بھی ہے بلکہ بڑھ کر ہے)

ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للاموات ان كانوا مؤمنين من غير وطء القبور لقول النبی ﷺ انی كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها فانها تذكركم الآخرة و لعمل الامة من لدن رسول الله ﷺ الی يومنا هذا.

(بدائع الصنائع، ص ۳۲۰، ج ۱، رشیدیہ کوئٹہ)

زیارۃ القبور اور مسلمان مُردوں (اموات) کی دعا کے لئے (قبرستان) جانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ قبروں کو نہ روندا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو (پہلے) زیارۃ القبور سے منع فرمایا تھا اب (اجازت دیتا ہوں اور) قبور کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں اور (دوسری وجہ زیارۃ القبور کے جواز کی یہ ہے کہ) اس پر آپ ﷺ کے مبارک دور سے لے کر آج تک امت (مسلمہ) کا عمل رہا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

وصرح فی ا لمجتبی بانها (ای زیارة القبور) مندوبة.......... وقیل تحرم علی النساء والاصح ان الرخصة ثابتة لهما.

(البحرالرائق ص۳۴۲ جلددوم۔رشیدیہ کوئٹہ)

زیارۃ القبور مستحب ہے اگرچہ ایک قول میں عورتوں کے لئے حرام ہے لیکن اصح (صحیح ترین) قول یہ ہے کہ مردوخواتین دونوں کے لئے اس کی رخصت (جواز) ہے۔

امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی لکھتے ہیں:

و زیارة القبور مستحبة للرجال و کذا للنساء علی الاصح .

(جامع الرموز ص۲۸۹ جلداول ایچ ایم سعید کراچی)

صحیح ترین قول کے مطابق مردوعورت دونوں کے لئے زیارۃ القبور مستحب ہے۔

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

ندب زیارتها للرجال والنساء علی الاصح. (نور الایضاح)

والاصح ان الرخصة ثابتة للرجال والنساء فتندب لهن ایضا.

(مراقی الفلاح۔قدیمی کراچی)

صحیح ترین قول یہ ہے کہ زیارۃ القبور مردوعورت دونوں کے لئے جائزاور مستحب ہے۔

امام طحطاوی علامہ شرنبلالی کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

وحاصله ان محل الرخص لهن اذا کانت الزیارة علی وجه لیس فیه فتنة والاصح ان الرخصة ثابتة للرجال والنساء لان السیدة فاطمة رضی الله عنها کانت تزور قبر حمزة کل جمعة و کانت عائشة رضی الله عنها تزور قبر اخیها عبدالرحمن بمکة کذا ذکره العینی فی شرح البخاری .

(طحطاوی علی المراقی ،ص۶۲۰ ،قدیمی کراچی)

(زیارۃ القبور کے مسئلے کا) حاصل یہ ہے کہ اگر فتنہ نہ ہوتو عورتوں کے لئے زیارۃ القبور کی اجازت ہے کیونکہ صحیح ترین قول کی بناء پر مردوعورت دونوں کے لئے رخصت ثابت ہے کیونکہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبراور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ معظّمہ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے جاتی تھیں۔

شیخ وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

رأی الحنفیة تندب زیارة القبور للرجال والنساء علی الاصح لما روی ابن ابی شیبة ان رسول الله ﷺ کان یاتی قبور الشهداء باحد علی رأس کل حول. الخ. و قال علیه الصلوٰة والسلام کنت نهیتکم عن

زيارة القبور فزوروها فانها تذكر كم الموت.

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۱۵۶۸ جلد دوم۔ رشیدیہ کوئٹہ)

احناف کی رائے (مذہب) یہ ہے کہ صحیح ترین قول کی بناء پر مرد وعورت دونوں کے لئے زیارۃ القبور مستحب ہے۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ آپ ﷺ ہر سال شہداء احد کی زیارتِ قبور فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو زیارۃ القبور سے منع فرمایا تھا اب قبور کی زیارت کو جایا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت یاد دلائے گی۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

و بزيارة القبور و لو للنساء لحديث كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها.

(الدر المختار ص ۲۴۲ جلد دوم)

علامہ شامی درج بالا عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

(قوله و بزيارة القبور) اى لابأس بها بل تندب كما فى البحر.........قلت استفيد منه ندب الزيارة وان بعدمحلها.

(ردالمحتار ص ۲۴۲ جلد دوم۔ ایچ ایم سعید کراچی)

قبور کی زیارت کے لئے جانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ عورتوں کے لئے ہو کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تم لوگوں کو زیارۃ القبور سے منع فرمایا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو۔ زیارۃ القبور میں کچھ حرج نہیں بلکہ مستحب ہے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے: میں (شامی) کہتا ہوں کہ اس سے زیارۃ القبور کا مستحب ہونا ثابت ہوا اگرچہ قبور دور ہوں۔

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

متعدد احادیث میں زیارت قبور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال ہذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسندہ و ابن ماجۃ فی سننہ والحاکم فی المستدرک عن حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

نهيناكم عن زيارة القبورفزوروها رواه محرر المذهب النعمانى الامام محمد بن الحسن الشيبانى فى الآثار عن امامنا الاعظم عن ابن بريدة الاسلمى عن ابيه رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال و بهذا ناخذ لا بـاس بـزيـارة القبور للدعاء للميت و لذكر الآخرة و هو قول ابى حنيفة و مسلم و ابوداؤد والترمذى و ابن حبان والحاكم عن ابن بريدة رضى الله تعالىٰ عنه.

علماء کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہے یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ اصح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اختلف المشائخ في زيارة القبور للنساء قال شمس الائمة السرخسي الاصح انه لا بأس بها. مختار الفتاویٰ میں ہے: لا بأس بزيارة القبور وهو قول ابی حنيفة و ظاهر قول يقتضى الجواز للنساء ايضاً لانه لم يخص الرجال. کشف بزدوی علامہ فخر الدین علی بن محمد جلد۳ صفحہ۱۸۶ میں ہے: والاصح ان الرخصة ثابت للرجال والنساء جميعا.

(فتاویٰ ملک العلماء ص۴۵۲، ۴۵۳۔ طباعت ۲۰۰۵ء)

مفتی نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

عورتوں کا مطلقاً قبرستان میں جانا یا مزار پر جانا فی نفسہ جائز ہے لیکن چونکہ کمزور دل کی ہوتی ہیں اس لئے متاثر ہو کر بعض ناجائز فعل (شرک وبدعت وغیرہ) کر دیتی ہیں اس لئے روکا جاتا ہے پس اگر پردہ کے ساتھ جائیں اور سنت کے مطابق کچھ پڑھ کر ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کر کے واپس آ جائیں تو اس میں کوئی ممانعت نہ ہوگی۔

(نظام الفتاویٰ ص ۳۶۲ جلد دوم رحمانیہ لاہور)

مولانا ثناءاللہ امرتسری (غیر مقلد) لکھتے ہیں:

عورتوں کو قبروں کی زیارت کے متعلق حضور ﷺ کا فرمان

نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها الحديث (صحيح مسلم)

اور نیز یہ بھی آپ ﷺ کا فرمان حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو:

قولى السلام على اهل الديار من المومنين والمسلمين (الحديث) (صحيح مسلم)

مشکوٰۃ ص۱۵۴ ج ا سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اجازت میں داخل ہو گئیں تھیں قال بعض اہل العلم۔ مشکوٰۃ ص۱۵۴ ج ا۔

(فتاویٰ ثنائیہ، ص۳۱۴، جلد اول، النور اکیڈمی سرگودھا)

عزیزان گرامی: مشت نمونہ خروار کے طور پر فقہائے احناف اور خاص کر ان فقہاء کرام کی عبارات کو ہدیہ قارئین کر دیا جنہوں نے عورتوں کے لئے نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں آنے کو مکروہ تحریمی اور ممنوع قرار دیا تھا مثلاً علامہ کاسانی، علامہ ابن نجیم اور علامہ حصکفی، اور انہوں نے اس کراہت کو مفتیٰ بہ قرار دیا تھا لیکن ان ہی کی مذکورہ عبارات (جو انہوں نے عورتوں کے لئے زیارۃ القبور کے جواز اور استحباب پر نقل کیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مطلقاً عورتوں کے لئے زیارۃ القبور کے لئے جانا جائز اور مستحب ہے اسی طرح مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا بھی جائز اور مستحب ہونا چاہئے کیونکہ جس طرح زیارۃ القبور کے جواز اور استحباب کے لئے حدیث مبارکہ میں صیغہ امر "فزوروها" سے استدلال کیا گیا ہے اسی طرح خواتین کے لئے مسجد میں آنے کے جواز کے سلسلے میں جو احادیث مبارکہ پیش کر دی گئی ہیں ان میں بھی امر کے صیغے موجود ہیں مثلاً "**فاذنوا لهن، فلا تمنعوا نسائكم المساجد**" وغیرہ تو اس سے بھی جواز اور استحباب ثابت ہونا چاہئے، حالانکہ زیارۃ القبور کے سلسلے میں کئی روایتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں زیارۃ القبور کی ممانعت کر دی گئی ہے جب

کہ خواتین کے لئے مسجد میں آنے کے سلسلے میں کوئی حدیث ممانعت کی نہیں بلکہ فتنہ وفساد پیدا کرنے والے اسباب کی ممانعت کر دی گئی۔(فافھم)

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دور حاضر کے علماء ومفتیان نے جو متاخرین کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر خواتین کا نماز کے لئے نکلنا فتنہ وفساد کی وجہ سے مکروہ تحریمی اور کراہت مفتیٰ بہ ہوتا تو زیارۃ القبور کے لئے عورتوں کا نکلنا بدرجہ اولیٰ مکروہ تحریمی ہوتا کیونکہ اس میں فتنہ وفساد اس سے بڑھ کر ہے۔ حالانکہ تالی باطل ہے تو مقدم مثلہ''

مسئلہ مذکورہ میں متأخرین کا فتویٰ مفتیٰ بہ نہیں:

مطلقاً عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنے والے علماء نے جن فقہاء کی عبارات کا سہارا لیا ہے اور ان کے بل بوتے پر اپنے مسلک کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے یہ از روئے اصول صحیح نہیں کیونکہ متاخرین کے قول پر اس وقت فتویٰ دیا جاتا ہے جب متقدمین اور خاص کر آئمہ مذہب سے اس بارے میں کوئی قول منقول نہ ہو حالانکہ صورت مسئولہ میں آئمہ مذہب کے اقوال موجود ہیں جن میں انہوں نے مطلقاً عورتوں کو تمام نمازوں میں شریک ہونے سے منع نہیں فرمایا جیسا کہ بدائع الصنائع اور ہدایہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ انہوں نے نوجوان عورتوں کی قید لگائی اور بوڑھی عورتوں کے لئے خاص نمازوں یا تمام نمازوں میں شرکت کی اجازت ہے کیونکہ صاحبین کا قول اصل میں امام اعظم کا قول ہوتا ہے۔

امام حسن بن منصور بن محمود اوزجندی المعروف بہ قاضی خان لکھتے ہیں:

المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی فی مسئلة و سئل عن واقعة ان کانت المسئلة مروية عن اصحابنا فی الروایات الظاهرة بلا خلاف بینهم فانه یمیل الیهم و یفتی بقولهم ولایخالفهم برأیه و ان کان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوهم و اجتهاده لا یبلغ اجتهادهم ولاینظرالی قول من خالفهم ولا یقبل حجته لانهم عرفوا الادلة و میزوا بین ما صح و ثبت و بین ضده.

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ،ص۲،جلد اول، ماجدیہ کوئٹہ)

ہمارے زمانے میں حنفی مفتی سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور کسی واقعہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اگر وہ مسئلہ ہمارے آئمہ سے ظاہر روایت میں بلا اختلاف مروی ہے تو وہ ان کے قول کی طرف مائل ہو اور ان کے قول کے مطابق فتویٰ دے اور ان کے خلاف اپنی رائے نہ چلائے اگرچہ وہ ماہر مفتی ہو کیونکہ حق بظاہر ہمارے آئمہ کے ساتھ ہوگا ان سے متجاوز نہ ہوگا اور اس مفتی کا اجتہاد آئمہ کے اجتہاد کو نہیں پہنچ سکتا اور ان لوگوں کے قول کی طرف التفات نہ کرے جو آئمہ کے خلاف کہتے ہیں نہ اس کی دلیل قبول کرے کیونکہ تمام دلائل ہمارے آئمہ کے علم میں آچکے ہیں اور انہوں نے صحیح ثابت اور اس کے برعکس کے درمیان امتیاز کر لیا ہے۔

مطلقاً عورتوں کے لئے مسجد جانے کا جواز اصولی طور پر امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے:

اگرچہ کتب فقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے (حکمت کی بناء پر) بوڑھی عورتوں کو فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں شرکت کی اجازت دی ہے مگر دوسری طرف صحیح احادیث مبارکہ سے مطلقاً عورتوں کے لئے مسجد جانے کا جواز معلوم ہو رہا ہے جن کو آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

و نظیر هذا ما نقله العلامة البیری فی اول شرحه علی الاشباه عن شرح الهدایة لابن الشحنة الکبیر والد شارح الوهبانیة و شیخ ابن الهمام و نصه اذا صح الحدیث و کان علی خلاف المذهب عمل بالحدیث و یکون ذلک مذهبه ولا یخرج مقلده عن کونه حنفیا بالعمل به فقد صح عن ابی حنیفة انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی و حکی ذلک الامام ابن عبدالبر عن ابی حنیفة وغیره من الائمة انتهی و نقله ایضا الامام الشعرانی عن الائمة الاربعة.

(شرح عقود رسم المفتی ص ۱۷۔ قدیمی کراچی)

اس کی نظیر وہ بات ہے جو علامہ بیری نے شرح اشباہ کے شروع میں شارح وھبانیہ کے والد ماجد اور علامہ ابن الہمام کے استاذ ابن شحنہ الکبیر کی شرح ہدایہ سے نقل کی ہے کہ ''جب حدیث پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور وہ مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا اور وہی امام صاحب کا مذہب ہوگا اور حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے امام صاحب کا مقلد حنفیت سے نہیں نکلے گا کیونکہ امام ابوحنیفہ کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ ''جب حدیث ثابت ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہے۔'' علامہ ابن عبدالبر مالکی نے یہ بات امام ابوحنیفہ وغیرہ آئمہ کرام سے نقل کی ہے۔ اور یہی بات امام شعرانی نے بھی چاروں آئمہ سے نقل کی ہے۔

معلوم ہوا مسئلہ مذکورہ (عورتوں کا مسجد میں آنا) جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے ویسے ہی آئمہ احناف کا مذہب بھی ہے۔ اور اپنے مذہب کے آئمہ کے خلاف اپنی رائے چلانا جائز نہیں اگرچہ مفتی ماہر بھی ہو۔ جیسا کہ قاضی خان کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

آئمہ مذہب اور متقدمین کے برعکس متاخرین کا قول کب معتبر ہے:

مذکورہ تحقیق پر اگر کوئی یہ اشکال (اعتراض) وارد کردے کہ جب اصول یہ ہے کہ آئمہ مذہب اور متقدمین کے اقوال سے عدول جائز نہیں تو کئی ایسے مسائل ہیں کہ جو متاخرین احناف کے ہاں مفتی بہ ہیں حالانکہ وہ آئمہ مذہب اور متقدمین کے صریح اقوال کے مخالف ہیں مثلاً تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا جو متاخرین کے ہاں جائز ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور متقدمین فقہاء احناف کے ہاں یہ ناجائز تھا تو اس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ اصول افتاء میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

ان کثیرا من الاحکام التی نص علیها المجتهد صاحب المذهب بناء علی ما کان فی عرفه و زمانه قد تغیرت بتغیر الازمان بسبب فساد اهل الزمان او عموم الضرورة کما قدمناه من افتاء المتاخرین بجواز الاستئجار علی تعلیم القرآن.

(شرح عقود رسم المفتی ص ۳۷۔قدیمی کراچی)

بہت سے وہ احکام جو صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانے کے احوال پر بنیاد رکھ کر صراحۃً بیان کئے تھے وہ زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل گئے ہیں اور زمانہ کی تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عام ضرورت پیش آجانے کی وجہ سے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ متاخرین نے تعلیم قرآن پر اجارہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ متاخرین کے اس فتویٰ کو مفتی بہ قرار دیا جائے گا جس میں کوئی وجہ ترجیح کی ہو حالانکہ صورت مسئولہ (عورتوں کے مسجد میں آنے کے مسئلے) میں متقدمین، آئمہ احناف اور متأخرین سب نے ایک ہی علت بیان کی اور وہ فساد وفتنہ ہے تو جو علت متاخرین ذکر کر کے مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں وہی علت تو آئمہ مذہب نے بھی بیان کی تو اب اس علت کے ہوتے ہوئے جو حکم آئمہ مذہب نے بیان کیا وہی حکم اسی علت کی بناء پر آج بھی ہوگا اور رسم المفتی کے حوالے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ صحیح حدیث آئمہ مذاہب کا مذہب ہوتا ہے اور صحیح حدیث میں مطلقاً عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی حالانکہ دور نبوی میں بھی وہی علت ''فتنہ وفساد'' والی موجود تھی جس کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے صراحتاً تو کیا اشارۃً بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا بلکہ آنے کے حکم کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد والے اسباب کو ترک کرنے کا امر فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے مسجد میں آنا دور نبوی، دور صحابہ اور دور تابعین (خیر القرون) سب میں جائز تھا اور یہی جواز اب بھی برقرار ہے اگرچہ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ خواتین گھر میں نماز پڑھیں۔

علامہ حصکفی کے مفتیٰ بہ قول کی مکمل وضاحت اور دور حاضر کے علماء کی چشم پوشی:

اگر علامہ حصکفی کے اس قول کو مان بھی لیا جائے جس میں انہوں نے مطلقاً عورتوں کے مسجد میں آنے کو مکروہ تحریمی لکھا اور دور حاضر کے علماء نے اسی عبارت کو مفتیٰ بہ قرار دے کر اسی مسئلے میں تشدد اور تنگ نظری سے کام لیا لیکن اگر اسی عبارت پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اس عبارت سے جس طرح عورتوں کا نماز باجماعت (جمعہ، تراویح اور عیدین) کے لئے حاضر ہونا مکروہ ثابت ہوتا ہے اسی طرح وعظ (تقریر) کی محفل میں حاضر ہونا بھی مکروہ معلوم ہوتا ہے لیکن مانعین حضرات علماء نے ان مذکورہ عبارتوں سے تو یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ عورتوں کا نماز باجماعت کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ آج کل پاکستان کے تمام مکاتب فکر (مسالک مختلفہ) کے ہاں جو ماہانہ، سالانہ، ہفتہ وار اجتماعات میں جو (نوجوان، بوڑھی) عورتیں آتی ہیں یہ ناجائز، مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے بلکہ ان اجتماعات کے مواقع پر باقاعدہ تمام مکاتب فکر کی انتظامیہ کی طرف سے جلی حروف سے اعلان ہوتا ہے کہ "خواتین کے لئے پردے کا انتظام ہے" حالانکہ علامہ شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" وقال فی الکافی ومتی کرہ حضور المسجد للصلوۃ لان یکرہ حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤ لاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء اولی.

(غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الحکام،ص ۸۶، ج۱، میر محمد کراچی)

فقیہ محدث علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" والفتویٰ الیوم علی المنع فی الکل فلذلک اطلق المصنف و ید خل فی قوله الجماعات الجمعة وا لا عیاد والاستسقاء و مجالس الوعظ ولا سیما عند الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء وقصدهم الشهوات و تحصیل الدنیا"

(عینی شرح کنزالدقائق ص۴۰ جلداول باب الامامۃ)

آج کل فتویٰ اسی پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا خواہ دن کی ہوں یا رات کی ، جوان اورضعیفہ دونوں کے لئے ممنوع ہے اور مصنف (کنزالدقائق) کے قول،الجماعات، میں جمعہ،عیدین، استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی شامل ہیں، بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جوعلماء جیسی صورتیں بنالیتے ہیں اورمقصودان کا اپنی خواہشات نفسانی پورا کرنااور دنیا کمانا ہے۔

اسی عبارت کوعلامہ شیخ زین الدین المعروف بابن نجیم مصری نے البحرالرائق ص ۶۲۸ جلداول،علامہ شامی نے منحۃ الخالق علی البحرالرائق ص ۶۲۸ جلداول،امام سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم نے النھر الفائق ص ۲۵۱ جلداول،علامہ عالم بن العلاء الدہلوی نے الفتاویٰ التاتار خانیہ ص ۷۴۵ جلداول،علامہ حصکفی نے درالمنتقی شرح الملتقی ص ۱۰۹ جلداول،علامہ بدرالدین عینی نے البنایہ شرح الہدایہ ص ۴۱۳ جلددوم میں بھی تحریر فرمائی ہے۔

عزیز قارئین !درج بالاعبارات پڑھ کرآپ حضرات خود ہی انصاف فرمائیں کہ فقہاء نے تو جس طرح نماز باجماعت کے لئے خواتین کا آنا مکروہ قرار دیا ہے اسی طرح مجالسِ وعظ وتقریر(جلسہ) میں خواتین کے آنے کوبھی مکروہ قرار دیا ہےمگر دور حاضر کے علماء کی منطق سمجھ سے بالاتر ہے کہ تقریر وتحریر کے ذریعے تو خواتین کے لئے مسجد میں آنے کومکروہ تحریمی اورناجائز قرار دیتے ہیں مگر اسی تقریر وتحریر میں اشارۃً بھی اس بات کی وضاحت تک نہیں فرماتے کہ آج کل فتنہ وفساد اور بے حیائی کا بڑا زور ہے اس لئے خواتین کا جس طرح مسجد میں آنا مکروہ اور ناجائز ہے اسی طرح کسی بھی جلسے (وعظ وتقریر کی محفل) میں آنا بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔حالانکہ اگر دیکھا جائے تو (جس طرح علامہ عینی نے فرمایا اس سے بڑھ کر آج کل) مساجد کے بجائے جلسہ گاہ میں بے حیائی کی انتہا ہوتی ہے کیونکہ جن مساجد میں عورتوں کی نماز کا اہتمام ہوتا ہے ان کے لئے باقاعدہ الگ دروازہ ،منزل (گیلری) کی تخصیص اور پردے کا اہتمام ہوتا ہے پابندصوم وصلوٰۃ عورتیں بھی برقعہ میں باپردہ آتی ہیں (اوباش قسم کی آوارہ اورفتنہ گر، بازاری لڑکیوں کومسجد سے منع کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں)اور عام طور پرمساجد میں بوقت نماز مووی بنانے یا کسی دیگر غیرشرعی امور کا ارتکاب نہیں ہوتا کہ مردوں کوعورتوں کے سامنے یا بالعکس ٹی وی اسکرین پرلایا جائے لیکن جلسہ گاہ کی حالت تو علماء بہتر ہی جانتے ہیں کہ جس مسلک اورمکتبہ فکر والوں کا جب جلسہ ہوتا ہے تو اس میں خواتین کے آنے جانے ،زیب وزینت، جاذب نظر لباس، مٹکتے (اتراتے) ہوئے آنا جانا،خوشبواتنی مقدار میں کہ عطار کی دُکان سے کم نہیں، بجتے ہوئے زیوراوراوپر سے موبائل پرمختلف انداز کے ساز،مردوں اورعورتوں کے جم غفیر کوظاہر کرنے کے لئے ایک کودوسرے کے سامنے ٹی وی اسکرین پر پیش کرنا،مووی بنانے والے حضرات کے کیمرے کے سامنے مہذب انداز سے بیٹھنے یا شرارتی انداز اپنانے کے کرتب دکھانا،کیمرے سے تصاویر بنانے کی بوچھاڑ ،ان تمام امور کے ہوتے ہوئے مردوں اورعورتوں کے درمیان رسمی اور رواجی پردہ کہ اگر

کھڑے ہو جائیں تو پردہ ندارد۔ اور اوپر سے اسٹیج بھی اتنا اونچا کہ اسٹیج نشین حضرات کی نظر یکساں طور پر خواتین وحضرات پر پڑے گی اور اسٹیج پر رونق افروز ہونے والے کو خواتین وحضرات کے بلند و بالا نعروں کا جواب بھی تو خواتین وحضرات کی طرف دیکھ دیکھ کر ہاتھ ہلا ہلا کر دینا ہوتا ہے (اور پھر بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ان کے زمانے کے مقررین جو علم وعمل سے عاری صرف اور صرف شعلہ بیانی کے سکے بٹھا کر دنیاوی سکے (رقم) حاصل کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں) یہ تو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے مقررین (واعظین) کی حالت تھی۔ دور حاضر کے اسٹیج نشین (مقررین وہمنوا) کی حالت پر ذرا انصاف کی نظر ڈالیں تو علمی حالت اس قدر کہ موضوع اور من گھڑت قول پیش کیا اور سامعین کے نعروں سے جلسہ گاہ گونج اٹھا، اور عملی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ سادگی کا کوئی نام ونشان تک نہیں بلکہ مقرر شعلہ بیان کہ جن کی راہ تکتے تکتے آنکھیں تھک گئیں جب وعظ وتقریر کی مسند پر رونق افروز ہوتا ہے تو ماشاءاللہ چار پانچ مختلف رنگوں کا مجموعہ ہوتا ہے عمامہ ایک رنگ کا تو قمیض دوسرے رنگ کی، شلوار کسی اور رنگ کا تو گردن سے لپیٹا ہوا رعب جمانے کا مفلر کسی اور رنگ کا۔ اور سب سے زیادتی اس وقت جب حصول دنیا کے لئے ایک تقریر کی ہزاروں پر بات ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

کہ مجلس میلاد شریف پڑھنے کے لئے پیشتر ٹھہرالینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے **لاتشتروا بایاتی ثمنا قلیلا. واللہ اعلم**

(احکام شریعت، ص ۱۶۶)

عزیز دوستو: آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ فتنہ وفساد اور بے حیائی کا خوف اور ڈر خواتین کا مسجد میں جانے میں ہے یا جلسہ گاہ اور وعظ وتقریر کی محفل میں؟ لیکن ایک مطلقا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے اور دوسرا عین دین اسلام کی خدمت ہے (فافھم) حالانکہ ہمارا موقف خواتین کا مسجد میں جانے کے بارے میں یہی ہے کہ ان کے لئے بہرصورت (چاہے فتنہ وفساد کا خوف ہو یا نہ ہو) بہتر اور افضل یہ ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں، اور شرائط کی موجودگی میں ان کے لئے مسجد جانا جائز اور مباح اور اصولاً مستحب ہوگا نہ کہ مکروہ تحریمی اور ناجائز۔

مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

(عورتوں کو جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر پڑھنا) جائز ہے مگر بہتر نہیں۔

(کفایت المفتی ص ۲۴۵ جلد سوم۔ حقانیہ ملتان)

مفتی محمود لکھتے ہیں:

احتیاط تو بہرحال اسی میں ہے کہ عورتوں کو مطلقاً اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ فساد زمانہ میں اس کی اجازت سے مفاسد پیدا ہونے کا قوم احتمال ہے،

ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعید وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذهب المفتیٰ به لفساد الزمان واستثنی الکمال العجائز المتفانیة.(درمختار باب الامامة ج ۱)

لیکن وہاں کے لوگوں نے ایسا کوئی انتظام کر دیا ہے جس سے وہاں کے محافظ حضرات بھی مطمئن ہوں تو اس صورت میں وہاں علماء خود اس حالت کا مشاہدہ کر کے فتویٰ جواز کا دے دیں تو اس پر عمل کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود، ص ۲۲۵، جلد دوم، جمعیت پبلیکیشنز)

شیخ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

ولا یجوز منع النساء عن حضورھن الجماعة ولو لجمعة وعید و وعظ اذا خرجن تفلات غیر متبرجات بزینة مع لباس ساتر سیما العجائز.

(نزل الابرار ص ۹۸ جلد اول۔ مطبوعہ سعید المطابع بنارس ہند)

عورتوں (چاہے جوان ہو یا بوڑھی) کو نماز باجماعت کے لئے آنے سے منع کرنا جائز نہیں اگر چہ جمعہ کی نماز ہو یا عیدین کی۔ اسی طرح مجلس وعظ وتقریر سے بھی ان کو منع کرنا جائز نہیں جبکہ عورتیں خوشبو نہ لگائیں اور زیب وزینت والا لباس نہ پہنیں خاص کر بوڑھی عورتوں کو۔ (تو بالکل منع نہیں کرنا چاہئے)

علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

عورتوں کا اپنے گھر میں رہ کر رمضان کی راتوں کی نمازیں پڑھنا یعنی تراویح پڑھنا زیادہ افضل ہے الّا یہ کہ مسجدوں میں جانے سے ان کا مقصد صرف تراویح پڑھنا نہیں بلکہ دوسرے نفع بخش نیک کام ہوں مثلاً وعظ وتذکیر کے پروگرام میں شامل ہونا ہو یا درس وتدریس کی مجلس سے استفادہ کرنا ہو یا کسی جید قاری کی قرأت سننی ہو تو ان حالتوں میں ان کا مسجد جا کر نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے کیونکہ ان صورتوں میں نماز پڑھنے کے علاوہ دوسری نیکیاں بھی مقصود ہیں اور اس لئے بھی کہ آج کل مرد حضرات اپنی عورتوں کو دینی تعلیم دلانے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے اس لئے ان عورتوں کا مسجد جا کر نماز باجماعت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اگر وہ گھر میں بیٹھی رہیں گی تو ممکن ہے کہ انہیں نماز میں وہ رغبت نہ پیدا ہو جو مسجد میں ہوتی ہے۔ تاہم بہرصورت عورتیں مسجدوں میں اپنے شوہروں کی اجازت ہی سے جا سکتی ہیں اور شوہروں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکیں الّا یہ کہ واقعی کوئی شرعی عذر ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

لا تمنعوا اماء الله مساجد الله. (مسلم)

اللہ کی باندیوں (عورتوں) کو مسجدوں سے نہ روکو۔

موصوف آگے لکھتے ہیں:

یہاں میں ایک خاص بات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کچھ ایسے حضرات ہوتے ہیں جو عورتوں کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ غیرت مند ہوتے ہیں اتنے زیادہ کہ ان پر تکلیف دہ حد تک پابندیاں عائد کرتے ہیں انہیں کسی صورت میں مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ آج کل مسجدوں میں عورتوں کے لئے علیحدہ محفوظ جگہ ہوتی ہے جب کہ

حضور کے زمانے میں عورتوں کے لئے کوئی علیحدہ جگہ نہیں ہوتی تھی، میں ان سے کہنا چاہوں گا کہ غیرت ایک اچھی صفت ہے لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنا ایک ناپسندیدہ بات ہے۔فرمان نبوی ہے:**ان من الغیرۃ ما یبغضہ اللہ و رسولہ،** کچھ ایسی غیرت ہے جیسے اللہ ناپسند کرتا ہے اوراس کا رسول بھی۔ دور حاضر نے نئی زندگی کے دروازے عورتوں پر وا کئے ہیں آج عورتیں اپنے گھروں سے نکل کر اسکول، کالج اور بازار ہر جگہ آتی جاتی ہیں لیکن اس جگہ جانے سے محروم ہوگئی ہیں جو اس سرزمین پر سب سے بہتر جگہ ہے یعنی مسجد

(فتاویٰ یوسف القرضاوی،ص ۱۶۱ تا ۱۶۳، دارالنوادر لاہور)

شرائط کی رعایت کرتے ہوئے عورتیں تبلیغی اور اصلاحی مجالس میں آنے کے ساتھ ساتھ سیاسی وسماجی خدمات بھی ادا کرسکتی ہیں۔

اب ہم ذیل میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کی وہ عبارات زیب قرطاس کرتے ہیں جنہوں نے اصلاحی مجالس (مجلس وعظ ونصیحت) اور تبلیغی جماعات میں مذکورہ شرائط کے ساتھ عورتوں کی حاضری کو ضروری یا جائز سمجھا ہے، حالانکہ خواتین کی نماز باجماعت کے حوالے سے ان کا فتویٰ ناجائز، ممنوع اور مکروہ تحریمی کا ہے۔

عورتوں کا مجلس وعظ وتقریر (اصلاحی مجالس) میں آنا

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

واعظ یا میلاد خواں اگر عالم سنی صحیح العقیدہ ہو اور اس کا وعظ و بیان صحیح ومطابق شرع ہو اور جانے میں پوری احتیاط اور کامل پردہ ہو اور کوئی احتمال فتنہ نہ ہو اور مجلس رجال سے دوران کی نشست ہو تو حرج نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۲۳۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

مفتی محمد فرید دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم حقانیہ لکھتے ہیں:

جن گھروں میں بے دینی کا ماحول ہو تو ان گھروں کی مستورات کے لئے ضروری ہے کہ خاوند یا محرم کی رفاقت میں باقاعدہ اور باشرائط ایسے اصلاحی مجالس کو حاضر ہوں۔

(فتاویٰ فریدیہ، ص ۱۸۰، ج ۱، دارالعلوم صدیقیہ صوابی)

مفتی موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قال بعضهم يجوز لهن الخروج اذا كان باذن الزوج تفلات مجتنبات عن لباس الزينة والتعطر واختلاط الرجال فما دامت النساء راعت هذه الشرائط فلا ضير فيه لانه خروج للعلم باذن الزوج وهو جائز و قال عليه الصلوة والسلام طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة رواه ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ قلت و فى عهدنا كثر الفساد والجهل عن الدين فى العوام و فى نساء الخواص فاذا انسد ابواب الفساد برعاية الشرائط المارة فاى شئى يمنع من الخروج فيها.

(منھاج السنن شرح جامع السنن للترمذی ص ۱۶۹، ۱۷۰ جلد ۵۔ باب ماجاء فی خروج النساء فی الحرب)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ خواتین کے لئے گھروں سے نکلنا جائز ہے اس صورت میں کہ وہ خوشبو نہ لگائیں زیب وزینت والے لباس نہ پہنیں اور مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو تو جب تک خواتین ان مذکورہ شرائط کی رعایت کریں گی تو ان کے لئے طلب علم کے واسطے نکلنا شوہر کی اجازت سے جائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ میں (محمد فرید) کہتا ہوں ہمارے

دور میں فساد کی کثرت اور دین سے ناواقفیت عام طور پر عوام میں اور خواص کی خواتین میں زیادہ ہے تو جب مذکورہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے فساد کا دروازہ بند ہو جائے تو خواتین کے لئے نکلنا جائز ہو جائے گا۔

مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ نوشہرہ لکھتے ہیں:

مروجہ تبلیغ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور تعلیم و تعلم ہے جسکا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کی شرعی ذمہ داری ہے اور دونوں کو تبلیغ دین کا حق حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ بے شمار نیک خواتین قرآن وحدیث کے علوم کی ماہرات گزری ہیں اور پھر آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں خواتین اسلام کا جہاد میں شریک ہونا بھی ثابت ہے۔ اس لحاظ سے خواتین کی جہاد میں شرکت کی بناء پر تبلیغی جماعات میں خواتین کی شرکت جائز معلوم ہوتی ہے۔ تاہم پردہ، محارم اور دیگر حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ص ۴۳۸، ۴۳۹ جلد دوم)

مفتی محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

تبلیغ والوں نے مستورات کے تبلیغ میں جانے کے لئے خاص اصول وشرائط رکھے ہیں۔ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کو تبلیغی جماعات میں جانا بہت ہی ضروری ہے۔ اس سے دین کی فکر اپنے اندر بھی پیدا ہوگی اور امت میں دین والے اعمال بھی زندہ ہوں گے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۲۷۵ جلد ہفتم۔ مکتبہ لدھیانوی کراچی)

مفتی محمود حسن گنگوہی لکھتے ہیں:

عورتوں میں تبلیغ کی بے حد ضرورت ہے اگر اپنے مکان پر ان کو دین سکھانے اور کتاب سنانے کا انتظام کر دیں تو بہتر ہے یا پھر اپنے ہی شہر میں ہفتہ میں ایک دن ان کے اجتماع کا مقرر کر دیا جائے یہاں سب پردہ کے ساتھ جمع ہو جایا کریں۔ اگر کہیں سفر ہی کرنا ہو تو شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جانے کا انتظام کیا جائے تا کہ دینی نقصان بھی نہ ہو، فتنہ سے بھی امن رہے۔ عورتوں کی تربیت کا قصد بھی حاصل ہو جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۷ جلد بارہ)

مفتی موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے پختہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اور اس جذبہ کو عام

کرنے کے لئے طویل طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں۔ جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃ اس کا انتظام نہیں ہے اس لئے اگر لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدود شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعا اس کی اجازت ہے بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۷ جلد ۱۴)

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

اگر خواتین پردے کے اہتمام کے ساتھ تبلیغی اجتماع میں جائیں تو جائز ہے بلکہ بحالت موجودہ ایسے اجتماعات میں عورتوں کی شرکت مفید ہے۔

(فتاویٰ عثمانی ص ۲۴۲ جلد اول)

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

ان میں تبلیغ یا تو بذریعہ کتب ورسائل کی جائے یا ذی علم عورتیں غیر ذی علم عورتوں کو احکام سکھا دیں یا نہایت پردہ کے ساتھ واعظ سے بالکل علیحدہ ایک عمارت یا بڑے پردے کی آڑ لے کر وعظ واحکام سنیں۔ مگر اس تیسری صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ (فتاویٰ نعیمیہ ص ۴۸۔ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

مفتی اعظم ہالینڈ مفتی عبدالواجد قادری لکھتے ہیں:

مجلس علمی میں عورتوں کو شریک ہونے کے لئے آنا جائز اور کار ثواب ہے مگر انہیں دو باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے:

۱) مزین ومعطر ہو کر یا زرق برق لباس کے ساتھ نہ آئیں۔

۲) مجلس میں عورت ومرد کا اختلاط نہ ہو، دونوں کے لئے الگ الگ بیٹھنے کا نظم ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو درمیان میں گاڑھا پردہ موجود ہو اور اس کے باوجود کچھ دور ہی بیٹھنے کی کوشش کریں۔

(فتاویٰ یورپ، ص ۵۳۴، شبیر برادرز)

علامہ مفتی محمد حسن حقانی اشرفی صاحب ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

ایسی دینی اجتماعات جن میں قرآن وسنت کی روشنی میں احکام شرعیہ اور مسلک حق اہل سنت کے عقائد ومعمولات کی تبلیغ کی جاتی ہو، انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء حضور سرور کائنات ﷺ اور اولیائے امت کی تعظیم ومحبت کا درس دیا جاتا ہو ان میں خواتین کا شرکت کرنا بلاشبہ جائز اور باعث ثواب ہے۔ خصوصا اس دور میں جبکہ خواتین کا بیشتر وقت بے مقصد زیبائش وآرائش، بازاروں کی سیر اور دیگر لغو کاموں میں ضائع ہوتا ہے، ایسے دینی اجتماعات کا انعقاد یقیناً باعث برکت ہے۔ کہ ایسے اجتماعات میں اگر خواتین شرکت نہ کریں تو اغلب یہ ہے کہ ان کا یہ وقت کسی کی غیبت یا متذکرہ فضول کاموں میں سے کسی کام میں صرف ہوگا جو کہ

شرعاً قابل گرفت ہے۔ اس لئے مردوں کے اجتماعات منعقد کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کی اصلاح کے لئے بھی دینی اجتماعات کا انعقاد ہونا چاہئے۔خصوصا اس لئے بھی کہ عورتوں میں ناواقفیت غالب ہوتی ہے۔ تاہم پردہ کا اہتمام اور خواتین کی حفاظت ضروری ہے۔خواتین کے لئے دینی اجتماع منعقد کرنے اور اس میں خواتین کی شرکت کا حکم درج ذیل حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال النساء للنبی ﷺ: غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیه فوعظھن و امرھن. و لفظ مسلم: فاجعل لنا من نفسک یوما ناتیک فیه تعلمنا مما علمک الله قال اجتمعن یوم کذا و کذا فاجتمعن فاتاھن رسول الله ﷺ فعلمھن مما علمه الله.

یعنی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ خواتین نے آ کر عرض کی کہ آپ کے پاس (حصول علم میں) مرد ہم پر سبقت لے گئے ہیں، اس لئے آپ اپنی جانب سے ہمارے لئے ایک دن مخصوص فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا، جس میں آپ نے انہیں نصیحت اور تبلیغ فرمائی۔صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ: آپ ہمارے لئے اپنی جانب سے ایک دن مقرر فرما دیں جس میں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں وہ باتیں سکھائیں جو آپ کو اللہ عزوجل نے سکھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم فلاں فلاں دن جمع ہو جانا۔ وہ جمع ہوئیں، پھر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں وہ باتیں سکھائیں جو اللہ عزوجل نے آپ کو سکھائیں۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۰۱، صحیح مسلم: ۲۶۳۳)

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مرجع المحققین مفتی محمد یوسف بندیالوی مفتی و شیخ الحدیث جامعہ رضویہ شمس العلوم کراچی ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

خواتین اسلامی اجتماعات میں شرعی پردے میں شرعی قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے شرکت کر سکتی ہیں اور ان کو ثواب بھی ملے گا۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

مفتی ابوالصالح محمد قاسم القادری مفتی دارالافتاء اہلسنت ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

عورت چند قیودات کے ساتھ بیان یا محفل نعت سننے کو جاسکتی ہے یعنی عالم سنی صحیح العقیدہ ہو جو کہ درست مسائل بیان کرتا ہو، پردہ شرعی کی رعایت ہو، مردوں سے اختلاط و بے پردگی نہ ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو۔ چنانچہ امام اہلسنت مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں" واعظ یا میلاد خواں اگر عالم سنی صحیح العقیدہ ہو اور اس کا وعظ و بیان صحیح و مطابق شرع ہو اور جانے میں پوری احتیاط اور کامل پردہ ہو اور کوئی احتمال فتنہ نہ ہو اور مجلس رجال سے دوران کی نشست ہو تو حرج نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

والله و رسوله اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیه و آله و اصحابه و بارک وسلم

مفتی عبدالروٗف سکھروی جنہوں نے خواتین کے مسجد میں آنے کو مکروہ تحریمی اور ناجائز قرار دینے پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے، ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

مسلمان خواتین کو کسی دینی، اصلاحی اور تبلیغی اجتماعات میں اصلاحی بیانات سننے کے لئے جانا جائز ہے، اور اس میں ان کو ثواب بھی ملے گا، لیکن اس میں درج ذیل شرائط کی پابندی ضروری ہے:

۱) مکمل شرعی پردہ میں ہوں۔

۲) مذکورہ مقامات صرف خواتین کے لئے مخصوص ہوں، مخلوط ماحول نہ ہو، اور مردوں کا وہاں آنا جانا اور عمل دخل بالکل نہ ہو۔

۳) آنے جانے کے لئے پردہ کا ایسا انتظام ہو کہ کسی مرحلہ پر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

۴) درس یا وعظ کرنے والا اگر مرد ہو، تو اس میں یہ ضروری ہے کہ اس کے اور خواتین کے درمیان مناسب پردہ حائل ہو، جس سے بے پردگی کا بالکل احتمال نہ ہو۔

۵) شوہر یا ولی کی اجازت سے جائیں۔

۶) اور اگر اس کے لئے سفر کرنا ہو، تو محرم ساتھ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد عبدالمجید دین پوری مفتی جامعۃ العلوم علامہ بنوری ٹاؤن ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

عورتوں کا باپردہ ہو کر شرعی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاحی و اسلامی اجتماعات میں گاہے بگاہے شرکت کرنا صحیح و درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ حضور ﷺ عورتوں کو اس طرح انتظام کے ساتھ وعظ فرماتے تھے

............فقط واللہ اعلم

عورتوں کی سیاسی اور سماجی خدمات کا جواز:

عورتوں کے لئے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا تو کیا ووٹ کے استعمال کے لئے اور سماجی خدمات ادا کرنے کے لئے بھی گھر سے باہر جانا جائز ہے۔

مفتیان حقانیہ لکھتے ہیں:

تاہم ایک مسلمان عورت کے ووٹ ڈالنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پردہ اور دیگر امور شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا حق استعمال کرے ورنہ معصیت کے ارتکاب سے ووٹ کا ترک کرنا افضل ہے۔

(فتاویٰ حقانیہ ص۳۱۲ جلد دوم)

مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے۔ ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔

(کفایت المفتی ص ۳۷۱ جلد ۹ سیاست)

علماء حقانیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اگر عورت امور شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بن جائے تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(فتاویٰ حقانیہ ص ۳۱۸، ۳۱۹ جلد دوم)

عورتوں کو بازار کی ذمہ داری سونپنا

اگر اسلامی تاریخ اور اسماء الرجال کی کتب پر نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک صحابیہ کو بازار کے نظم و نسق پر مامور کیا تھا اور اس صحابیہ کو رائے اور مشورہ دینے میں ترجیح دیتے تھے۔ اس صحابیہ کا نام حضرت شفاء رضی اللہ عنہا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اسی صحابیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

الشفاء بنت عبدالله بن عبدشمس بن خلف..... وكان عمر يقدمها في الراى و يرعاها و يفضلها و ربما ولاها شيئا من امر السوق.

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ص ۳۴۱ جلد اول بحوالہ حقانیہ)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں خواتین کے لئے بہر صورت سب سے افضل اور بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی تمام نمازیں (فرائض، واجبات، سنن وغیرہ) گھر ہی میں پڑھیں اسی میں کثرت ثواب، فضیلت اور بہتری ہے۔ اور مساجد میں حاضر ہونے سے اجتناب کریں۔ لیکن پھر بھی اگر مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ عورتیں مسجد میں آنا چاہیں تو ان کو مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھنا چاہیے، باپردہ آئیں، خوشبو نہ لگائیں، بجتا ہوا زیور اور زیب و زینت والا جاذب نظر لباس نہ پہنیں، مردوں کے ساتھ مل کر ایک دروازے سے نہ آئیں تاکہ ان کی عزت پر کوئی داغ نہ لگے۔ جن مساجد میں عورتوں کی نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے ان مساجد کے ائمہ اور خطباء (علماء) کو چاہیے کہ وہ خواتین کو آنے کی شرائط سمجھائیں تاکہ فتنہ و فساد کا سد باب بھی ہو جائے اور مسلمان عورتیں اس ثواب سے محروم بھی نہ رہ جائیں اور مساجد کے منتظمین کو بھی اس کا انتظام کرنا چاہیے کہ عورتوں کے لئے الگ راستے کا اہتمام کیا جائے تاکہ مرد و عورت کا مخلوط طور پر آنا جانا نہ ہو ورنہ پھر گھر ہی میں انھیں نماز پڑھنی چاہیے کہ اسی میں فتنوں اور دیگر گناہوں سے بچاؤ اور سلامتی ہے۔

هذاماعندی و الله اعلم بالصواب

گناہ کبیرہ کے مرتکب امام کے پیچھے نماز پڑھنا

علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے کیا فرماتے ہیں۔

زید ایک مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کیلئے مناسب تنخواہ اور رہائش کی سہولت کے ساتھ مقرر ہوا، مگر زید امام وخطیب کے فرائض انجام دینے میں ناکام رہا، بار بار مقتدی اور کمیٹی کے سمجھانے پر زید طیش میں آنے لگا، عوام اور کمیٹی نے بارہا چاہا کہ

مقتدیوں میں انتشار اور فساد برپا نہ ہو مگر زید نے بارہا ایسا کھیل کھیلا کہ متعدد بار مسجد کے اندر ہاتھا پائی بھی ہو چکی ہے، زید کے اندر بے شمار عیب موجود ہیں، زید کے کرتوتوں کی وجہ سے لوگ بارہا مرتبہ کمیٹی کو بھی آگاہ کر چکے ہیں، مگر مقتدیوں کے ساتھ کمیٹی بھی بے بس نظر آتی ہے، کافی نمازی حضرات اپنے مسلک کی مسجد مجبوری میں چھوڑ چھوڑ کر دوسری مساجد کا رخ کر گئے ہیں اور کر رہے ہیں، جنہیں مسلک کا علم نہیں وہ مجبوراً دوسرے مسالک کی مساجد میں نماز ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ زید کو بھی اپنے عیبوں کا علم ہے مگر اپنے عیبوں کو ختم کرنے میں وہ ناکام ہے۔ زید کے اندر پائے جانے والے عیبوں میں سے چند عیوب درج ذیل ہیں۔

کثرت سے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، بات بات پر قسم اٹھانا، بے شمار لوگوں کا مقروض ہونا، عین فرض نماز کا وقت ہونے پر مسجد سے چلے جانا معمول ہے، مصلی امامت پر بیٹھے ہوئے موبائل پر فون آجائے تو جواب دیتا ہے میں راستے میں ہوں، تنخواہ پوری لیتا ہے، بلکہ اپنی تنخواہ کبھی کبھی ایڈوانس بھی کر لیتا ہے، مگر ہفتے میں بمشکل چار نمازیں پڑھاتا ہے، جب کہ زید پنج وقتہ امام مقرر ہوا ہے۔ بارہا کہہ چکا ہے کہ اب غیر حاضری نہ ہوگی مگر وعدہ کرنے کے بعد بھی غیر حاضر رہتا ہے۔ اگر کوئی وقت کی پابندی یا باقاعدہ پنج وقتہ نماز پڑھانے کا کہے تو اس کو شر پسند اور منافق کہتا ہے، جلسوں میں جانے کے باعث راستے میں نمازوں کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں کرتا، اگر بالفرض کبھی نماز فرض پڑھا کر جانا ہوا تو بقیہ نماز (سنتیں، نوافل، وتر واجب) سب گول کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار عیب ہیں

مسجد کی رقم خورد برد کرنے میں Sientific طریقے میں اپنی مثال خود آپ ہے مندرجہ بالا عیبوں سے عوام بھی پوری طرح آگاہ ہو چکی ہے، اکثر نمازی اپنی ادا کردہ نمازوں اور آئندہ نمازوں کی ادائیگی کے لئے پریشان ہیں۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا عیوب رکھنے والا زید امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ اور ہمیں اپنی ادا کردہ، اور آئندہ نمازوں کی ادائیگی کے لئے ہماری رہنمائی فرمائیں۔
اللہ جل شانہ اور اس کا حبیب آپ ﷺ کا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

(حاجی نذیر احمد، فیض احمد صابری، چودھری احسان الحق، گلشن حدید فیز ا، بن قاسم کراچی)

الجواب باسمه تعالیٰ

صورت مسئولہ میں بناء بر صدق سائل زید کی مذکورہ صفات فسق وفجور کی ہیں، اور ان میں سے بعض گناہ کبیرہ ہیں، جن کا مرتکب فاسق وفاجر ہو جاتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں زید کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم نعمت (علم) پر عمل پیرا ہو کر پابندی اور خوش اخلاقی سے دین کی خدمت کریں، اور فساد پھیلانے کے بجائے امن وامان اور بھائی چارے کی فضا قائم کریں، اور جتنے بھی عیوب اور نقائص ہیں فوراً ان کا ازالہ فرما کر شریعت مصطفوی کی پابندی کر کے عوام کے لئے ایک نمونہ کی حیثیت سے زندگی گزاریں، اور اب تک جتنے گناہ اور فسق وفجور کے کام کئے ہیں ان سے بصدق دل توبہ کریں جو ان کی عزت ووقار پر چار چاند لگنے کے مترادف ہے، شیطانی وسوسے کی وجہ سے یا اپنی توہین سمجھنے کی وجہ سے توبہ میں تاخیر نہ کریں۔ اگر توبہ کر لی تو باقاعدہ ایک امام اور عالم دین کی حیثیت سے ان کی عزت ہر مقتدی پر لازم ہے، اور اگر زید توبہ کرنے کے لئے تیار نہیں تو کمیٹی والوں کو چاہئے کہ فوراً زید کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے عالم دین جو پابند شریعت اور خوش اخلاق ہو، اور دین کا درد رکھنے والا ہو کو امامت کے فرائض کے لئے منتخب فرمائیں کیونکہ مذکورہ عیوب کے ہوتے ہوئے زید

کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ویکرہ تقدیم العبد...والفاسق لانه لا یهتم لامر دینه .

(ہدایہ،ص۱۲۳،جلداول، باب الامامۃ،کلام کمپنی کراچی)

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

کرہ امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب اهانته شرعا فلا یعظم بتقدیمه بامامة.

(طحطاوی،ص۳۰۲،۳۰۳، باب الامامۃ،قدیمی کراچی)

علامہ حصکفی لکھتے ہیں: **یکرہ تقلید الفاسق ویعزل به.**

(الدرالمختار،ص۵۴۸،جلداول، باب الامامت،ایچ ایم سعید کراچی)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قوله یعزل به)ای بالفسق لوطرأعلیه والمراد انه یستحق العزل. (شامی،ص۵۴۹،جلد اول ،باب الامامۃ)

مفتی محمد وقارالدین رضوی لکھتے ہیں:

جس امام کا جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا وہ فاسق ہے،اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے،فقہاء نے لکھا ہے "**فی تقدیمه تعظیمه وقدوجبت اهانته شرعا**" یعنی اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شریعت میں اس کی توہین کرنا واجب ہے،اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی انہیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

(وقارالفتاوی،ص۱۸۴،جلددوم)

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسو الله ﷺ التائب من الذنب کمن لاذنب له .رواہ ابن ماجة

(مشکوۃ،ص۲۰۶)

الحاصل یہ کہ اگر زید توبہ کرتا ہے تو فبہا،ورنہ یا تو وہ خود امامت سے مستعفی ہو جائے یا کمیٹی والے اس کو معزول کر کے اس کے بجائے پابند شریعت کو امام مقرر کر لیں۔

واللہ اعلم بالصواب

۲۸/۷/۲۰۰۷

مسجد کا پانی گھر لے جانا، مسجد میں راستہ بنانا اور مسجد کے پھل دار
درخت کے پھل کا حکم

جناب محترم مفتی صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

ہمارے محلے کی مسجد میں انتظامیہ کمیٹی کو انتظامی امور میں چند شرعی مسائل کا سامنا ہے۔ ان مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) مسجد کا پانی محلّہ کے لوگ اپنے ذاتی استعمال کے لئے لے کر جاتے ہیں اس مسئلے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) مسجد میں دوطرفہ دروازے ہیں جبکہ دروازوں کے درمیان جو حصہ ہے وہ مسجد کے حدود میں شامل ہے اس راستے کو لوگ اپنے دنیاوی کام کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً دکاندار اپنے استعمال کے لئے پانی اس راستے سے لے کر جاتے ہیں مہربانی فرما کر اس کے بارے میں شرعی حکم کی رو سے وضاحت سے روشنی ڈالیں؟

(۳) مسجد میں پھل دار درخت لگے ہیں جس کے پھل محلے کے لوگ بغیر کسی اجرت کے استعمال کرتے ہیں اس بات کی انتظامیہ کی طرف سے بھی اجازت ہے۔ برائے مہربانی اس کو بغیر اجرت دیئے کون کون استعمال کرسکتا ہے؟ اس میں انتظامیہ اور مسجد کے مؤذن اور امام صاحب کے لئے کیا حکم ہے؟ السائل اخلاق احمد کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

(۱) مسجد کا پانی کوئی شخص گھر نہیں لے جاسکتا صرف مسجد میں استعمال کرسکتا ہے کیونکہ مسجد کی وقف چیز انسانوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی خالص ملکیت ہوجاتی ہے پھر وقف کی کسی چیز کو کوئی شخص اپنے ذاتی مصرف میں نہیں لاسکتا اور متولی یا کمیٹی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ وقف کی کسی چیز کو اپنے ذاتی کام میں استعمال کریں یا کسی کو استعمال کرنے کی اجازت دیں۔ عالمگیری میں ہے:

متولی المسجد لیس له ان یحمل سراج المسجد الی بیته.

(عالمگیری ص۴۶۲ جلد دوم۔ وقف، رشیدیہ کوئٹہ)

لہذا صورت مسئولہ میں جو لوگ پانی گھروں میں لے جاتے ہیں وہ گناہگار ہیں انہیں توبہ کرنی چاہئے۔

۲) مسجد کو گزرگاہ بنانا اس کے ادب واحترام کے منافی ہے اور گناہ ہے اور مسجد کی بے ادبی کا وبال بہت سخت ہے، مسلمانوں کو اس وبال سے ڈرنا چاہئے۔

۳) جو پھل دار درخت مسجد میں لگائے گئے اگر وہ اسی لئے لگائے ہیں کہ سب لوگ کھاویں تو نمازیوں اور غیر نمازیوں سب کو کھانا اس کا درست ہے اور اگر مسجد کے لئے لگائے گئے یا کچھ حال معلوم نہیں تو ان کو فروخت کرکے مسجد کے کاموں میں صرف کرنا چاہئے۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وفی الحاوی وماغرس فی المساجد من الاشجار المثمرة ان غرس للسبیل وهو الوقف علی العامة کان لکل من دخل المسجد من المسلمین ان یاکل منها وان غرس للمسجد لایجوز صرفها الا الی مصالح المسجد الاهم فالاهم کسائر الوقوف.

(البحر الرائق، ص۳۴۱، ج۵، کتاب الوقف، رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

رجل قال هذه الشجرة للمسجد لایصیر للمسجد حتی یسلمها الی قیم المسجد ولو غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد.

(خلاصۃ الفتاوی، ص۴۲۰، ج۴، کتاب الوقف، رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم بالصواب

۷ جولائی ۲۰۰۶ ..../ ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

مسجد کی تعمیر قربانی کی کھالوں سے اور زکوٰۃ سے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں۔

۱) قربانی کی کھالیں مسجد کی تعمیر میں استعمال کرسکتے ہیں؟

۲) صدقہ، زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم سے مدرسہ کی تعمیر کرسکتے ہیں؟

۳) صدقہ وفطرہ کی رقم سے دکانیں بنا کر ان کی آمدنی مسجد میں بغیر کسی حیلہ کے استعمال کرسکتے ہیں؟

۴) امام ومؤذن ومدرس کو زکوٰۃ وفطرہ اور قربانی کی کھالوں کا مالک بناسکتے ہیں یعنی ان کو زکوٰۃ وغیرہ دے سکتے ہیں؟

۵) مسجد کا سامان (کھڑکی، دروازے، پنکھے وغیرہ) مدرسہ میں لگا سکتے ہیں؟

۶) مدرسہ جوعموماً مساجد سے ملحق ہوتا ہے اور اس میں مقامی (محلّہ) کے بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں کیا اس مدرسہ کے مدرس صدقہ، زکوٰۃ وغیرہ لے سکتے ہیں؟ اور اگر لے سکتے ہیں تو کیا حیلہ شرعی کرنا پڑے گا یا بغیر حیلہ کے؟

المستفتی: محمد ساجد قادری کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

۱) قربانی کی کھال صدقہ کرنا مستحب ہے چاہے آپ کسی کو دیں جائز ہے، کھال کی صورت میں کھال مالدار، غریب، رشتہ داروں، غیر رشتہ دار، سادات وغیر سادات کو بھی دے سکتے ہیں، اگر آپ کھال مسجد کے متولی کو ملکیت کے طور پر دیتے ہیں تو وہ فروخت کر کے اس کی قیمت کو مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔

۲) صدقہ وفطرہ اور زکوٰۃ کی رقم سے بغیر حیلہ شرعی کے مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں، جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس رقم کا مالک کسی مستحق کو بنایا جائے اور وہ اس کو اپنی مرضی سے کسی مدرسے کی تعمیر کے لیے دے دے تو جائز ہے، لیکن آج کل جو رواجی حیلہ ہے کہ اس میں مستحق شخص کو مکمل اختیار نہیں دیا جاتا ہے بلکہ ان کو صدقہ کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور صدقہ نہ کرنے پر عار دلایا جاتا ہے تو اس طرح حیلہ سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی اور نہ مسجد ومدرسہ کی تعمیر جائز ہے۔

۳) صدقہ وفطرہ کی رقم سے دکانیں بنا کر ان کی آمدنی مسجد میں لگانا جائز نہیں بلکہ وہ ان غربا کا حق ہے جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، کیونکہ جب کھال کو فروخت کر دیا جائے تو اب اس کی رقم کسی مستحق کو دینا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما الصدقت للفقراء والمسكين .الخ. (سورة التوبه : ۶۰)

۴) امام ومؤذن اگر زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو ان کو قربانی کی کھال اور فطرہ کی رقم کا مالک بنایا جاسکتا ہے مگر شرط یہ کہ یہ مذکورہ اشیاء ان کو امامت اور اذان کی اجرت کے طور پر نہ دیئے جاتے ہوں، بلکہ بغیر کسی کام کے عوض دیا جائے۔

۵) مسجد کے دروازے اور کھڑکیاں جو کہ مسجد کی ملکیت میں ہیں اور استعمال نہیں ہو رہی ہیں ان کو مدرسہ میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، ان کو فروخت کر کے ان سے حاصل ہونے والی رقم کو مسجد کے دوسرے اخراجات میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۶) زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کا حق ہے اب چاہے وہ کسی مدرسہ کے مدرس ہو، یا محلّہ کا کوئی فرد، اس کو زکوٰۃ کی رقم ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کو اس رقم کا مالک بنا دیا جائے۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ولا يبنى بها مسجد ولا يكفن بهاميت لا نعدام التمليك وهوالركن.

(ہدایہ ص ۲۰۵، ج ۱، باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز، کلام کمپنی)

علامہ ابن نجیم (ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی) کی شرح میں لکھتے ہیں:

ومرادة تمليك جزء من ماله وهو ربع العشر اومايقوم مقامه (الى ان قال) والمرادمن ايتاء الزكوٰة

اخراجها من العدم الی الوجود. (البحرالرائق ص۳۵۲،ج۲،کتاب الزکوٰۃ،رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم بالصواب....۲۰۰۶ء۔۱۲۔۱۸.........۲٦ ذی القعدہ ۱٤۲۷ھ

مدرسہ میں امام اور مدرس کے لئے گھر بنانا اور اس پر مسجد یا

مدرسہ کی رقم خرچ کرنا

محترم مفتی صاحب المرکز الاسلامی نارتھ ناظم آباد کراچی مع السلام عرض ہے کہ درج ذیل مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں حل فرما کر ممنون فرمائیں۔

۱) مسجد سے ملحق مدرسہ زیر تعمیر ہے۔ یہ مدرسہ مسجد کے احاطے ہی میں بنا ہوا ہے تو کیا اس مدرسہ میں امام مسجد کو کہ جو اس مدرسہ میں مدرس بھی ہے فیملی رہائش کے لئے عارضی جگہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲) امام مسجد کی رہائشی جگہ عارضی طور پر مدرسہ میں بنانے کے لئے مسجد یا مدرسہ کے اخراجات کی رقم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: انتظامیہ مسجد قیوم نارتھ کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

۱) صورت مسئولہ میں اگر مدرسہ کی زمین کو وقف کرنے والے اور انتظامیہ کی اجازت ہو تو عارضی کیا مستقل طور پر فیملی رہائش کے لئے جگہ دی جاسکتی ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہوگی بلکہ ادارے کے کسی بھی مدرس کی رہائش کے لئے ہوگی جیسا کہ اسلامی ممالک کے مدارس میں معمول ہے۔

۲) صورت مسئولہ میں اگر امام کے لئے مسجد کے احاطے میں مکان تعمیر کرنا ہو تو اس کی تعمیر پر مسجد کے چندے سے خرچ کر سکتے ہیں اور اگر مدرسہ کا مکان مدرسہ کے احاطے میں تعمیر کرنا چاہیں تو مدرسہ کے چندے سے خرچ کر سکتے ہیں جبکہ دونوں صورتوں میں چندہ ایسا ہو کہ دینے والے نے مطلق اجازت دی ہو کہ مسجد یا مدرسہ کے کسی بھی مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں۔ اور اگر کسی خاص کام کے لئے چندہ لیا ہو تو پھر اسی کام میں خرچ کرنا چاہئے بصورت دیگر دینے والوں سے اجازت لینی ہوگی۔ مفتی محمد وقار الدین قادری لکھتے ہیں:

> جس کام کے لئے لوگوں سے کہہ کر قربانی کی کھالیں اور چندہ وصول کیا گیا وہ اسی میں خرچ کیا جائے گا، دوسرے کسی کام میں نہیں۔ دوسرے مصرف میں خرچ کرنے کے لئے دینے والے سے اجازت لینا ہوگی، ان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ مکان چونکہ مسجد ہی کی ملکیت ہے اس لئے اس کی مرمت میں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔
>
> (وقار الفتاویٰ ص۳۱۴ جلد دوم)

واللہ اعلم بالصواب

مسجد کی دکان کی ایڈوانس رقم میں انتظامیہ کی ناجائز کٹوتی

گزارش ہے کہ بندہ جامع مسجد قباء کا کرایہ دار تھا۔ بجلی کے آلات اور سلائی مشینوں کی مرمت کا کام کیا کرتا تھا۔

عالی جاہ: بندہ نے دوجنوری ۲۰۰۴ءکوایڈوانس رقم مبلغ ۱۰۰۰۰ روپے مسجد انتظامیہ کوجمع کرایا۔رسید بھی ملی۔انتظامیہ نے کہا جب آپ دکان خالی کریں گے تو ۳۰۰۰ روپے کٹوتی ہوگی بندہ نے جواب دیا اگر جائز ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ کٹوتی نہیں ہوگی۔دکان مورخہ یکم فروری ۲۰۰۴ءکو بندہ کے حوالے کی گئی، چند ہفتے بعد شرائط نامہ ۵۰ روپے کے اسٹامپ پیپر پر بندہ کے حوالے کیا گیا۔اسٹامپ پیپر پر ایڈوانس کی رقم مبلغ ۷۰۰۰ روپے لکھے گئے اس وقت بھی بندہ نے کہا کٹوتی جائز ہے یا نا جائز معلوم کریں گے۔

جناب من: بندہ نے کسی مفتی صاحب سے معلومات حاصل کی، چند عمر رسیدہ لوگوں کو بتایا، پھر یہ بات امام مسجد اور نمازیوں میں پھیل گئی۔مسجد کے صدر صاحب اور ایک رکن انتظامیہ دکان پر آئے دونوں نے بلند آواز میں بندہ کو ڈانٹا اور کہا آپ کیا فتنہ پھیلا رہے ہیں، پندرہ بیس منٹ بحث ہوتی رہی بحث کے دوران بندے نے کہا آپ لوگ مفتی صاحب کے پاس چلیں، بندہ کی ایک بھی نہ سنی، آخر میں کہا آئندہ کسی قسم کا فتنہ وغیرہ کیا تو سختی سے نوٹس لیا جائیگا۔

نوٹ: مسجد کے چند انتظامیہ اور صدر صاحب بے نمازی بھی ہیں۔شرعاً مسجد انتظامیہ کے حقدار ہیں؟

جناب والا: بندہ نے جو تحریر نامہ قلم بند کیا ہے آپ جناب کی خدمت میں، طریقت و شریعت کا جو حکم صادر فرمائیں گے عوام الناس کو قبول کرنا ہوگا۔آپ کی عین نوازش ہوگی۔ محمد شمشاد علی، مجاہد کالونی اورنگی کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں مسجد انتظامیہ کو شرعا یہ جائز نہیں کہ وہ ایڈوانس لئے ہوئے دس ہزار روپے میں کمی کریں، اگر کرایہ دار (فریق دوم) نے دکان کو کچھ نقصان پہنچایا ہو تو اس صورت میں اس کا تاوان لے سکتا ہے، اگر کچھ نقصان نہیں کیا تو اس کے دس ہزار روپے واپس کرنے ہیں۔ہاں اگر کرایہ نہیں دیا تو کرایہ کے برابر کٹوتی کر سکتے ہیں ورنہ بغیر کسی شرعی حکم کے کسی کے مال سے کٹوتی جائز نہیں۔

مفتی محمد وقار الدین رضوی قادری لکھتے ہیں:

کرایہ دار جب دکان خالی کرے گا تو ضمانت رکھی ہوئی رقم اس کو فوراً واپس کردی جائے۔ (وقار الفتاویٰ، ص ۳۳۱، ج ۲)

مفتی صاحب موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

شریعت کا قاعدہ ہے کہ المال بالمال، یعنی کسی کا مال نقصان ہو جائے تو وہ اس کے بدلے میں مال لے سکتا ہے، یہاں دکاندار (خریدار، کرایہ دار) نے کوئی مالی نقصان نہیں کیا، لہذا اس کا مال ضبط کرنا نا جائز ہے۔قرآن کریم میں ہے: "**ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل**" (سورۃ البقرۃ:۱۸۸) آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ (وقار الفتاویٰ، ص ۲۶۲، ج ۳)

الحاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں فریق دوم (کرایہ دار) نے مسجد کی دکان میں نقصان نہیں کیا، اور نہ کرایہ میں تاخیر کی ہے، لہذا شرعاً فریق اول (مسجد انتظامیہ) کو اس کے دس ہزار روپے واپس کرنے پڑیں گے، کٹوتی جائز نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب
۲۲۱۷۱۲۰۰۷

کتاب الزکوٰۃ

جی، پی، فنڈ پر زکوٰۃ

محترم مفتی صاحب السلام علیکم، جناب عالی:

میں ایک سرکاری ملازم ہوں میری تنخواہ میں سے ہر ماہ تقریبا''۵۳۰'' روپے کٹتے ہیں۔ جو اس وقت تقریبا''۵۵۰۰'' روپے تقریبا خالص رقم ہے۔ جب کہ میں نے سلپ نکلوائی ہے ۲۰۰۵ء تک وہ''۱۰۷۰۰۰'' (ایک لاکھ سات ہزار) ہے۔ اب ۲۰۰۶ء میں تقریبا ''۱۲۰۰۰۰'' (ایک لاکھ بیس ہزار) ہوجائے گی۔ پوچھنا یہ ہے کہ

۱) یہ رقم گورنمنٹ میری ریٹائرمنٹ کے وقت دے گی میں اب بھی چاہوں تو لے سکتا ہوں اس صورت میں کیا مجھ پر زکوٰۃ ہے اگر ہے تو کتنی؟

۲) زکوٰۃ کا نصاب کس طرح متعین ہوگا یعنی سونے کی یا چاندی، سونا مہنگا ہے اور چاندی سستی۔

۳) مجھے جو تنخواہ ملتی ہے وہ ختم ہوجاتی ہے یعنی رقم بچتی نہیں ہے۔ جب ایک لاکھ بیس ہزار جب چاہوں اس وقت حاصل کرسکتا ہوں۔ اس صورت میں زکوٰۃ کس طرح دینی ہوگی۔

میں اس سلسلے میں شرعی طور پر مبرا ہونا چاہتا ہوں، کیا زکوٰۃ کی رقم ادھار لے کر دی جائے یا ریٹائرمنٹ کے وقت یہ رقم بڑھ کر تقریبا چھ لاکھ ہوجائے گی اس وقت دی جائے۔

نوٹ: حوالے کے لئے G. P. Fund سلپ اور روپے رجسٹر کی کاپی منسلک ہے جو کہ پرانی ہے۔

سائل: انور حسین محمد یوسف سمول، نیوکراچی

الجواب بعون الوھاب

زکوٰۃ ہر آزاد عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہے جو ملک تام کی حیثیت سے نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے۔ یہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط ہیں، لہٰذا اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی مثلا جو پیسہ آتا ہے خرچ ہوجاتا ہے یا اتنا ہے کہ نصاب کو نہیں پہنچتا وغیرہ۔

علامہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں:

''الزکوٰۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصابا ملکا تاما وحال علیه الحول''

(ہدایہ، ص ۱۸۵، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ، کلام کمپنی)

صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے حساب سے متعین ہوگا اگرچہ چاندی سستی ہے اور سونا مہنگا۔ کیونکہ اس میں غربا و مساکین کے لیے زیادہ فائدہ ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

يقومها بما هو انفع للمساكين..الخ

(ہدایہ، ص۱۹۵، ج۱، باب زکوٰۃ المال)

دوم یہ کہ مذکورہ G.P.Fund کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ یہ رقم نصاب سے زیادہ ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگرچہ G.P.Fund کا مالک ملازم ہے جس کی تنخواہ سے یہ فنڈ کاٹا گیا ہے مگر چونکہ اس کا قبضہ ابھی تک نہیں ہے لہذا قبضہ سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ قبضہ کے بغیر ملک تام نہیں ہوتی لیکن جیسے ہی رقم اسے ملے گی تو پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینا ہوگی لہذا ہر سال کا حساب رکھا جائے تاکہ زکوٰۃ دیتے وقت آسانی ہو۔

الحاصل یہ ہے کہ آپ کے G.P.Fund کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور یہ جیسے آپ کے قبضہ میں آئے اس کی زکوٰۃ ہر سال کے حساب سے ادا کریں یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیں مثلاً سو روپے میں سے ڈھائی روپے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۸ مئی ۲۰۰۶ء.........۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

زکوٰۃ کے متعلق چند مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ایک کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے کاروبار میں خاندان کے تمام افراد کا حصہ ہے۔ چند سال پہلے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ جس کی ادائیگی باقی تھی اس کا حساب بنا کر ہم نے اپنے کاروباری رقم سے ایک علیحدہ رقم بینک اکاؤنٹ میں منتقل کردی اور ہماری اس کے بعد کی سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہو رہی ہے اب گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کچھ وقت درکار ہے اور ہمیں امید ہے کہ آئندہ چار سے پانچ سال کے دوران پرانی زکوٰۃ کی ادائیگی ممکن ہے۔

برائے مہربانی مندرجہ بالا صورت مسئولہ سے چند اہم جوابات مطلوب ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

۱۔ مندرجہ بالا زکوٰۃ کی رقم پر چند سال بھی گزر چکے ہیں۔ کیا اس پر بھی سالانہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

۲۔ زکوٰۃ کی یہ مذکورہ رقم غیر مسلم و غیر ملکی بینک اکاؤنٹ میں ہے اس پر سالانہ سود بھی لیا جاتا ہے۔ کیا اس سود کی رقم کا لینا جائز ہے۔ جائز ہونے کی صورت میں اس کا مصرف کیا ہے اور ناجائز ہونے کی صورت میں واپسی کی کیا صورت ہے؟ نیز سود کی مذکورہ رقم یا اس کے علاوہ سود کی رقم سے ہسپتال کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ نیز زکوٰۃ کی مذکورہ رقم مسلم و غیر ملکی بینک اکاؤنٹ میں ہے اس کے سود کا کیا حکم ہے؟

۳۔ پرانی زکوٰۃ کی مذکورہ رقم سے ہماری کمپنی وقتی طور پر استعمال کے لئے لےسکتی ہے یانہیں؟ جبکہ کمپنی خودصاحب نصاب ہےلیکن فی الوقت اپنی جائیداد/مال سے رقم حاصل نہیں کرسکتی۔اوراس وقت کمپنی کوکیش رقم کی سخت ضرورت ہے۔

۴۔ (ا)زکوٰۃ کی مذکورہ رقم کوفوری زکوٰۃ کی مد میں تقسیم کرنا مشکل ہےاس لئے تمام فریقین اپنے اپنے حصہ کے بقدر واپس وصول کرنا چاہیں تو کیا حکم ہے۔

(۲) ان فریقوں میں سے ایک فریق کا انتقال ہو چکا ہےتو ان کے حصہ کوزکوٰۃ کی مد میں باقی رکھا جائے یا ترکہ میں تقسیم کیا جائے؟ ہر فریق صاحب نصاب ہے۔

المستفتی :اعجاز سایا کراچی

الجواب بعون اللّٰہ

ا۔ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کی رقم پر چند سال جوگزرے ہیں تو اس زکوٰۃ کی رقم پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔البتہ مذکورہ مقدار زکوٰۃ کا یہ شخص مقروض رہےگا اور لازماً اسے یہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

۲۔ اول تو اپنی رقم سودی اکاؤنٹ میں نہ رکھوائی جائے اگر رکھوائی تھی اوراس پر سود آیا ہےتو غیر مسلموں کے بینکوں میں اگر اسے چھوڑا جائے گا تو اسلام مخالف سرگرمیوں میں خرچ کریں گے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اسے لے کر غریبوں میں بغیر ثواب کی نیت کے تقسیم کردیا جائے۔سود کی رقم سے ہسپتال کی تعمیر درست نہیں۔

۳۔ زکوٰۃ کی رقم جب تک ملکیت میں ہے،مصرف زکوٰۃ میں مالک بنا کر خرچ نہ کی گئی ہو وہ ملک میں رہتی ہےاور زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔تو اسے اپنی ضرورت کے لئے خرچ کرنا بھی جائز ہے۔لیکن جتنی مقدار زکوٰۃ اس پر لازم تھی وہ شخص اس مقدار زکوٰۃ کا مقروض رہےگا جو بعد میں بھی ادا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ (الف)اگر فریقین اپنے اپنے حصے کی زکوٰۃ کی رقم واپس وصول کرنا چاہیں تو چونکہ ابھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تو اس لئے اس کا واپس لینا بھی جائز ہےلیکن یاد رہے کہ مذکورہ مقدار زکوٰۃ شرعاً اس پر لازم ہو چکی ہےجس کی ادائیگی بہرحال ضروری ہے۔

(ب)جس فریق کا انتقال ہو گیا ہےاگر انہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی کی وصیت کی تھی تو ایک تہائی مال کی حد تک زکوٰۃ ادا کی جائے گی ان کےکل مال کےایک تہائی میں سے وصیت نافذ ہوسکتی ہےاوراگر زکوٰۃ کی رقم ان کے تہائی مال سے زائد ہےتو پھر بھی ورثاء کی اجازت سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔ورنہ تو اسے بھی ترکہ میں شامل کیا جائے گا اور ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔فقط

واللہ اعلم بالصواب

زکوٰۃ قیمت خرید پر ہے یا قیمت فروخت پر

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:ایک شخص نے کوئی مال خریدا،اب اس کی زکوٰۃ خرید کردہ قیمت پر ہوگی یا موجودہ نرخ قیمت پر؟

حاجی عبدالحمید صاحب،اسلامک سینٹر کراچی

الجواب باسمه تعالیٰ

خریدی ہوئی چیز کی زکوٰۃ کے ادا کے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا۔اورزکوٰۃ میں دینالازم ہے۔علامہ حصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتعتبر القیمة یوم الوجوب ،وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعا وھو الاصح.

(الدرالمختار ص۲۸۶ جلددوم، باب زکوٰۃ الغنم ،ایچ ایم سعید کراچی)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وفی المحیط :یعتبر یوم الاداء بالاجماع وھوالاصح.

(شامی،ایضاً)

صدرالشریعۃ لکھتے ہیں:

مال تجارت میں سال گزرنے پر جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہے۔

(بہارشریعت ص۴۱ حصہ پنجم)

واللہ اعلم بالصواب

۲۰۰۷/۰۱/۲۵..........۵محرم ۱٤۲۷ھ

باب المصرف

(زکوٰۃ کہاں خرچ کریں؟)

غریب شخص کا بہن کی شادی کے لئے زکوٰۃ یاامداد لینا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان کی بہن کی شادی ہے، وہ لوگ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں یہ کل پانچ بھائی ہیں۔تین بھائی الگ رہتے ہیں، دو چھوٹے بھائی ماں باپ اور بہن کی کفالت کرتے ہیں۔دونوں بھائیوں کے پاس اپنی ملکیت میں زکوٰۃ کے نصاب کے مطابق سونا، چاندی، یا نقدرقم وغیرہ نہیں ہیں البتہ ان کے والد صاحب کے پاس دو عدد پلاٹ ہیں جو ان کا کل اثاثہ ہیں اس پلاٹ میں لازمی طور پر پانچ بھائی بہن اور والدہ حصہ دار ہیں، اگر بہن کی شادی کے لئے دونوں چھوٹے بھائی کسی سے مدد لینا چاہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر کوئی بتائے بغیر یا بتا کر زکوٰۃ کی رقم سے مدد کرنا چاہے تو کیا یہ زکوٰۃ کی رقم وصول کر سکتے ہیں ؟

المستفتی: ارشاد حبیب کراچی

الجواب بعون الوهاب

صورت مسئولہ میں بہن کی شادی کے لئے مدد لینا جائز ہے اور اگر ان بہن بھائیوں کو کوئی شخص زکوٰۃ کے مال سے رقم دینا چاہے تو اس کو دینا اور ان کو لینا جائز ہے کیونکہ صورت مسئولہ میں یہ لوگ مستحق زکوٰۃ ہیں کیونکہ ان کے پاس زکوٰۃ کے نصاب کے برابر مال نہیں ہے۔اس لئے اگر یہ لوگ زکوٰۃ لے کر بہن کی شادی کرا دینا چاہتے ہیں تو جائز ہے اس لئے کہ یہ لوگ مصارف زکوٰۃ میں شامل ہیں۔

مصارف زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما الصدقت للفقراء والمسكين والعٰملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغار مين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله .والله عليم حكيم. (التوبة: ٦٠)

والله اعلم بالصواب

۲۸/٤/۲۰۰۷ء.....١٠/ربیع الثانی ١٤٢٨ھ

بہن کا بھائی کو زکوٰۃ دینا، اور بھائی کا بہن سے زکوٰۃ مانگنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دینی طالب علم اپنی بہن کی نکالی ہوئی زکوٰۃ کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور واضح رہے کہ وہ دینی کتاب خریدنے کا خواہشمند ہے اور کیا دینی کتب کے علاوہ دیگر ضروریات زندگی میں اسے خرچ کرسکتا ہے؟ نیز یہ کہ کیا اس کے لئے اپنی بہن سے زکوٰۃ خود سے مانگنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: فیصل احمد سرفراز، کراچی

الجواب بعون الوهاب

واضح رہے کہ زکوٰۃ، زکوٰۃ دینے والے کے اصول یعنی ماں باپ اجداد وجدات اوپر تک اور اسی طرح زکوٰۃ دینے والے کے فروع یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد نیچے تک پر جائز نہیں۔ اس کے علاوہ دیگر رشتے داروں یعنی بہن بھائی وغیرہ پر جائز ہے بلکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔علامہ ابوالبرکات النسفی لکھتے ہیں: